

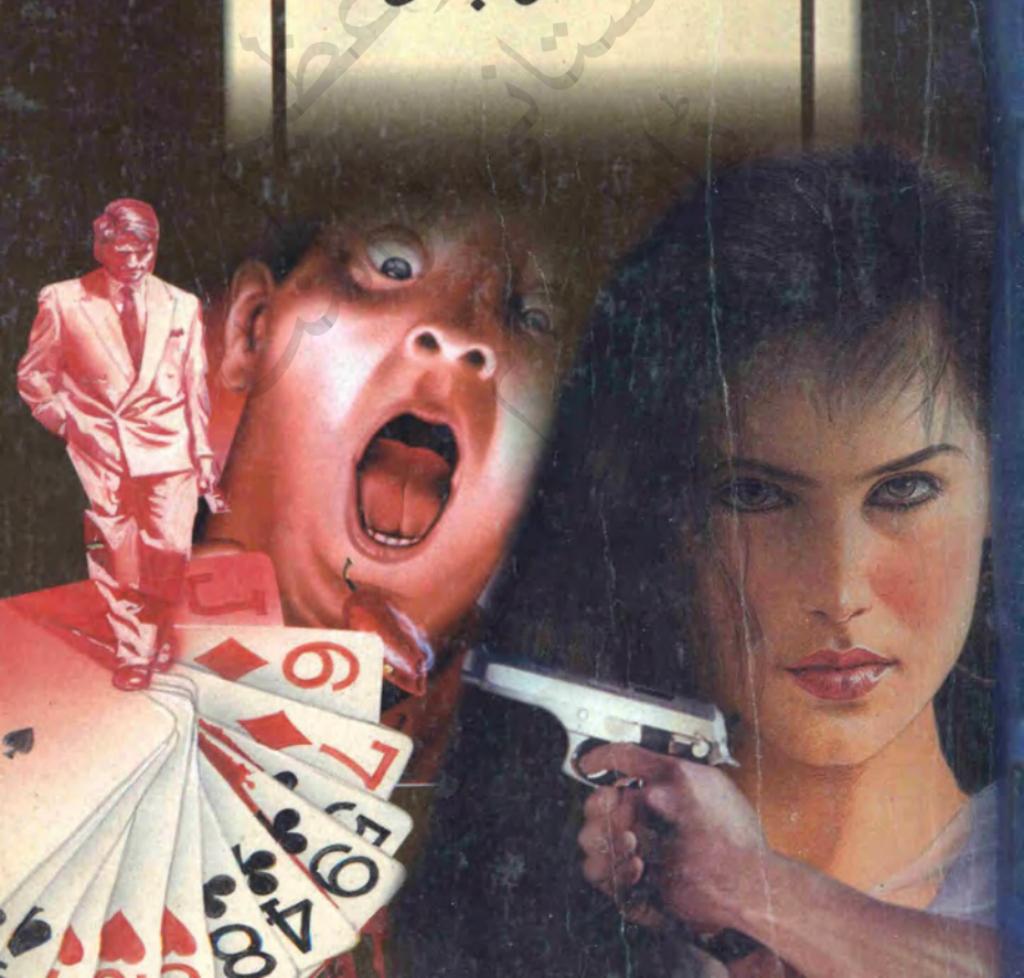
ابنِ صفحی

جاسوسی دنیا

39۔ اندھیرے کا شہنشاہ

40۔ پُر اسرار و صیت

41۔ موت کی چٹان



جاسوسی دنیا نمبر 39

پری و قادر عظیم
اندھیرے کا شہنشاہ

(مکمل ناول)

پیش رس

دواشیں

اگر یہ واقعہ روز روشن میں پیش آیا ہوتا تو لوگ نہ صرف حیرت سے چیختے بلکہ کئی تو رولس نیس کار کے پیچھے دوڑنے بھی لگتے۔
 لیکن اس وقت رات بھی تھی اور شاید وہ بجے ہوں گے۔ شہر کی سب سے باروف سڑک مل دیوان تھی اور ایک انداھا فقیر فٹ پاٹھ پر ایک عمارت کی دیوار سے نیک لگائے بیٹھا اونگھ تھا۔ فتحاً ایک رولس رائکس کار اس کے قریب ہی آ کر رک گئی۔ انداھا چونک پڑا۔ چار آدمی اہستگی کار سے اترے۔ وہ دبے قدموں اندر ہے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ لیکن انداھا بھی بیٹھا نہیں رہا تھا۔ اس حال میں دیکھنے والے اسے انداھا نہیں سمجھ سکتے تھے۔ وہ نہ صرف ٹراہ ہو گیا تھا بلکہ اس پوزیشن میں تھا جیسے اسے کسی کے حملے کا انتظار ہو۔ چار آدمیوں میں سے نے لو ہے کی موٹی سی سلاخ نکالی۔ جیسے ہی وہ چاروں اس کے قریب پہنچے انداھا جھکائی ہے کر ان کے زرغہ سے نکل گیا۔ لیکن پھر! اس کے سر پر لو ہے کی سلاخ پڑی اور وہ سنجھنے کی نش کرتا ہوا اونڈھے منہ فرش پر گر پڑا۔ چاروں عقاب کی طرح اس پر جھپٹے۔ اندر ہے نے چیننا مگر اس کا منہ دبادیا گیا۔

بھروسہ کار سفان سڑکوں پر تیزی سے دوڑنے لگی۔ کار کے اندر اب بھی جدوجہد جاری

”اندھرے کا شہنشاہ“، سُنْنی، تحریر اور روگنگے کھڑے رہ دینے والی لڑائیوں کا طوفان لے کر اجھرتا ہے، اس میں ایک بہت بڑا مجرم ہے، ایک قبیلے کا مذہبی پیشو اور وہ بھی ایک غیر ملکی سرزی میں سے تعلق رکھنے والا.... اور سونے پر سہاگہ یہ کہ وہ انداھا ہے مگر چار آنکھوں والوں کے کان کرتا ہے۔ اس کی بے پناہ طاقتیں خریدی کو بھی مبہوت کر دیتی ہیں۔ اسی کہانی میں حمید کا نیا شغل بھی دیکھئے۔

لوگ کتے پالتے ہیں، کبوتر اور طوطے پالتے ہیں، حمید بکرا پالتا ہے اور آپ یقین کیجئے یہ ”برخوردار بغاۓ خاں“ حمید کی سابقہ محبوہ ”چوہیا“ سے کم قیامت نہیں ہیں۔ قاسم بھی ہے مگر اس کی حماقتیں ذرا دبی ہوئی ہیں۔ وہ دراصل آئندہ خاص نمبر کا منتظر ہے۔ جہاں طوفان اس کے منتظر ہیں اور طوفان کا اسے مذاق اڑانا ہے۔

ابن صفحہ

تھی۔ انہوں نے اندر ہے کوئی نہ کسی طرح کار میں ٹھوٹس تو دیا تھا لیکن اب وہ ان کے باہر ہوا جا رہا تھا۔

اندر ہے کاچھہ سر سے بہے ہوئے خون کی وجہ سے حد درجہ خوفناک نظر آنے لگا؛ وزخمی درندے کی طرح انہیں بھکولے دے رہا تھا۔ ساتھ ہی اس پر گھونسوں اور تھپڑوں بھی ہو رہی تھیں۔

ان میں سے ایک جو کارڈینیوں کو رہا تھا شاید اچھی حالت میں تھا ورنہ بقیہ تین تو بھوت بن گئے تھے۔ ان کے کپڑے پھٹ کے تھے۔ کسی کا کان زخمی تھا اور کسی سے پر خون کی لکیریں نظر آ رہی تھیں۔ ایک آدمی کی ہاتھ سے متواتر خون بہرہ رہا تھا۔

”کاش میں اس کا گلا گھونٹ سکتا۔“ ایک آدمی ہانپا ہوا بولا۔

”شش... شا...!“ انہوں نے جواب میں ایک ہندیانی قہقہہ سننا۔ انہوں نے تھا شہنشہ بنس۔

”تم... مجھے ختم نہیں کر سکتے۔ مجھے مارنے کے لئے فولاد کا جگہ چاہئے۔“ انہوں نے جواب میں اس کے منہ پر ایک گھونسہ پڑا۔

چاروں کو حیرت تھی کہ انہوں نے بھی سک ہوش میں ہے۔ نہ صرف ہوش میں ہے اس میں مقابلے کی قوت بھی باقی ہے۔ جب وہ اس مہم پر روانہ کئے تھے تو ان کے کو بھی اس کی موقع نہیں تھی کہ وہ انہوں نے آنکھوں پر بھی بھاری ہو گا۔ وہ سمجھتے ہیں اسے ٹانگیں پکڑ کر گھیست لائیں گے۔ اس کام کے لئے نہیں ایک بھاری رقم ملی تھی۔ وہ سوچ رہے تھے کہ اس کام کے لئے وہ بھاری رقم بھی کم تھی۔

آدھا گھنٹہ لگ رگیا۔ اب کارشہر کی گھنی آبادی سے نکل کر چھٹم روڈ پر آگئی تھی سڑک کے دونوں طرف تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چھوٹی بڑی عمارتوں کے سلسلے تھے۔ آ کر کار مشرق کی سمت ایک کچھے راستے پر مڑ گئی۔ پھر وہ ایک فرلانگ تک آہستہ آہستہ ریکھ بالآخر رک گئی۔ اس اجڑا میدان میں صرف ایک ہی عمارت تھی اور انہیں میں اس کی قدر خوف انگیز بھی معلوم ہو رہا تھا۔

چاروں نے اندر ہے کو بڑی بے دردی سے کھینچ کر نیچے اتارا۔ وہ اب بھی ہوش میں تھا لیکن اس نے گلوخلاصی کے لئے خود جہد نہیں کی۔ ویسے ان میں سے ایک نے اختیاطاً اب بھی اس کا منہ دبارکھا تھا۔

وہ اسے عمارت کے اندر لایا۔ ان کے داخل ہوتے ہی پے درپے کئی کمروں میں روشنی ہوئی گئی۔ آخروہ ایک بڑے کمرے میں آئے جہاں ایک آدمی شاید ان کا منتظر تھا۔ اندر ہے کو ان کے ساتھ دیکھ کر اس کے ہوتوں پر ایک تسلیں آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ بدنامی کی حد تک چوڑے شانے اور کوٹاہ گردن رکھتا تھا۔ سر بڑا اور اسی کی مناسبت سے چہرہ بھرا ہوا تھا۔ ناک طوطے کی چونچ سے بہت مشابہ تھی۔

چاروں اندر ہے کے گرد کھڑے تھے اور ان کے سامنے پانچھاں آدمی خاموش کھڑا اندر ہے کو گھور رہا تھا۔

”مسٹر.... عدنان....!“ ان میں سے ایک نے کھکار کر کچھ کہنا چاہا لیکن سامنے کھڑے ہوئے آدمی نے اپنے ہوتوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کر دیا۔

”آں.... اچا کم انداھا چوک کر بڑا بڑا۔“ ”مسٹر عدنان....!“ کوئی کچھ نہ بولا۔ عدنان اس آدمی کو تھر آ لو دنظر وہ سے گھور رہا تھا۔ جس نے اس کا نام لیا تھا۔

”کیا تم لوگوں کی موت کے فرشتے نے سوگھ لیا ہے؟“ انداھا گرچ کر بولا۔ ”اگر یہ واقعی عدنان بہت مجھے اس ملاقات پر افسوس نہ ہو گا۔“

”شاید... خوش ہونے کیلئے زندہ نہ رہو۔“ عدنان ایک پیچکی ہی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ”اپنے ذہن کی آنکھیں کھولو....!“ ”انداھا نہیں کر بولا۔“ اور تصور کرو کہ تمہاری لاش ایک پیش میدان میں پڑی ہے اور اس پر گلدھ منڈلا رہے ہیں۔“

”اندر ہے کو اس مت کرو۔ مجھے نور جہاں کی ضرورت ہے۔“ عدنان نے سرد لبجھ میں کہا۔ ”تم جانتے ہو کہ میں افریقہ میں اندر ہیرے کے شہنشاہ کے نام سے مشہور تھا۔“ اندر ہے

نے کہا۔

”تمہارے دن پورے ہو گے۔“ عدنان نے کہا اور میز سے چڑے کا ہٹر اٹھالیا۔
لمحے انہیں کو گھوتا رہا پھر بولا۔ ”مجھے تمہارے بڑھاپے پر حرم آتا ہے۔“

جواب میں انہیں نے قہقہہ لگایا اور پھر طنزیہ لمحے میں بولا۔ ”تمہارے آدمی پہلے تو
پر کافی رحم کر چکے ہیں اور اب تم بھی کچھ کر کے دیکھ لو۔ لیکن اتنا ضرور سوچ لینا کہ آخوند
بھکاریوں کی طرح فٹ پاٹھ پر بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی۔“

عدنان کا اٹھا ہوا تھے جھک گیا۔ اس کی پیشانی پر تکر کی گھری لکریں ابھر آئی تھیں۔
”کیوں...!“ انہیں نے چڑھانے والے انداز میں کہا۔ ”سوچنے لگے... تم خدا
سوچو گے.... اتنا عظیم آدمی معمولی بھکاری کے روپ میں... ہاہاہا... سوچ... جتنی دیر سوچو۔
وہی وقفہ دراصل تمہاری زندگی کے آخری لمحات کا حامل ہوگا۔“

عدنان نے پھر ہٹر والا ہاتھ اٹھایا اور چاروں آدمی انہیں کے پاس سے ہٹ کے
شاید صرف انہیں ہٹانے ہی کیلئے ایک قسم کا اشارہ تھا کیونکہ اس کے بعد ہی پھر اس کا ہاتھ ہے
سمیت جھوول گیا۔ اسکے چہرے سے صاف ظاہر ہوا تھا کہ وہ کسی الجھن میں مبتلا ہو گیا ہے۔
”سوچ چکے تم...!“ انہیں کی آواز سنائے میں گوئی۔

”دیکھو میں کہتا ہوں...!“

”کچھ کہنے کی مہلت نہیں ملے گی۔“ انہیں نے عدنان کو جملہ پورا نہ کرنے دیا۔ ”پہنچ
مجھے معلوم ہوا تھا کہ جنوبی افریقہ سے کوئی میری تلاش میں آیا ہے۔ میری تلاش کسی کو کیوں
ہو سکتی ہے۔ یہ میں اچھی طرح جانتا تھا۔ بہر حال یہ معلوم کرنے کے لئے کہ میری تلاش میں
آنے والا کون ہو سکتا ہے میں کھل کر سامنے آ گیا۔ میرا طریقہ کار سو فیصدی کامیاب ثابت ہے
اور اب تم مجھے کے طور پر میرے سامنے ہو۔ ایک ایسے چہرے داں میں جس سے تم کسی طریقے
نہیں نکل سکتے۔“

”کیا...؟“ عدنان سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ وہ خوفزدہ نظروں سے چاروں طرز

لکھنے لگا تھا۔ انہیں نے قہقہہ لگایا۔ اس کا چھرو سر سے بھے ہوئے خون کی وجہ سے سرخ ہو رہا
थا۔ جب وہ قہقہہ لگاتا تو اس کے سفید اور نوکیلے دانت بچ کی درندے ہی کے دانت معلوم
ہوتے۔ ایسے درندے کے دانت جو ابھی ابھی کسی کی لاش ادھیز کر اٹھا ہو۔

”ڈر نہیں عدنان...!“ انہیں کی تیز سرگوشی کر کے سنائے کو جیرتی چلی گئی۔
”میں صرف گاٹھوٹ کر مارتا ہوں۔“

”خاموش رہو۔“ عدنان خود... آواز میں چیخا اور ساتھ ہی اس کا ہٹر والا ہاتھ حرکت میں
اگیا۔ شائیں... شائیں... شائیں... چوتھی بار انہیں نے ہٹر کپڑا لیا۔ عدنان نے جھکا دیا
یکن انہیں نے اپنی جگہ سے جنش تک نہ کی۔ اس کے بر عکس خود عدنان ہی کچھ آگے کی طرف
کھک ک آیا۔ دوسرے لمحے میں انہا ہٹر کو اپی کلپنی میں پیٹھ رہا تھا اور ہر مل کے ساتھ عدنان
کو آگے کی طرف کھکنا پڑتا تھا۔ چاروں آدمیوں نے جب یہ دیکھا تو وہ خاموشی سے کھڑے نہ
ہ سکے۔ ان میں سے ایک بڑی تیزی سے بوڑھے کی طرف بڑھا لیکن ابھی اس کے قریب نہیں
پہنچا تھا کہ سامنے والے روشن داں سے ایک فائر ہوا۔ گولی ٹھیک اس کی پیشانی پر بیٹھی اور وہ کسی
تم کی آواز نکالے بغیر پیچپے کی طرف الٹ گیا۔

”عدنان... دیکھا تم نے۔“ انہیں نے قہقہہ لگایا۔ عدنان کے ہاتھ سے ہٹر چھوٹ
گیا۔ بقیہ تین آدمی بڑھاں ہو کر دروازے کی طرف بھاگے لیکن انہیں باہر جانے کا کوئی راستہ
نہ ملا۔ ہر دروازے پر ایک ایک آدمی ریو الور لئے ہوئے کھڑا نظر آیا۔

عدنان کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں بچھوٹ آئیں۔

”عدنان...!“ انہیں کی تیز سرگوشی پھر گنجی۔ ”میرے قریب آؤ۔“

عدنان بے سر و حرکت کھڑا رہا۔ وہ تین آدمی بھی کھک کر اس کے قریب آگئے تھے
”عدنان کے ساتھیو۔“ انہیں نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”میں جانتا ہوں کہ تم لوگ کرانے
ہمیا کئے گئے ہو۔ شاید تمہارا ایک ساتھی تم سے پچھڑ گیا۔ اب تم عدنان کو پکڑ کر میرے قریب
او۔ درستہ میرا بھی بھی خشر ہو گا۔“

”نہیں... کبھی نہیں۔“ عدنان بے بُی سے چینا۔

”لڑکو! تم نے سنائیں۔ میں کیا کہہ رہا ہوں.... عدنان کو ادھر لاو۔ میں تمہیں معا کروں گا۔“

”لڑکو! تم نے سنائیں۔ میں کیا کہہ رہا ہوں.... عدنان کو ادھر لاو۔ میں تمہیں معا

کروں گا۔“

وہ تینوں اپنے کام کی اجنبت پہلے ہی وصول کر چکے تھے اور پھر انہوں نے ابھی اپنے ساتھی کا انجام بھی دیکھ لیا تھا۔ کسی طرح بھی نجع نکلنے کے امکانات نہیں تھے۔ ہر دروازہ ایک سلسلہ آدمی نظر آ رہا تھا اور کسی لمحے بھی ان کی طرف اٹھے ہوئے ریوالوں آگ اگل تھے۔ وہ بوکھلائے جوئے کتوں کی طرح عدنان پر ٹوٹ پڑے اور عدنان ایک ڈوبتے ہو آدمی کی مانند دیوانہ وار ہاتھ پیر مارنے لگا۔ اس کے منہ سے خوفزدہ سی آوازیں نکلنے لگی تھیں۔ آخر کار کسی نہ کسی طرح انہیں کے ہاتھ عدنان کی گردن تک پہنچ ہی گئے۔ عدنان حلق سے نکلتی ہوئی آوازیں بند ہو گئیں۔ کمرے میں گھری گھری سانسوں کے ساواہ اور کسی قسم آواز نہیں تھی۔ ان تینوں کو اپنے سر چکراتے ہوئے محبوس ہو رہے تھے۔ پھر عدنان کے مردہ کے گرنے سے آواز پیدا ہوئی۔ تینوں کے منہ سے سہی سہی کی چینیں نکلیں اور پھر کمرے میں چھا گیا۔



ہوٹل ڈی فرانس کے ایک کمرے میں ایک لڑکی مصطفیٰ بانہ انداز میں ہیل رہی تھی۔ اس رک کر کلائی پر بندھی ہوئی گھری کی طرف دیکھا۔ ڈھانی نجع پکے تھے۔ اس کے چرے۔ الجھن کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ چند لمحے تھلیتی زندگی پھر کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ راہدار سنان پڑی تھی۔ آگے بڑھ رہا نے ایک کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھلنے میں درینہیں لگی تھی۔

”اوہ.... آپ....!“ دروازے میں کھڑے ہوئے ایک آدمی نے کہا۔

”ہاں.... میں.... ابھی تک ڈیٹی وی اپس نہیں آئے۔“

”شاید صح تک آ جائیں۔“ آدمی بولا۔

”نہیں.... میں بہت پریشان ہوں۔ تم سب میرے کمرے میں آؤ۔“

”بہت بہتر۔“

لوکی پھر اپنے کمرے میں واپس آگئی۔ تھوڑی دیر بعد وہاں پانچ آدمی اور آگے کے ان میں دو انگریز تھے اور ایک نیکر۔ بقیہ دو صورت سے دیکی ہی معلوم ہوتے تھے۔

”مجھے خدا شہر ہے۔“ لڑکی نے انگریزی میں کہا۔

”ڈرومٹ.... بے بی۔“ ایک انگریز بولا۔ ”باس فولاد کا بنا ہوا ہے۔“

”کہیں وہ دھوکا نہ کھائیں۔ میں انہیں کرانے کے آدمیوں سے کام لینے سے روک رہی تھی۔“

”کوئی ہر جنگ نہیں بے بی۔ تم سوچو جاؤ۔ ڈرومٹ۔“

”نہیں مشرڈیکال.... ہم سب وہاں چلیں گے۔“

”تمہاری مرضی....!“ ڈیگال نے شانوں کو جنمش دے کر کہا۔

”تم گیراج سے کارنکالو۔“ لڑکی نے ایک آدمی کی طرف مڑ کر کہا۔

”پتے نہیں یہاں کا کیا قاعدہ ہے۔“ وہ بڑبڑایا۔ ”اتنی رات گئے گیراج کھل سکے گا یا نہیں۔“

”اوہ جاؤ....!“ لڑکی بیرونیت کر کر بولی۔ وہ چلا گیا اور لڑکی مصطفیٰ بانہ انداز میں بڑبڑاتی رہی۔

ڈیٹی نے غلط طریقہ اختیار کیا۔ آخر وہ انداز تھا۔ پاتھ پر بھیک کیوں مانگتا تھا۔“

”بے بی۔ ڈیگال بولا۔“ وہ عجیب عجیب حرکتیں کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی کی چکر میں ہو۔“

”اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تہاں نہ ہو۔“ لڑکی نے کہا۔

”ابھی تک ہمیں اس کے کسی ساتھی کا علم نہیں ہو سکا۔“

”علم نہ ہوتا اور بات ہے۔ ضروری نہیں معاملات تمہارے علم ہی سے مطابقت رکھتے ہوں۔ اس قسم کا کوئی آدمی کبھی تہائی نہیں رہ سکتا کیا وہ انداز نہیں ہے۔“

”ہے تو.... لیکن آنکھ والوں سے بہتر۔ وہ اپنی جانی بوجھی جگہوں پر کارنک ڈرائیور کر سکتا ہے۔“

اس نے ایک بار لندن جیسے بھیڑ بھاڑ والے شہر میں چریگ کراس سے پکاڑی تک کار کی

ڈرائیور کی تھی۔“

”میں سن چکی ہوں.... لیکن مجھے یقین نہیں اور اگر یقین کبھی لوں تو اسے مانے پڑے
تیار نہ ہوں گی کروہ اندھا ہے۔“

”بے بی! وہ سو فیصدی اندھا ہے۔ لیکن اس کی کھال سانپ کی کھال سے بھی زیاد
حساں ہے۔ تم دبے قدموں اس سے تمیز کے فاصلے پر جاؤ۔ اسے تمہاری موجودگی کا
صرف احساس ہو گا بلکہ وہ تمہاری جنس تک سے واقف ہو گا۔ وہ آواز پر نشانہ لگاتا ہے۔“
”تب میں اسے آدمی کے بجائے جبیش روح کہوں گی۔ اور تمہیں کیا کہوں کرم۔
ڈیڈی کو تھبا جانے دیا۔“

”ہم مجھوں تھے۔ انگریز بولا۔“ بس کی اسکیم یہی تھی اور تم جانتی ہو کرو۔ بعض اوقات کہ
کامشوور نہیں قبول رکھتے۔“

دیسی آدمی نے واپس آ کر تیاری کی اطلاع دی۔
ٹھوڑی دری بعد ایک کار ہوں ڈی فرانس کی کپڑوں سے نکل کر سڑک پر مڑ رہی تھی۔ پھرہ
چوتھم روڈ پر چل پڑی۔

”مسٹر ڈیگال....!“ اندر بیٹھی ہوئی لڑکی نے انگریز کو مخاطب کیا۔
”ہاں.... بے بی.... واقعی تم بہت پریشان ہو۔“

”اگر ڈیڈی کو کوئی حادثہ پیش آ گیا تو۔“
”ہم ابھی زندہ ہیں۔“ ڈیگال بولا۔

چھوٹ دری بعد کار اسی عمارت کے سامنے رک گئی جہاں ٹھوڑی دریقل ایک خونی ڈرامہ کھی
گیا تھا۔

”بے بی.... تم یقین آدمیوں کے ساتھ یہیں ٹھہر و.... میں اندر جاتا ہوں۔“ ڈیگال نے کہ
اور انہیں باہر چھوڑ کر عمارت کے اندر چلا گیا۔ لڑکی کیلئے وہ صبر آزمالمحات تھے۔ واپسی پر ڈیگال
نرفتار بہت تجھے تھی۔ لیکن اس نے پرسلون لجھ میں کہا۔ ”umarat ویران ہے۔ وہاں کوئی بھی نہیں۔“

ڈیگال

آٹھواں ہوٹل تھا اور اب سرجنت حمید پاگل ہو جانے کی حد تک بور ہو چکا تھا۔ اس کا
بس چلتا تو قاسم کی روٹیاں اڑا دیتا۔ بات یہ ہوئی تھی کہ وہ سر شام تک ایک ہوٹل میں کھانا کھانے
پیشے تھے۔ قاسم کی خواراک معلوم.... ظاہر ہے کہ وہ بکرے کی ایک پوری ران اور ایک مرغ
مسلم کا ناشستہ کرنے والا آدمی تھا۔ جب اس نے ہوٹل میں بھی گھر ہی کی سی بے تکلفی کا مظاہرہ
شروع کیا تو حمید کو اختلاج ہونے لگا۔

”قاسم.... اب بس کرو۔“

”واہ.... تو کیا بھوکا مردوں۔“

”دیکھو یہاں کے سارے دیڑھے پیچانتے ہیں۔“

”مجھے بھی بیچان جائیں گے۔ فکر نہ کرو۔“ قاسم سنجیدگی سے بولا۔ ”میں ٹی بی کا مریض تو
ہوں نہیں کہ وہ پانچ چھاتیوں پر قاععت کرلوں۔“

”اچھا.... تو۔۔۔ یہاں بس کرو۔ کسی دوسرے ہوٹل میں....!“

”واہ.... کیا میں الو ہوں.... مذاق مت کرو۔“

”میں تمہارے سر پر پلیٹ توڑ دوں گا۔“

”مگر خالی پلیٹ.... میرا سر کافی مضبوط ہے۔“

”اچھا تو میں جا رہا ہوں....!“ حمید نے کہا۔

”نہیں ہو سکتا.... زبردستی کرو گے تو دبوچ لوں گا۔“

حمید کی روح فتا ہو گئی۔ بہر حال اس نے کسی نہ کسی طرح قاسم کو اپنی تجویز پر عمل کرنے پر
مادہ کر لیا۔

آٹھواں ہوٹل..... ہوٹل ڈی فرانس تھا۔ قاسم اب تک بتیں روٹیاں کھا چکا تھا۔ ممکن ہے
بد کو پریشان کرنے کے لئے وہ معمول سے زیادہ لکھا گیا ہو۔ بتیں روٹیاں بہت ہوئیں۔

قاسم کھانے میں مشغول تھا اور حمید شام کا خبر دیکھ رہا تھا۔ اس کی توجہ دراصل ایک لمحہ خر نے اپنی طرف مبذول کرالی تھی جو اس کے لئے بھی عملی طور پر پریشانی کا باعث ہو سکتی تھی۔ پرشن کے ہلاقے کی ایک عمارت میں دو لاشیں پائی گئی تھیں۔ ان میں اس آدمی کی بھی لاڑکانی تھی جس نے تین دن قبل وہ عمارت کرانے پر حاصل کی تھی۔ آگے چل کر ان دونوں کا حلیہ تھا۔ حمید نے بھنا کر اخبار میز پر ٹھیک دیا اور قاسم کو اس طرح گھونٹنے لگا جیسے یہ قتل اسی کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔

”اب کس ہوٹل میں چلو گے حمید بھائی۔“ قاسم نے مسکرا کر پوچھا۔

”اب میں تمہیں دفن کر دوں گا۔“

”بس دو استیک اور کھاؤں گا۔“ قاسم منہ چلاتا ہوا بولا۔ ”تم کیوں خواہ بخواہ ہو رہے ہو۔ کتنی... فل فلوٹیاں ہیں... آج بیاں۔“

”ارے او... آدم خور... میری تو ساری تفریح بر باد ہو گئی۔“

”کیوں...؟“

”دلاشیں....!“

”ہائیں... کہاں۔“ قاسم کری سے ٹھوڑا سا اٹھ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ منہ کا نوالہ نکل پڑنے کے قریب تھا۔

”تمہارا دماغ تو نہیں پل گیا۔“ حمید چھٹھلا کر بولا۔ ”میشو...!“

”ارے تو کھانے کیوں دوڑ رہے ہو۔ میرے مٹینگ پر ہیں۔ تمہاری لاشیں دلاشیں سالیاں۔“ حمید کچھ بنتے بولا۔ اخبار کی خبر اسکے ذہن میں کچھ کوکے لگا رہی تھی۔ ”دلاشیں.... نتیجہ معلوم آج کل ڈی۔ ایس۔ پیشی سے بھی گاڑھی چھن رہی ہے۔ اس نے فریدی کو جائے واردات: ضرور بایا ہو گا۔ پھر بس شامت۔

”مید آج آفس نہیں گیا تھا۔“ سچ ہی سے قاسم کے ساتھ محاқقوں کا پروگرام جاری تھا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ واپسی پر اسے واردات سے متعلق فریدی کا لیکچر، خصم کرنا پڑے گا۔ ان دونوں

عید پر بڑی طرح کا ہلی مسلط تھی۔ تقیتی کے نام ہی سے اس کی جان نکلنے لگتی تھی۔ قاسم کھانا ختم کر کے میز پر طبلہ بنانے لگا۔ پھر اپنا بھاڑا سامنہ کھول کر ایک لمبی سی جماں لی۔ ”حید بھائی۔“ اس نے آگے چک کر آہستہ سے کہا۔ ”کیا مجھ تج آدمی کی روح سے محبت ہوتی ہے؟“

”اپنے والد صاحب سے پوچھنا۔“

”اوہ... وہ بیچارے کیا بتائیں گے... مولوی ٹاپ کے آدمی ہیں۔“ قاسم نے منہ بنا کر کہا۔ حمید جھنگلا کر کچھ کہنے تیں والا تھا کہ اس کی نظر اسکلہ جلدیں پر پڑی جو دو کاشیبلوں کیماں تھے ل میں داخل ہو رہا تھا۔ جلدیں نے بھی حمید کو دیکھ لیا تھا۔ وہ سیدھا اُسی کی میز کی طرف آیا۔ ”اوہ... تو آپ پہلے ہی سے موجود ہیں۔“ جلدیں حمید کو مخاطب کر کے بولا۔

”کیا...؟ کیا بات ہے؟“

”بات یہ ہے کہ وہ یہیں مقیم تھا۔“

”کون! کس کی بات کر رہے ہو...؟“

”عدنان... جس کی لاش...!“

”بس بس بھی گیا۔“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں نے ابھی اخبار میں دیکھا ہے۔ مگر یہ نام نہیں معلوم ہوتا۔“

”وہ ترک تھا۔ جنوپی افریقہ کا ایک بہت بڑا تاجر۔ اس کی لڑکی اور کچھ دوسرے لوگ

ئیں ٹھہرے ہوئے ہیں۔“

لڑکی کے نام پر حمید اپنا داہنا گال کھجانے لگا۔

”میٹھ جاؤ۔“ اس نے کہا۔ ”اخبار میں تو کسی گم نام آدمی کی لاش کے متعلق تھا، جس نے وہ رت کرائے پر لی تھی۔ مالک مکان نے اپنا شہر نہ ظاہر کیا ہے کہ اس نے اپنا صحیح نام نہیں بتایا تھا۔“

”ٹھیک ہے۔“ جلدیں بیٹھتا ہوا بولا۔ ”اس کی جیب میں کچھ ایسے کاغذات ملے جنہوں نے ہمیں فارمن آفس سے رجوع کرنے پر مجبور کیا۔ وہاں اس کی اصلاحیت معلوم ہوئی۔ وہ کسی

تجارتی سلسلے میں بہاں آیا تھا۔ لیکن اسکے ساتھ ایک مقامی آدمی کی بھی لاش پائی گئی ہے۔
ایک مشہور بدمعاش پتو تھا۔ پتو کی پیشانی پر گولی لگی ہے اور عدنان کو شائد گلا گھونٹ کر مارا گیا۔
”سوال بڑا ٹیڑا ہے۔ جلد ایش مسکرا کر بولا۔ خیر اٹھئے۔ ہو سکتا ہے کہ لڑکی آپ کے
میٹ کی ہو۔“

قاسم نے بڑے زور سے تپہہ لگایا اور حمید دانت پیس کر رہ گیا۔
”آم و...!“ حمید انھتہ ہوا بولا۔
”میں بھی۔“ قاسم نے دانت نکال کر کہا۔
”نہیں... تم میرا منتظر کرو۔“

اس جواب پر قاسم کا حلیہ قابل دید تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے سر بازار چلتے
سید کر دی ہو۔ وہ پھر تو ضرور مگر یہ بھی شرمندگی کا عمل تھی۔

حمدی نے کاؤنٹر کلر کے عدنان کے کروں کے نمبر معلوم کئے اور پھر وہ لوگ آگے بڑھ
گئے۔ کرے اور پری منزل پر تھے۔
انہوں نے پہلے جس کرے کے دروازے پر دستک دی وہ اندر سے بند تھا۔ ٹھوڑی دیر
حد کی نے دروازہ کھولا۔ اندر گھرے نیلے رنگ کی روشنی تھی۔ اس نے اس کی صورت صاف
نہیں ظفر آئی۔

”کیا مس فوز یہ موجود ہیں۔“ حمید نے انگریزی میں پوچھا۔
”کیوں...؟“ لہجہ کسی انگریز کا تھا۔

”پولیس... ہمیں ان سے یا مشریع نان کے سکریٹری سے گفتگو کرنی ہے۔“
”کیا بات ہے؟“ مخاطب نے کہا اور کمرے کا دوسرا بلب روشن کر دیا۔ ایک انگریز شب
خوابی کے لبادے میں ان کے سامنے کھڑا تھا۔

”مسڑیگال کہاں ہیں؟“
”میں ہیں ہوں... کیا بات ہے۔ اندر آجائیے۔“
کمرے میں ڈیگال کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ حمید نے اندر داخل ہو کر چاروں طرف

تجارتی سلسلے میں بہاں آیا تھا۔ لیکن اسکے ساتھ ایک مقامی آدمی کی بھی لاش پائی گئی ہے۔
ایک مشہور بدمعاش پتو تھا۔ پتو کی پیشانی پر گولی لگی ہے اور عدنان کو شائد گلا گھونٹ کر مارا گیا۔
”بڑے بھائیں ہارڈ اسٹون بھی موقعے پر موجود تھے یا نہیں۔“ حمید نے پوچھا۔
”کون...؟“

”ارے تم ہارڈ اسٹون کو نہیں جانتے۔ یہ مسٹر احمد کمال فریڈی کا انگریزی ترجمہ ہے۔
جلد ایش ہنسنے لگا۔ ”ڈی۔ ایس۔ پی صاحب نے انہیں خاص طور سے بلا یا تھا۔“
”یہ بہت بڑا ہوا کہ ان دونوں میں صلح ہو گئی۔“ حمید نے سمجھی گی سے کہا۔

”کچھ بھی ہو حمید صاحب۔ یہ معاملہ پچیدہ معلوم ہوتا ہے۔“ جلد ایش بولا۔
”عدنان جب یہاں ٹھہرا تو ایک دوسری عمارت کرائے پر حاصل کرنے کی کیا ضرور
تھی اور اگر اس نے ایسا کیا تھا تو اس کی اطلاع فارن آس کو کیوں نہیں دی۔ سب سے

بات تو یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک مقامی بدمعاش کی لاش کا کیا مطلب ہو سکتا ہے اور پھر
نے وہ عمارت اپنا صحیح نام ظاہر کر کے کیوں نہیں حاصل کی تھی۔“

”ہے تو کچھ ایسا ہی...!“ حمید پاپ میں تمبا کو بھرتا ہوا بولا۔ ”کیا تمہیں یقین
اس کے دوسرے ساتھی اب بھی تینیں مقیم ہیں۔“

”قطعی! وہ تینیں ہوں گے۔ ابھی تک کسی نے لاش کا مطالبا نہیں کیا۔“
جلد ایش جیب سے نوٹ بک نکالتا ہوا بولا۔ پھر اس نے کچھ صفاتِ اللہ کے بعد
”ایک تو عدنان کی لڑکی فوزیہ ہے۔“

”فوزیہ...!“ قاسم بڑا یا۔ ”نہیں فوجیہ ہو گا۔ فوج سے فوجیہ۔۔۔ ترک عورتی
دھاکڑ ہوتی ہیں۔“

”نہیں جناب فوزیہ۔“ جلد ایش نے کہا پھر حمید سے مخاطب ہو گیا۔ ”دوسرے اس کا کیم
ڈیگال ہے یہ انگریز ہے۔ دو بڑی گارڈ ہیں۔ ایک لیو کاس اور دوسرا نیگرو ہے۔ لیو کا ار
انگریز ہے۔ دو نیگری ہیں۔ لیکن افریقہ کے باشندے۔۔۔ امریکن اور دولت رام...!“

مجسانہ نظریں ڈالیں اور پھر ڈیگال سے مخاطب ہو گیا۔

”مسٹر عدنان بچپلی رات کو کہاں تھے۔“

”کیوں...؟“

”مسٹر ڈیگال مجھے افسوس ہے کہ اس وقت ہم صرف سوال ہی کرنا پسند کریں گے۔ نے خنک لمحے میں کہا۔

ڈیگال چند لمحے سے تحریر آمیز نظریوں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

”وہ اپنے کسی مقامی دوست کے ساتھ تھے اور آج رات بھی اسی کے ساتھ ببر کریں

”دوست کا نام اور پتہ۔“

”یہ انہوں نے نہیں بتایا تھا..... لیکن! آپ کل دل بچ دن کو ان سے یہیں! ہیں۔“ ڈیگال نے کہا۔

”مجھے افسوس ہے کہ شاید بھی اس کی نوبت نہ آئے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”انہیں کسی نے.... گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔“

”کیا...!“ ڈیگال جنپ پڑا، اور یہ جیج بے ساختہ قسم کی تھی۔ اس پر کوئی یہ نہیں کہا کہ ڈیگال بچپلی رات کو خود اپنی آنکھوں سے عدنان کی لاش دیکھ چکا ہو گا۔

”جی ہاں.... مس فوزیہ کہاں ہیں۔“

”نہیں.... نہیں۔“ ڈیگال مصطفیٰ بانہ انداز میں بولا۔ آپ بے بی کو اتنی بُری خبر اس طریقے سکتے۔ لاش کہاں ہے.... کہاں ملی تھی.... مجھے بتائیے.... اوہ.... میرے خدا.... ناممکن.... ناممکن۔

”آپ کے بغیر ساتھی بچپلی رات سے اب تک کہاں رہے ہیں۔“ حمید نے پوچھا

”نہیں.... میرے ساتھ۔“

”کل رات آپ لوگ کہیں نہیں گئے۔“ جگدیش نے پوچھا۔

”نہیں....!“

”لیکن.... چوکیدار....!“

”ظہر یے....!“ ڈیگال بات کاٹ کر بولا۔ ”یاد آ گیا۔ ہم تقریباً دو بجے کچھ دیر کے لئے باہر گئے تھے۔“

”خوب۔ کیا کسی خاص ضرورت کے تحت....؟“ حمید نے طنزیہ لمحے میں پوچھا۔

”اوہ.... بات یہ ہے کہ بے بی بہت خدمی لڑکی ہے۔ اچانک رات کو اس پر تقریباً کا دورہ پڑا۔“

”کیا قرنطیہ نے آپ لوگوں کے بیٹے نہیں لگائے تھے۔ ہمارے یہاں یہ مرض نہیں پایا جاتا۔“

”بس وہ خدمی ہے۔ کیا کہا جائے.... لیکن یہ قتل۔ مجھے یقین نہیں آتا۔ یہاں ان کا کون دشمن ہو سکتا ہے۔“

”کوئی بھی نہیں۔“ حمید نے سر ہلا کر کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ وہ اپنے کسی دشمن کو اپنے ساتھ ہی لائے تھے۔“

”نمکن جناب۔“ ڈیگال کے لمحے میں غصہ تھا۔ ”ہمارے سب آدمی معترض ہیں۔“

”تو آپ بچپلی رات کہاں کہاں گئے تھے۔“

”نہیں یہاں کی جگہوں کے تام تو ابھی معلوم نہیں۔ ادھر ادھر چکر لگانے کے بعد ہم پھر واپس آگئے تھے۔ شاید آدھ گھنٹہ باہر رہے ہوں۔“

”پوست مارٹم کی روپورٹ کے مطابق دونوں کی موతیں دو اور چار کے درمیان میں ہوئی۔“ جگدیش نے حمید سے اردو میں کہا۔ ”اور یہ ایک خدمی لڑکی کی تقریباً کافیانہ سنارہ ہے۔“ ”بجے رات کی تقریباً.... چوکیدار کا بیان ہے کہ یہ سب لڑکی سمیت باہر گئے تھے۔“

”یار مجھ تھا یہ لڑکی بھی نابالغ ہی معلوم ہوتی ہے۔“ حمید نے کہا۔ پھر انگریزی میں ڈیگال سے پوچھا۔ ”مس فوزیہ اس وقت کہاں مل یکیں گی۔“

”میں آپ سے استدعا کرتا ہوں۔“ ڈیگال نے ملتجاهہ انداز میں کہا۔ ”بے بی کوئی الحال

اس معاملے سے دور ہی رکھئے۔ ویسے میں ہر حکم کی تجیل کے لئے تیار ہوں۔“

”آپ کو ہمارے ساتھ کوتولی تک چانا ہوگا۔“ جکدیش نے کہا۔ ”تاکہ آپ لاٹ شناخت کر سکیں۔“

”میں تیار ہوں۔“ ڈیگال بولا۔ ”میں بے بی کو رفتہ رفتہ بتاؤں گا۔ ورنہ ممکن ہے کہ صدمے ہی سے مر جائے۔“

”ٹھیک ہے۔“ حمید نے اردو میں کہا۔ ”تم اسے کوتولی لے جاؤ۔ بقیہ میں دیکھوں گا پھر جیسے ہی حمید دروازے کی طرف مڑا اس نے محض کیا کہ کوئی تیزی سے دروازے کے قریب سے بہتا ہے کیونکہ رہداری میں اسے ایک لمبا سامایہ دکھائی دیا تھا۔ وہ تیزی آٹھ کے بڑھا۔ ایک آدمی رہداری کے آخری سرے پر دوسرا طرف مرتا ہوا نظر آیا۔ حمید سو لگا۔ ممکن ہے اسے دھوکا ہوا ہو۔ ویسے پہلے اسے خیال ہوا تھا کہ شاید کسی نے باہر سے ان گفتگو سننے کی کوشش کی تھی۔

ڈیگال جلد ہی تیار ہو گیا اور وہ سب بیچ چلے آئے۔ قاسم اسی میز پر بیٹھا رہا تھا۔ حمید وہیں آپ بیٹھا۔ جکدیش اور اس کے ساتھی ڈیگال سمیت باہر چلے گئے۔ قاسم حمید کی آہستہ چوکک پڑا تھا۔ اس نے آگے چھک کر آہستہ سے پوچھا۔ ”حید بھائی۔ کیسی ہے.... اللہ قسم نے آج تک کوئی ترک لوٹایا نہیں دیکھی۔ ویسے سنتا ہوں کہ بڑی گلگوڑی ہوتی ہیں۔“ حمید کچھ نہ بولا۔ وہ دوبارہ اوپر جانے کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ان لوگوں نے ہم کرے لے رکھتے۔ فوزیہ انہیں میں سے کسی ایک میں ہوگی۔

”قاسم....!“ ان نے کہا۔ ”اب تم گھر جاؤ۔ میرے لئے ایک سرکاری کام نکل آیا۔“ شام کجھے رات بھر یہاں بیٹھنا پڑے۔“

”میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔ انہوں نے بناتے ہو۔ خود جھللرے.... ار..... چھوڑے اڑاؤ گے۔ ضرور لوٹایا.... زور دار ہے۔“

”ابے کوئی لوٹایا.... ووٹیا نہیں۔ آٹھ سال کی بے بی ہے ہر کس وناک سے ٹافنوں۔“

کے لئے ضد کرتی ہے۔ نہ دتو نوجی کھسوٹی ہے وغیرہ وغیرہ۔“
”لا جلوں والا قوتہ....!“ قاسم برا سامنہ بنا کر بولا۔ ”تب یہ جکدیش سالا چخد ہے کیا۔“
”دنیں چخد کا سالا ہے۔ اب تم جاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں رکنے پر تمہیں میرے ساتھ
شراب بھی بنیا پڑے۔“

”ببب بب! معاف کرو میں چلا۔ اکھی میری پیٹھ پر سیاہ لہ نشان موجود ہیں۔“

خوفناک انداھا

فریدی نے اپنے مخاطب کو گھور کر دیکھا۔ وہ بھدے خدو خال کا ایک مضبوط جسم والا جوان تھا۔

”تم کچھ چھپا رہے ہو۔“ فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ”لیقین کیجھ! میں کچھ نہیں جانتا۔ جو کچھ معلوم تھا میں نے پولیس کو بتا دیا۔“
”مجھ میں اور پولیس میں فرق ہے۔ اس لئے تم مجھے کچھ اور بھی بتاؤ گے۔“
”میں اب کیا بتاؤں۔ بڑی مصیبت میں پھنس گیا۔ آخر آپ کیا جاننا پا جاتے ہیں۔“
”تم لوگوں کی رسانی عدنان تک کیسے ہوئی تھی۔“

”میں کسی عدنان کو نہیں جانتا۔ پھو سے میری دوستی ضرور تھی لیکن میں اس کے کسی کام میں حصہ نہیں لیتا تھا۔“

”سفید جھوٹ....!“ فریدی نے سگار سلاکتے ہوئے کہا۔ ”کل رات تم پھو کے ساتھ تھے۔“
”تم چاروں نے سن سٹ پار میں شراب پی۔ یہ تو ف آدمی یہ نہ بھولو کہ کل تم لوگ ایک روں را کس کار میں تھے۔ تم جیسے لوگوں کا کسی روں را کس کار میں بینھنا بجائے خود ایک بہت بڑا۔“

اشتہار ہے اور پھر یہاں کے بدمواشوں کی نفل و حرکت مجھ سے چھپی نہیں رہتی۔ چلو اگلی دو میں یقینہ دوآدمیوں سے زیادہ تمہیں معتبر سمجھتا ہوں۔ وہ کارکس کی تھی۔“
مخاطب کا چہرہ اُتر گیا۔

”ہاں ہاں....کہو...“ فریدی نرم لمحے میں بولا۔

”مجھے نہیں معلوم.....دیکھئے ایک وجہ سے میں نے پولیس سے جھوٹ بولا تھا۔ کیا آئندہ کی ضرورت ہے۔“
”اوہ! غمیک یاد آیا....میں بھول ہی گیا تھا۔ عدنان نے اندر سے کہا تھا کہ مجھے نور میری گرد پھنسوادیں گے۔“

”حالات پر منحصر ہے۔“

”آپ جانتے ہیں کہ پتو ہی ہمارا سرغناہ تھا۔“

”میں جانتا ہوں....آگے گہو۔“ فریدی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”پتو ہی نے عدنان سے معاملہ طے کیا تھا۔ بات اتنی تھی کہ میں ایک اندھے فقیر کو فدا پاٹھ سے اٹھا کر اس عمارت میں پہنچانا تھا۔ اس کے لئے میں چار ہزار ملے تھے۔“
”کیا....؟“ فریدی تحریر آمیز انداز میں آگے کی طرف جھک گیا۔

”کسی کو یقین نہیں آئے گا۔“ مخاطب نے کہا۔ ”اسی لئے میں نے پولیس کو کچھ نہیں بتا۔ لیکن آپ سے پار پانا مشکل ہے۔ شاید آپ بھی یقین نہ کریں۔ بہرحال میں آپ کو سچے کچھ بتا دوں گا۔“

اور پھر اس نے اندھے پر قابو پانے اور پتو کے قتل تک کے واقعات دہرا دیئے۔ وہ کہا
دیر کے لئے رکا۔ شاید وہ عدنان کا انعام بتاتے ہوئے پہنچا رہا تھا۔ کیونکہ خود اس نے اور اس کے دوسرا تھیوں نے عدنان کو گھیٹ کر ابتدہ تک پہنچایا تھا۔

”ہوں....!“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”اور عدنان کا۔“

”اندھے نے گلا گھوٹ دیا۔“

”اور اس نے تم تھیوں سے کوئی تعریض نہیں کیا۔ کیوں....؟“

”کچھ نہیں۔ اس کے بعد انہوں نے ہمیں عمارت سے نکال دیا۔“

”اور اس روئیں رائیں کا کیا ہوا۔ وہ کس کی تھی؟“
”ہمیں نہیں معلوم۔ عدنان نے کہیں سے مہیا کی تھی۔ ہم تو اس کے بعد سر پر پیر رکھ کر
گئے تھے۔“

”تم اب بھی کچھ چھپا رہے ہو۔“ فریدی خنک لمحے میں بولا۔

”اوہ! غمیک یاد آیا....میں بھول ہی گیا تھا۔ عدنان نے اندر سے کہا تھا کہ مجھے نور
س کی ضرورت ہے۔“

”نور جہاں....!“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”کوئی اور بات۔“

”نہیں....اس کے بعد پھر کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔“

کچھ دیر خاموشی رہی۔ فریدی اسے شوٹے والی نظر وہ دیکھ رہا تھا۔ بالآخر اس نے
ما۔ ”کچھ اور....!“

”اور کچھ نہیں....بس یہی غنیمت ہے کہ اپنی جانیں بخ گئیں۔ کیا آپ مجھے پولیس کے
لے کر دیں گے۔“

”نہیں....لیکن اس وعدے پر کہ تم شہر چوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گے۔“

”آپ یقین کیجئے کہ میں آپ کے حکم کا پابند رہوں گا۔ لیکن دوسروں کی ذمہ داری نہیں
سلکتا۔“

”انہیں کچھ بتانے کی ضرورت ہی نہیں۔ انہیں یقین دلاتے رہو کہ پولیس کو کچھ نہیں
ہم ہو سکا۔“

”بلیں آپ کا شکر یہ ادا کرتا ہوں۔“

”میں جانتا ہوں....!“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”تم اب بھی جھوٹ بول
ہو۔“

”یقین کیجئے....اور....!“

”نہیں....ٹھہر وہ تمہاری دلہنی کلائی پر جاندی کا ایک تعویز ہوا کرتا تھا۔“

”جی ہاں.... جی ہاں.... میرا خیال ہے کہ وہ بچھلی رات انھے کو اخانے کے وہ کہیں گر گیا۔“

”فریدی نے جیب سے چاندی کا ایک توعیہ نکلا جس کے دونوں سروں پر چاہ زنجیریں لٹک رہی تھیں۔

”جی ہاں.... بھی ہے۔“ اس نے کہا۔

”لیکن یہ مجھے کسی فٹ پاٹھ پر نہیں ملا۔“

”تو پھر.... اسی عمارت میں ملا ہوگا۔“

”یہ عدان کے گریبان میں الجھا ہوا تھا۔ کیون؟.... میں اس کا جواب چاہتا ہوں

ایک بار پھر اس کے چہرے کارنگ اڑ گیا۔ آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا تھا۔

”وہ.... دیکھئے.... آپ خود بتائیے.... ہم پر چاروں طرف سے پتوں اٹھے ہوئے

پتوں کا انجمام ہم دیکھی ہی چکے تھے۔ پھر....!“

وہ خاموش ہو گیا۔ فریدی کچھ نہ بولا۔ البتہ اب بھی اس کی نظریں استفهامیے انداز کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔*

”انھے نے کہا۔“ وہ کچھ دیر بعد بولا۔ ”اگر ہم عدان کو پکڑ کر اس کے قریب گئے تو ہم بھی پتوں کے پیچھے روانہ کر دیئے جائیں گے۔ مجبوراً ہمیں عدان کو کھینچ کر اس کے لے جانا پڑا۔ زندگی سب کو عزیز ہوتی ہے۔“

”خیر.... دوسری بات۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”انھے نے تمہاری آزادی لئے کوئی شرط نہیں پیش کی تھی۔“

”جی نہیں.... قطعی نہیں.... انہوں نے دھکے دے کر ہمیں عمارت سے باہر نکال دیا تھا۔“ اگر تم اسے اب کہیں دیکھو تو پہچان جاؤ گے۔“

”کہہ نہیں سکتا۔ ہمیں اس کی شکل دیکھنے کا ہوش ہی نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ پہچا اون لیکن یقین نہیں ہے۔ مجھے اس کی شکل یاد نہیں۔“

”خیر.... ہم کیھیں گے کہ تمہاری داستان کا کتنا حصہ درست ہے۔ اب تم جاسکتے ہو۔ لیکن اپنے وعدے پر قائم رہنا۔ ورنہ پھر میں کچھ نہ کر سکوں گا۔“



مر جنت حمید نے یکے بعد دیگرے عدان کے سارے بکرے کھلوائے لیکن کسی میں بھی کوئی بُری نہ ملی۔ انگریز نیکرو اور دونوں ہندوستانی موجود تھے۔ انہوں نے بتایا کہ چند منٹ قبل وہ اپنے کمرے میں موجود تھی۔ ان لوگوں نے بھی اس کی عدم موجودگی پر تشویش ظاہر کی کیونکہ ان کے بیان کے مطابق فوزیہ ان میں سے کسی کو ساتھ لئے بغیر ڈائینگ ہاں تک بھی نہیں جاتی تھی۔ حمید نے ان کے ساتھ ہوٹل کا کوتا کوتا چھان ڈالا لیکن فوزیہ نہ ملی۔ پھر وہ گیراج میں آئے۔ لیکن ان کی کار بھی موجود تھی۔

”کیا مصیبت ہے۔“ لیوکاں بڑ بڑا یا۔ ”مسٹر عدان کا حکم تھا کہ بے بی تھا باہر نہ جائے۔ اب وہ اگر مجھ سے جواب طلب کریں گے۔“

”کون....!“ حمید نے پوچھا۔

”مسٹر عدان۔“

”کیا واپسی تمہیں امید ہے کہ وہ واپس آئیں گے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”مسٹر ڈیگال ان کی الاش شناخت کرنے کے لئے گئے ہیں۔“

” الاش....؟“ سھوں کے متے یہیک وقت نکلا۔

”ہاں.... بچھلی رات کسی نے انہیں مار ڈالا۔“

”کیا بکواس ہے؟“ لیوکاں سھنوں چڑھا کر بولا۔

”کیا تمہیں بات کرنے کا بھی سیلوق نہیں۔“ حمید نے تیز لمحے میں کہا۔ ”تم ایک نہدار افسر نے انگلکو کرو رہے ہوئے۔“

لیکاں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ڈیگال واپس آگیا۔

”کیوں...؟“ حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔

”اوہ.... سچ چیز...!“ وہ مضطربانہ انداز میں اپنے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ ”وہ مسٹر عدنان ہی کا لاش...“

اس کے دوسرا ساتھیوں نے اس پر سوالات کی بوجھاڑ شروع کر دی۔ البتہ جانتا کیوں حمید کو لیکاں کا رویہ کچھ غیر فطری سامنہ ہوا تھا۔ اس نے بڑے بھوٹے اور قصہ آمیز لمحے میں ڈیگال کوفزیہ کی گشادگی کے متعلق بتایا۔

حمد کو شروع ہی سے اس معاملے میں کوئی چیز تکمک رہی تھی اور پھر اس کے ذہن میں، بات بھی تھی کہ وہ بچپن رات کو دبجے... کہیں باہر گئے تھے اور اس کے لئے انہوں نے ایک عذر لنگ پیش کیا تھا۔ اس عذر لنگ کا تعلق فوزیہ کی ذات سے تھا اور اب فوزیہ اپاٹک پر اسرا طریقے پر غائب ہو گئی تھی۔ اس سے کیا سمجھا جائے۔

حمد نے سوچا کہ کیوں نہ فریدی کو فون کر دیا جائے۔ لیکن وہ ہال سے ہٹتا بھی نہیں چاہتا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر فوزیہ کی گشادگی میں انہیں لوگوں کا ہاتھ ہے تو وہ ابھی اسے ہوٹل کے باہر نہ لے جائے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ اسکی عدم موجودگی میں انہیں اس کا موقع مل جائے ڈیگال اپنے ساتھیوں پر بڑی طرح برس رہا تھا۔ حتیٰ کہ اس نے انہیں نہک حرام تک کہ دیا۔ جس پر نیگرو کو غصہ آگیا اور اسے مارنے کیلئے جھپٹا۔ دوسرے لوگ فوراً درمیان میں آگئے۔ اسی دوران میں حمید کو کاریڈر کے سرے پر فریدی دکھائی دیا جو ایک دیڑ کے ساتھ آخر طرف آ رہا تھا۔

”اوہ... تو تم یہاں ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”میں صحیح ہی سے اسی پکر میں ہوں۔“ حمید نے کہا۔

”یکوں مرت کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم بہت سچے ہو۔ خیر... یہاں کیا ہو رہا ہے۔“ حمید نے مختصرًا ماجرا بیان کر دیا۔ فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر آہستہ سے بولا۔ ”میں

یال ہے کہ وہ ابھی ہوٹل ہی میں مل جائے گی۔“

”میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ اگر اس کی گشادگی میں ان لوگوں کا ہاتھ ہے تو یہ ابھی اسے

ہر نہ لے جائے ہوں گے۔“

ڈیگال اب بھی اپنے ساتھیوں سے الجھا ہوا تھا۔ حمید نے فریدی کو بتایا کہ وہ عدنان کا

یکریٹری ہے۔

فریدی نے آگے بڑھ کر ان سے اپنا تعارف کرایا اور پھر ڈیگال کو مخاطب کر کے کہا ”مجھے بھی معلوم ہوا ہے کہ لڑکی غائب ہو گئی۔“

”جی ہاں.... مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے چند تالائقوں پر اعتماد کر لیا۔ میں لاش کی ناخت کے لئے پولیس اٹیشن چلا گیا تھا۔“

”کیا وہ اپنے کمرے ہی میں تھی۔“ فریدی نے ایک ایک کے چھرے کا جائزہ لیتے ہوئے جملہ پورا کیا۔ جواب اثبات میں ملا۔ لیکن انہوں نے اسے اس کے کمرے سے برآمد ہوتے نہیں دیکھا تھا۔

”میں اس کا کمرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

”آئیے...!“ ڈیگال ان کے آگے ہو لیا۔ کمرے میں پہنچ کر فریدی نے سرسری طور پر قرب و جوار کا جائزہ لیا۔ یہاں ایک طرف ایک بڑی سی مسہری پڑی ہوئی تھی جس کے سرہانے ایک میر تھی جس پر لکھنے پڑھنے کا سامان تھا۔ دو کریں۔ ملبوسات کی الماری۔ اس نے مخفی خیز نظرلوں سے حمید کی طرف دیکھا۔ پھر وہ دوسرے آدمیوں کی طرف مڑا۔

”کیا مس فوزیہ ایک ہی جوتا پہن کر باہر گئی ہیں۔“ اس نے ڈیگال سے کہا۔

”کیا مطلب... میں نہیں سمجھا۔“

فریدی اسے کوئی جواب دینے کی بجائے حمید سے بولا۔ ”تم برا بر والے کمرے کے دروازے پر ٹھہرو۔“

حمد باہر چلا گیا۔ اُسی کے پیچے لیکاں بھی نکلا اور اپنے کمرے میں جانے لگا۔

”نہیں جا ب۔“ حمید اسے روک کر بولا۔ ”ابھی آپ کمرے میں نہیں جا سکتے۔“
”کیوں...؟“ اس نے غصیلی آواز میں پوچھا۔
”هم مس فوز یہ کوتلاش کر رہے ہیں۔“

”پاگل تو نہیں ہو... ہم پہلے بھی ان سارے کروں میں تلاش کر چکے ہیں۔“

”فلکرنہ کرو۔“ حمید نے لاپرواٹی سے شانوں کو جہش دے کر کہا۔ ”سیرا چیف سگر کیس سے ہاتھی برآمد کر لیتا ہے۔“

”جہنم میں گیا تمہارا چیف... مجھے اندر جانے دو۔“

”نہیں اُسی کو جانے دو... تم مت جاؤ۔“ حمید نجیدگی سے بولا۔

ادھر فریدی نے فوز یہ کے کمرے کا عسل خانہ کھولا۔ پھر اس نے ڈیگال کو آواز دی۔ فوڑ فرش پر اونٹھی پڑی تھی۔

”ارے...!“ ڈیگال تحریر آمیز انداز میں چینا۔

وہ اسے اٹھا کر کمرے میں لائے اور سہری پر ڈال دیا۔ وہ بے ہوش تھی اور سانس رک کر ارہتی تھی۔

”آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“ ڈیگال بڑا بڑا۔ ”کس نے یہ حرکت کی۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ چند لمحے بیہوش لڑکی کی طرف دیکھتا رہا پھر حمید کو آواز دی۔ جس کے ساتھ ہی لیوکاس بھی اندر چلا آیا۔ فوز یہ کو سہری پر دیکھ کر لیوکاس پہلے تو جھوکا لیں پھر اس نے بھی تحریر اور افسوس کے ملے جعلی خیالات کا اظہار شروع کر دیا۔

”کسی قریبی ڈاکٹر کو فون کر دو۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔ جو توجہ اور دلچسپی سے بیہوش لڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لڑکی... جس کے خدوخال میں بہت کم نسوانیت تھی۔ اعضاء مغمون اور پڑیاں چوڑی تھیں۔ حمید ان کی عقلماں پر مامن کرنے لگا جو اسے بے بی کہتے تھے۔

اس نے نیچے جا کر کاڈنٹر سے ڈاکٹر کے لئے فون کیا اور پھر واپس آگیا۔ فریدی ایک کری کھنچ کر بیٹھ گیا تھا اور وہ سب وہیں کھڑے تھے۔

”آپ کا بہت بہت شکر یہ۔“ ڈیگال فریدی سے اس انداز میں کہہ رہا تھا جیسے اب وہاں فریدی یا اس کے ساتھی کی موجودگی کی ضرورت نہیں۔
”مجھے لڑکی سے کچھ سوالات کرنے ہیں۔“ فریدی بولا۔

”کیا ابھی... اسی وقت...“ ڈیگال کے لبھ میں حیرت تھی۔ لیکن کہنے کے انداز میں جچھی ہوئی بناوٹ کا اظہار بخوبی ہو یا تھا۔ حمید نے شarat آمیز ممکراہٹ کے ساتھ فریدی کی طرف دیکھا۔

”میں ہوش میں آئے کا انتظار کر لیوں گا۔ آپ مطمئن رہئے۔“ فریدی نے کہا۔

”لیکن... پھر بھی پہلے ظلم ہو گا۔ ایسے حالات میں... آپ اسے اس کے باپ کے قتل کی خبر سنائیں گے۔“

”یا آپ نے کیسے سمجھ لیا کہ میں اس کے باپ کے قتل کی خبر سنانے آیا ہوں۔“

”پھر...؟“

”کچھ نہیں...!“ فریدی نے لاپرواٹی سے کہا اور لڑکی کے چہرے پر نظریں بھادریں۔ لیوکاس اور ڈیگال کی نظریں ملیں۔ لیوکاس پہلے باہر گیا پھر ڈیگال نے بھی اس کی تقدیم کی۔ حمید استقہامی انداز میں فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سب خاموش تھے کچھ دیر بعد کسی کے تمہوں کی آہٹ سے سکوت ٹوٹا۔ لیوکاس اور ڈیگال واپس آگئے تھے اور ان کے ساتھ ڈاکٹر بھی تھا۔

معائنے کے دوران میں لیوکاس اور ڈیگال گھور گھور کر فریدی کو دیکھتے رہے۔ ڈاکٹر نے لات سیست کر بیگ میں رکھے اور بیگ کا تسری چڑھاتا ہوا بولا۔ ”کوئی نشر آور چیز... یا تو ایسی گئی ہے... یا الجٹ کی گئی ہے۔ میں ایک الجٹشن دے کر میں منٹ تک انتظار کروں گا۔ رہو شہ نہ آیا تو پھر یہ خود ہی سے بیدار ہوں گی۔“

کوئی کچھ نہ بولا اور کمرے پر پھر سکوت مسلط ہو گیا۔

گمشدگی کا راز

فوزیہ ہوش میں آچکھی تھی۔ اب کرے میں اس کے علاوہ صرف تین آدمی تھے۔ فریدی اور ڈیگال۔ لیکن اب ڈیگال مضطرب نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کے ہونٹ پیچھے ہوئے تھے۔ شاید اس نے اپنے دانت بھی پوری قوت سے بھینچ رکھے تھے کیونکہ جبڑوں کے مسلس ابھر ہوئے نظر آ رہے تھے اور آنکھیں اس طرح فوزیہ کے چہرے پر جبی ہوئی تھیں جیسے وہ غیر طریقے پر اپنی قوت ازادی کے ذریعے اس کے ذہن پر کوئی خاص اثر ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے۔

“آپ غسل خانے میں بیہوش پائی گئی تھیں۔” فریدی نے فوزیہ سے کہا۔

“کیا...!“ وہ اس طرح چونک پڑی جیسے خواب دیکھ رہی ہو۔ اس کی حیرت سے ہوئی آنکھیں ایک لٹک لٹک کے لئے فریدی کے چہرے کی طرف اٹھیں اور پھر جھک گئیں۔

“کیا آپ اس معاملے پر روشنی ڈالنے کی تکلیف کریں گی۔” فریدی نے پھر کہا۔

“میں نے اسے دیکھا نہیں کسی نے پیچھے سے میرے سر پر کیڑا ڈال کر گلا گھونٹھا۔“ وہ اپنی گردن پر ہاتھ پھینرنے لگی۔

دفعتاً ڈیگال نے ایک طویل سانس لی اور اس کے چڑے ڈھیلے پڑ گئے۔ حمید نے لکھنے سے اس کی طرف دیکھا اور پھر فوزیہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

“آپ کے والد کہاں ہیں۔” فریدی نے پوچھا۔

“جی...!“ وہ پھر چونک پڑی۔ “بیجھے نہیں معلوم۔“

“ہر رات.... دو بجے آپ لوگ کہاں گئے تھے۔“

“میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ یونہی تفریخاً...!“ ڈیگال بولا۔

“آپ باہر جائیے۔” فریدی نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

“آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دیا جائے گا۔“ ڈیگال بگزر کھڑا ہو گیا۔ “آپ صرف ہمارے ملک کے ہائی کیشن آفس کی وساطت سے ہم تک پہنچ سکتے ہیں.... ورنہ نہیں۔“

“یہ کس نے کہہ دیا تم سے۔“ فریدی کی مسکراہست پر سکون تھی۔ “باہر سے آنے والوں کا میزبان ملکہ سراغِ رسانی ہی ہوتا ہے.... ورنہ.... نور جہاں....!“

“کیا مطلب...؟“ ڈیگال ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولا اور فوزیہ سہری سے اچھل کر فرش پر کھڑی ہو گئی۔

“مطلوب... یہ کہ... عدنان کے... ساتھ ہی... ایک مقامی آدمی کا... بھی خون... ہوا ہے۔“ فریدی ایک ایک لفظ پر زور دیتا ہوا بولا۔

“کیا...!“ فوزیہ طلق پچاڑ کر چینی۔

“مسڑ عدنان کا قتل... کیا تھیں اب اطلاع ہوئی ہے۔“

فوزیہ سر پکڑ کر فرش پر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور اس طرح جھکولے لے رہی تھیں جیسے اب گری اور تباہ گری۔

ڈیگال نے چھپٹ کر اسے اٹھایا اور سہری پر ڈال دیا۔ وہ پھر بیہوش ہو گئی تھی۔

“تم لوگ درندے ہو۔“ ڈیگال فریدی کی طرف دیکھ کر دانت پیٹا ہوا بولا۔

“لیکن تمہاری طرح سرکس کے درندے نہیں۔“ فریدی نے سرہلا کر سمجھیدگی سے کہا۔

کچھ دریکوت رہا پھر فریدی بولا۔ “آخر انک کی کیا ضرورت تھی مسڑ ڈیگال...!“

“کیا انک...!“ ڈیگال چھپلا کر بولا۔ “تم مجھے خواہ مخواہ غصہ دلار ہے ہو۔“

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا.... اور حمید.... اس نے تو شاید اس دوران کی لنتھنگوں بھی نہیں سنی تھی.... اس کا ذہن ”نور جہاں“ میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ آخر فریدی نے یہ بے تکلام کیوں لیا؟ اور اس نام کا جو رعل ڈیگال اور فوزیہ پر ہوا تھا وہ بھی حمید کے ذہن میں محفوظ تھا۔

دنبر 13
ہتھا کر بے بی کو اچانک یہ منہوس خبر سنائی جائے۔ اس نے مجھے پولیس والوں سے گفتگو رتے دیکھا اور جلدی میں اسے بھی تدبیر سوجھ گئی۔

”لیکن مجھے تو اطلاع ملی ہے کہ آپ اپنے کسی ساتھی کو اس خبر سے مطلع کئے بغیر ہی یہیں اشیش چلے گئے تھے۔“ فریدی نے کہا۔

”میں اور لیوکاس پہلے ہی سے جاتے تھے۔“

”ہوں.... کس طرح۔“

”میں نے وہ لاشیں کل رات ہی دیکھ لی تھیں۔ پولیس آفیسر کو میں نے غلط بیان دیا تھا۔ بے بی... مسٹر عدنان کے لئے بہت پریشان تھی۔ لہذا ہم دو بجے ان کی تلاش میں اس عمارت نک گئے۔ میں بقیہ لوگوں کو باہر چھوڑ کر اندر چلا گیا۔ وہاں میں نے دونوں لاشیں دیکھیں اور پس چاپ والپس آگئے۔“

”مگر پولیس سے غلط بیانی کیوں کی گئی۔“

”محض.... اس بچی کی خاطر.... میں نہیں چاہتا تھا.....!“

”یہ جملہ ہم کئی بار سن بچکے ہیں۔“ فریدی نے تلخ بھے میں کہا۔ ”میں صحیح واقعہ سننا چاہتا ہوں۔“

”یہ قطعی صحیح واقعہ ہے۔“

”عدنان نے وہ عمارت کرائے پر کیوں حاصل کی تھی۔“

”ہمیں یہ ضرور معلوم تھا کہ انہوں نے ایک عمارت حاصل کی تھی لیکن انہوں نے اس کی غرض و غایبی کی کوئی نیتیں بتائی۔“

”ہوں.... تو پھر یہ لڑکی پر پریشان کیوں تھی۔“

”ظاہر ہے کہ مسٹر عدنان نے یہیں بتایا تھا کہ انہوں نے وہ عمارت کیوں حاصل کی ہے اور یہ سب کو معلوم تھا کہ وہ گذشتہ رات وہیں بر کرنے والے تھے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ بچوں میں والدین کے لئے اور والدین میں بچوں کے لئے ایک چھٹی حس ہوتی ہے۔“

”نمیں والدین ہوں اور نہ مجھے اپنا بچپن ہی یاد ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”لیکن میں

دفعتا فریدی نے اسے مخاطب کیا۔ ”حمدی! ذرالیوکاس کو بیہاں لاو۔“

حمدی باہر چلا گیا۔ فریدی نے یہ بات اردو میں کہی تھی۔ لیکن اس نے لیوکاس کے نام پر ڈیگال کو چونکتے دیکھا۔ ڈیگال کے چہرے پر زردی پھیل گئی اور وہ اپنے ہونوں پر زیبار پھیرنے لگا۔

لیوکاس کے آنے میں درنہیں لگی۔ لیکن وہ بہت زیادہ خجل لایا ہوا نظر آرہا تھا۔ فریدی کی وجہ لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہا پھر بولا۔ ”مسٹر لیوکاس! یہ کیا حرکت تھی۔“

”کیا مطلب....!“

”تم نے لڑکی کو بیہوش کیا تھا۔“

”مسٹر سراغ رسال تم بہک رہے ہو۔“ ڈیگال بولا۔

”نہیں مسٹر ڈیگال میں کچھ کہہ رہا ہوں۔“ غسل خانے میں مجھے مسٹر لیوکاس کی ڈائریٹی ملی ہے ”اوہو! یہ کیا بات ہے۔“ لیوکاس جلدی سے بولا۔ ”دونوں کمروں کا غسل خانہ مشترک ہے۔ اس کا ایک دروازہ میرے کمرے میں ہے۔ ممکن ہے کہی وقت مجھ سے گرگئی ہو۔ مجھے اسی تلاش تھی کہاں ہے۔“

”پیرے پاس!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”لیکن بہت عی محترم مسٹر لیوکاس! کیا میں پوچھتا ہوں کہ تمہاری قمیں کی پلیٹ پر پڑا ہوا سرخ دھبہ کیسا ہے؟“

لیوکاس کا سر بے اختیار سینے کی طرف بچک گیا.... اور پھر وہ ہمکلانے لگا۔

”بیکار ہے! تم نے ہی اسے بیہوش کر کے با تھرودم میں ڈالا تھا۔“

”دھھرو لیوکاس....!“ دفعتا ڈیگال ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اب کچھ چھپانا غصوں ہے۔“

فریدی نے جیب سے سگار کیس نکال کر ڈیگال کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”میں پولیس انپسٹر سے پہلے ہی کہا تھا کہ کوئی مجھے جیسے شریف آدمی کو دھوکا دینا پسند نہیں کرتا۔ سگارا ڈیگال نے کامپتی ہوئی انگلوں سے ایک سگار نکال لیا۔

”لیوکاس تھوڑا یہ تو قوف ضرور ہے۔“ اس نے کھافنے کر کہا۔ ”لیکن بد خواہ نہیں۔ وہ“

دوبارہ مس فوزیہ کے ہوش میں آنے کا انتظام کروں گا۔“

”آپ ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔“ ڈیگال پھر اکھڑ گیا۔ ”بے بی کو آرام کی ضرورت ہے سب کو آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا اور سگار سلگانے کا آخراً پڑھاتے کیا ہیں۔“

”سچی بات...!“

”اس سے زیادہ ہم میں سے کوئی بھی کچھ نہیں جانتا۔“

”کچھ دیر پہلے تم یہ بھی نہیں جانتے تھے جو ابھی بتاچکے ہو۔“

”میرے خیال سے اسے ہسپتال پہنچا دیا جائے۔“ حمید نے فوزیہ کی طرف اشارہ کر کے

”ہرگز نہیں... کبھی نہیں۔“ ڈیگال تن کر کھڑا ہو گیا۔

”بیٹھ جاؤ...!“ فریدی نے تحکماں لجھے میں کہا۔ ”تم مجھے نہیں جانتے۔“

”مجھے تشدید پر آمادہ نہ کرو۔“ ڈیگال غرایا۔

”چلو بیٹھ جاؤ سیدھی طرح... ورنہ...“ فریدی اور کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اس کی لفڑیوں پر تھیں جس نے ریوالور نکال لیا تھا۔

”بہت اچھے۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔

”کمرے سے نکل جاؤ۔“ لیوکاس نے کہا اور ہوتھ بھینچ لئے۔

”بہتر ہے۔“ فریدی امتحنا ہوا بولا۔ ”آس و حمید۔“

وہ دروازے تک آئے۔ لیوکاس ان کے پیچھے تھا۔ فریدی نے دروازہ کھونے کے پیشکش کی طرف باتھ بڑھایا لیکن پھر دوسرا بھی لمحہ بڑی تیزی سے پلنٹا۔ اس کا بیان ریوالور پر پڑا اور دامنہ باتھ لیوکاس کے جزیرے پر۔ لیوکاس اچھل کر کئی فٹ دور جاپا ریوالور فریدی کے ہاتھ میں تھا۔

”لیوکاس... یہ کیا بھروسہ گی ہے۔“ ڈیگال چینا۔

لیوکاس کھڑا ہو کر اپنا جبرا اسہلا رہا تھا۔ پھر خون کی ایک دھار اس کے ہوتھوں سے نکلا

بڑی پرچھل گئی۔

”ہم فیر... مجھے افسوس ہے۔“ ڈیگال معدودت آمیز لجھے میں بولا۔ پھر لیوکاس پر برس پڑا۔ ”میں لیوکاس کو آٹاں گیر اسلو رکھنے کے جرم میں گرفتار کرتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”تم

بماں بغیر اجازت ریوالور نہیں رکھ سکتے۔“

”ہم فیر! میں معافی چاہتا ہوں۔“ ڈیگال گزگڑا گیا۔ ”ہم بڑی رحمت میں پڑھائیں گے۔“

”اس کی صرف ایک ہی صورت ہے حقیقت کہہ دو۔“

ڈیگال کچھ نہ بولا۔ اس کے چہرے پر بھجن کے آثار نظر آرہے تھے اور وہ بار بار

وکاس کو قہر آؤندو نظروں سے گھومنے لگتا تھا۔

”ایک ذرا سی بات نے اتنا طول کھیچا۔“ وہ تھوڑی دیر بعد بڑھ رہا گیا۔ ”بہت معمولی ہی تھی..... لیکن مژہ عذان نے میرا کہنا نہ مانا۔ خود جان سے ہاتھ دھوئے اور ہمیں مصیبت میں پھنسا دیا۔“

فریدی کری گھیث کر بیٹھ گیا۔ لیوکاس رومال سے اپنے چہرے کا خون صاف کر رہا تھا۔

ڈیگال خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے سے ڈھنی کشمکش عیاں تھی۔ فریدی اسے جواب لطلب نظروں سے دیکھنے لگا۔

”انہوں نے مقامی آدمیوں کی مردھاصل کر کے غلطی کی۔“

”لیکن عذان کیا کرنا چاہتا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”کیا آپ کو اپنے شہر میں کسی ایسے اندھے آدمی کے وجود کا علم ہے جو سیکھوں آنکھ

والوں پر بھماری ہو۔“

حمد نے ڈیگال کے اس جملے پر تھہر لگایا لیکن فریدی میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

”کہتے جاؤ... میں سن رہا ہوں۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”لوز اٹا... چند ماہ پیشتر کیپ ناؤن میں تھا۔“

”لوزانا کون؟“

”لوزانا.... وہ انہا جنوبی افریقہ میں اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ وہ حقیقتاً کہ باشندہ ہے یہ کسی کو نہیں معلوم۔ لیکن افریقہ کے ڈائے گا قبیلہ کا ایک دیوتا لوزانا کہلاتا ہے کے معنی ہیں اندر ہیرے کا مالک۔“

حمدید عجیب نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اسے فریدی کی سنجیدگی آگئی۔ فریدی نے اسے گھور کر دیکھا اور حمید کہنے لگا۔ ”میں اس اندر ہے کو جانتا ہوں اس لوزانا نہیں بلکہ ڈھپ پ کل جرخ پلاخ پوں ہے۔ کس حماقت میں چھنسے ہیں آپ..... یہ فور روشنی ہیں۔“

پھر ڈیگال کی طرف دیکھ کر اردو میں بولا۔ ”تم لوگوں سے مجھے نفرت ہو گئی ہے۔ آئیں دور سے اور اپنے ہمراہ ایک بیجڑوں کی شکل کی لڑکی لائے ہو جس سے میں ذرہ براں لچکی نہیں لے سکتا۔“

”کیا کہ رہے ہیں۔“ ڈیگال نے فریدی سے پوچھا۔

”کچھ نہیں تم اپنا بیان جاری رکھو۔“

”اس نے مسٹر عدنان کو ہوکر دے کر ایک بہت بڑی رقم وصول کی..... اور یہاں چلا آتا ہم اس کے تعاقب میں یہاں آئے تھے۔“

”لیکن..... مسٹر عدنان نے خود ہی زحمت کرنے کی ضرورت محسوس کیوں کی۔ وہ اپنے کمیشن کے ذریعہ سرکاری طور پر اس کے خلاف چارہ جوئی کر سکتے تھے۔“

”یہی مشورہ میں نے بھی دیا تھا۔“ ڈیگال جلدی سے بولا۔

”لیکن مسٹر عدنان نہیں مانے..... آخر کیوں!“

”میں کیا بتا سکتا ہوں....!“

”لڑکی ضرور بتا سکے گی۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”میں نور جہاں کا قصہ سننا چاہتا ہوں“ وہ شہنشاہ جہاں گیر کی بیوی تھی۔ ”حید بولا۔“ اس کی پہلی شادی علی قلی خاں.... با

”قلی سے ہوئی تھی۔“

”تم خاموش رہو۔۔۔ یا یہاں سے چلے جاؤ۔“ فریدی اس پر الٹ پڑا۔

”اب میں کہاں جا سکتا ہوں۔۔۔ قصہ نور جہاں کا ہے۔“

”اپ نے ایک بار پہلے بھی یہ نام لیا تھا لیکن میں اسکے متعلق کچھ نہیں جانتا۔“ ڈیگال بولا۔

”شاید لڑکی جانتی ہو۔“ فریدی نے کہا۔

”پس نہیں....!“ ڈیگال بیزاری سے بولا اور بیویش لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

”انہا کہاں رہتا ہے؟“

”معلوم نہیں... مسٹر عدنان نے اسے یہاں کے کسی فٹ پاٹھ پر بھیک مانگتے دیکھا

۔“ حمید نے پھر تفہیم لگایا اور فریدی کا شانہ بچھوڑ کر بولا۔ ”ستے اگر وقت ہی بر باد کرنا ہے تو

بلج کر کٹ کھلیں۔ بڑی سہاٹی رات ہے۔“

”تم نہیں جانتے۔۔۔ خاموش رہو۔“

”ماں! ڈیزیر مسٹر ہارڈ اسٹون! مجھے اس سے بھی زیادہ دلچسپ کہانیاں یاد ہیں۔ رانی سرگا

لی کہاں۔ سوتے جا گئے کا قصہ۔ ببر بادشاہزادی کی داستان۔ موڈرن کہانیوں میں علی بابا اور

ملٹمٹم کا قصہ۔“

فریدی اسکی کواس پر دھیان نہ دے کر ڈیگال سے بولا۔ ”کیا اندر ہے کا کوئی گروہ بھی ہے۔“

”آپ گروہ کہتے ہیں۔“ ڈیگال نے کہا۔ ”وہ جہاں بھی رہتا ہے شاہانہ شان سے۔“

”اور فٹ پاٹھ پر بھیک بھی مانگتا ہے۔“ حمید اردو میں بڑی بڑی۔ ”فریدی صاحب اس

سے تو ہمیں نہتر تھا کہ آپ چانگو سے شوق فرمائیتے۔“

ڈیگال خاموش ہو کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس کی نظر فریدی کی طرف اٹھی۔

”مسٹر دوست کو کسی ایسے اندر ہے آدمی کے وجود پر یقین نہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”آنہیں یقین آ جائے گا۔“ ڈیگال نے سنجیدگی سے کہا۔ ”کیا آپ نے اب سے تین

سال قبل اخبارات میں ایک حرث انگریز خبر نہیں پڑھی تھی کہ لندن میں ایک اندر ہے نے چیرگ

کراس سے پاڑوں تک کارڈ رائیو کر کے پورے شہر میں سننی پھیلا دی۔
”اوہ....!“ فریدی چونکر بولا۔ ”تو یہ وہی اندھا ہے۔“
”جی ہاں.... وہی۔“

”تب تو... نور جہاں...!“ فریدی کچھ سوچنے لگا۔
”کیا...؟“ ڈیگال کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ لیکن وہ اچانک خاموش ہو گیا۔ فریدی
عقلابی آنکھیں ایک لٹلے کے لئے اس کے چہرے پر پڑیں پھر وہ مسکراتا ہوا کھڑا ہو گیا۔
”رعنی ہو گی.... لیکن اس معاملے میں اس کا کیا تعلق۔ آخر آپ کس بناء پر اسے اس سے
حق سمجھتے ہوں گے۔“

”نور جہاں.... اگر یہ نام نہ لیا گیا ہوتا تو میں بھی اسے کوئی اہمیت نہ دیتا۔“

”اوہ.... تو حقیقت کوئی لڑکی اور بھی ہے۔ یقیناً وہ بہت زوردار ہو گی.... ورنہ عدنان مرتا کیوں۔“

”لڑکی....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اچھا ہے تم اسے لڑکی ہی سمجھتے رہو۔“

”ہمیں تو کیا بڑھیا ہے۔“

”ختم کرو یہ قصہ...!“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میرے پاس تمہاری ایک شکایت آئی ہے۔“

”وہ تو آیا ہی کرتی ہیں۔“

”آخڑتھا را بچپنا کب رخصت ہو گا.... خود مذاق بننے ہو اور مجھے بھی بدنامی نصیب ہوتی ہے۔“

”بات کیا ہے۔“

”ہائی سرکل نائنٹ کلب میں مکرا کیوں لے گئے تھے۔“

حمدید یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ اتنا سنجیدہ جیسے فریدی نے اس کے مذہبی جذبات کو بھیس لی ہو۔

”کیوں نہ لے جاتا۔“ حمید گزگز کر بولا۔ ”وہاں بعض عورتیں کہتے کیون لاتی ہیں۔“

”مشکل خیز بننے کی کوشش نہ کیا کرو۔ میں نے ناہے کہ تم اور انور نائنٹ کلب کے فوجر کو
ت پریشان کرتے ہو۔“

”لیکن وہ کجھ اس کے باوجود بھی اشعار سنانے سے باز نہیں آتا۔“

بکرے سے اندھے تک

دوسری صبح حمید فریدی سے الجھ پڑا۔ اسے سب سے زیادہ تاؤ خود اپنی حماقت پر آ کر اس نے بچپنی رات کا زیادہ تر حصہ تقویات میں گزار دیا۔ وہ محض اس موقع پر ہوا فرانس میں سرمائر تارہ تھا کہ فوزیہ کو دیکھ کر آنکھوں میں نور اور دل میں سرور پیدا ہو سکے گا وہ ایک بالکل عی معمولی شکل و صورت کی لڑکی ثابت ہوئی۔ حمید کا خیال تھا کہ وہ لڑکی بھی باپ کی سازش میں شریک ہے۔ اندھے والی کہانی پر اسے یقین نہیں آیا تھا۔ اس کے مطابق عدنان کا خاتمه کرنے کے لئے چار مقامی بدمعاشوں کو کرائے پر حاصل کیا گے آن میں سے ایک عدنان کے ہاتھوں مارا گیا اور بقیہ تین آدمیوں نے اس کے بعد خاتمه کر دیا۔ اور مقصد... مقصد فی الحال تاریکی میں تھا۔

”میں کہتا ہوں۔“ وہ فریدی سے کہہ رہا تھا۔ ”آخر اس اندھے نے اُن تیوں کیوں دیا۔ اگر اس کی جگہ میں ہوتا تو انہیں کبھی اس دن کے لئے زندہ نہ چھوڑتا کہ وہاں

”اس قسم کی حرکتوں سے فائدہ کیا ہوتا ہے۔“

”میں کہتا ہوں کتوں کو ساتھ لئے پھر نے سے کیا فائدہ ہوتا ہے اور خصوصاً یہ عورت پہلوں کو تو گھر پر چھوڑ دیتی ہیں اور کتوں کو گود میں لئے پھرتی ہیں۔ ان کی نفیات آرے میری بھائی میں نہ آسکی۔“

”بچے کتوں سے زیادہ شور چاہتے ہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”نہیں بتائیے! آپ تو ماہر نفیات بھی ہیں۔“

”دوسروں کو مستقل طور پر غلام بنائے رکھنے کی لاشوروی خواہش۔ آدمی سے اس کا ضرول ہے لہذا توجہ جانوروں کی طرف مبذول ہوتی ہے اور جانوروں میں کتنے ہے سعادت مند جانور اور کوئی نہیں ہوتا۔ ہر وقت دم ہلاتا رہتا ہے۔ عورتوں میں غلام بنایا خواہش مردوں سے زیادہ ہوتی ہے۔“

”کیا میں آپ کو بھی عورت بھوؤں۔“

”کیوں...؟“

”آپ نے درجنوں کتے پال رکھے ہیں اور میں نے ایک بکرا پال لیا تو اُس پر اتنا



ہائی سرکل نائنٹ کلب کا فیجر بر آمدے میں کھڑا تھا۔ یہ چھوٹے قد، دبلے جنم ادا ہوئے چہرے کا ایک او ہیز عمر کا آدمی تھا۔ اس نے جیب سے سکریٹ کا پیکٹ نکالا اور سلاکنے ہی جارہا تھا کہ کپاؤٹ میں ایک کار دا خل ہوئی جس کی کھڑکی سے ایک بکرا سڑا بڑے دلاؤ نیز انداز میں جگالی کر رہا تھا۔ فیجر نے سکریٹ جیب میں ڈال لیا اور دانت خلاء میں مکامارنے کے سے انداز میں ہاتھ کو جبکش دی۔

کار سے حمید اتر اور پھر اس نے بکرے کو بھی کھینچ کر باہر نکال لیا۔

”مسٹر حمید اخدا کے لئے۔“ فیجر ہاتھ پھیلایا کر گھکھیا تا ہوا آگے بڑھا۔

”میری جیب میں کھلے ہوئے پیسے نہیں ہیں۔“ حمید لاپرواں سے بولا۔ وہ اُس جغاڑی بکرے کا پسہ پکڑے اسے ہندی کی باڑھ پر منہ مارنے سے روک رہا تھا۔

”آپ میرا بیڑا اغرق کر دیں گے۔“

”آپ نے فریدی صاحب سے خلاکیت کیوں کی؟“

”خلاکیت... نہیں تو.... وہ میں نے کہا تھا کہ ایسی جگہوں پر لانے سے بکرے کے اخلاق پر برا اثر پڑ سکتا ہے۔“

”بکواس ہے.... میرا بکرا نہایت سلیم الطیح اور برخوردار قسم کا ہے۔ وہ مردوں سے اچھا یاں سیکھتا ہے۔ ایسا بکرا شیخ سعدی کو بھی نہ نصیب ہوا ہو گا۔ اچھا کوئی عمدہ سا شعر نہیں ہے۔“

”دیکھئے.... میں بہت پریشان ہوں۔ آپ بکرے کو اندر نہیں لے جاسکتے۔ پچھلی بار سے کئی معزز آدمیوں نے یہاں آنا چھوڑ دیا ہے۔“

”پھر کتے کیوں آتے ہیں۔ اگر کتے آئیں گے تو بکرا بھی جائے گا۔“

”بکرے کو دیکھ کر کتے بھونکنے لگتے ہیں۔“ فیجر نے کہا۔ ”میرے حال پر رحم کیجھ اور آپ ایسی حرکتیں کرتے ہوئے ابھی نہیں معلوم ہوتے۔ آپ بھی کافی معزز آدمی ہیں۔“

”بھی نہیں میں چمار ہوں.... بکرا بھوئے جانا نہیں ہو سکتا۔“

”آپ نہیں لے جاسکتے۔“ فیجر بے بُسی سے چینا۔

”اچھی بات ہے۔ اب دیکھوں گا تمہاری شراب کی ناجائز تجارت۔“

”مسٹر حمید....!“ فیجر کا لہجہ زرم ہو گیا۔

”تو پھر میں اس بکرے کو کہاں چھوڑوں۔“

”میں انتظام کر دوں گا۔“

”نہیں آپ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنے کا وعدہ کریں تو.... میرا مطلب ہے کہ اپنے آفس میں۔“

”مجھے منظور ہے۔“ فیجر نے طبیعتان کا سافن لیا۔

میجر نے اپنے دفتر کا کمرہ کھولا اور حمید نے بکرے کو دھکیل کر اندر کر دیا۔

”اوے تھائی نہ محسوں ہونے پائے.... سمجھے.... ہاں...“ حمید نے کہا اور ہاں میں چلا گیا۔ میجر برآمدے ہی میں کھڑا طرح طرح کے منہ بنا تارہ۔ وہ نظر تا پکھا اس قسم کے بوڑھوں میں سے تھا جنہیں بچے بھی چلکیوں میں اڑا دیتے ہیں۔ حمید اسے خاص طور سے چھیڑتا رہتا تھا اور حقیقت تو یہ تھی کہ میجر اس کے ظافف کوئی قدم بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ کیونکہ حمید اس کی تجارت کے بعض ناجائز پہلوؤں سے اچھی طرح واقف تھا۔ فتحا اسے پھر ہاں کے ایک قریبی دروازے میں حمید کی شکل دکھائی دی جو اسے گھور رہا تھا۔

”ہائیں.... آپ نے اسے تھا چھوڑ دیا ہے۔“ حمید نے غصیلی آواز میں کہا اور میجر بلدی سے اپنے دفتر چلا گیا۔ یہاں بکرا بڑی سعادت مندی سے جگالی کرتا ہوا اس کی میز کا جائزہ لے رہا تھا۔ میجر کے داخل ہوتے ہی وہ اسے نیم پاز آنکھوں سے دیکھ کر اس طرح میلایا جیسے دیسے غیر حاضری کی وجہ پوچھ رہا ہو۔

”ارے تجھے خدا غارت کرے.... ہٹ میز کے پاس سے۔“ میجر اسے میز کے قریب سے دھکیلہ ہوا بڑا یا۔ لیکن بکرا سر جنت حمید کا تھا۔ اس نے اس کی پرواہ کئے بغیر اپنی جگالا جاری رکھی۔

فتحا اس کی نظر اس الماری پر پڑی جس میں ایک بڑا سا آئینہ لگا ہوا تھا۔ آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر اس نے گردن اکڑا۔ دو قدم چیچے ہٹا پھر بچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہو کر آئینے پر ٹکر مارنے ہی جاڑا تھا کہ میجر چیختا ہوا درمیان میں آگیا۔ اس طرح وہ ٹکر تو نہ مار سکا لیکن اس کو اگلی ٹانگوں کے ساتھ ہی ساتھ میجر بھی زمین پر آ رہا۔ بکرا دوسرا ٹکر کی تیاری کرنے لگا تھا۔ میجر بے اختیار اٹھ کر اس سے لپٹ پڑا۔ اس دھیگا مشتی میں ایک کرسی الٹ گئی۔ بکرے کو بھی شامی تاؤ آ گیا تھا۔ وہ بار بار آئینے ہی کارخ کرتا تھا۔ میجر بڑی طرح ہانپ رہا تھا اور اس نے میز سے کھٹی کھٹی آوازیں اور گالیاں نکل رہی تھیں۔ ایک بار بکرے نے.... میز سے سینگیں اڑا کیں اور زور کرنے لگا۔ میجر نے لاکھ چاہا کہ اسے ہٹا دے گر کا میاب نہ ہوا۔ آخر کار میز بھی اک

گئی۔ میجر حلق پھاڑ پھاڑ کر چیختے لگا۔ بدھوای میں وہ میز کی طرف جھک پڑا تھا۔ اتنے میں بکرے کو موقع مل گیا اور اس نے آئینے پر ایک ٹکر ہی رسید کر دی۔ کئی ٹکڑے ٹھکنھاتے ہوئے فرش پر آ گرے۔

”اوے او..... جرامی کے پلے۔“ میجر اپنا سر پیٹ کر چینا۔

”نوکر کرے میں گھس آئے۔ بکرانہ جانے کیا سمجھا۔ اس نے چیختہ ہوئے میجر کے سینے پر ایک ٹکر رسید کی اور پھر نوکروں کی طرف پلت پڑا۔ نوکر معاملے کی نویعت بھی نہیں سمجھ پائے تھے کہ ان میں سے ایک کو بڑی زور دار ٹکر نصیب ہوئی۔ وہ یہیچہ گرا اور بکرے نے اس کے اوپر سے جست لگائی۔ دوسرے لمحے میں وہ برآمدے میں تھا۔ شامت اعمال، کپاڈ ٹڑ میں کسی صاحب کے دو کئے خوش فعلیوں میں مشغول تھے۔ انہوں نے بکرے کو دیکھا تو بھوکتے ہوئے اس کی طرف لپکے۔ بکرا ہاں میں گھس گیا۔ شام کا وقت تھا اس نے ہاں قریب قریب بھرا ہوا تھا۔ سرجنت حمید اور اس کے ایک شناسا میں شترخ مھن گئی تھی۔ جیسے ہی بکرا ہاں میں گھسا کئی طرح کی آوازیں گوئنچے لگیں۔ اس کے تھاکب میں کئے بھی گھس آئے تھے۔ حمید بدقت تمام اپنی فٹی روک سکا۔ لیکن وہ بکرے کو پکڑنے کے لئے اٹھا نہیں۔

قریب ہی کی میز پر بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے اپنے ساتھی سے پوچھا۔ ”کیا بات ہے۔“

”عجیب!“ اس کا ساتھی بولا۔ ”ایک بکرا گھس آیا ہے۔“

”بکرا!“ آدمی حیرت سے بولا۔ ”بکرے کا یہاں کیا کام....!“

اور فتحا حمید بکرے کو بالکل ہی بھول گیا۔ وہ بڑی توجہ سے اس آدمی کو دیکھنے لگا تھا جس نے اپنے ساتھی سے غل غپاڑے کی وجہ دریافت کی تھی۔ یہ ایک طویل القامت اور تویی الجث آدمی تھا۔ آنکھوں پر گھرے نیلے رنگ کے شیشوں کی عینک تھی اور وہ ایک نہایت نیس سوٹ میں لمبوں تھا۔

”کیا....؟“ حمید کے ذہن میں ایک سوال گونجا۔ ”اُس نے بکرے کو نہیں دیکھا۔“ بکرا اٹھک اس کی میز کے قریب سے گذر اتھا۔ حمید کے ذہن میں یہیاں ہی بجھ لگیں۔

”اور یہ نقصان کون بھرے گا۔“ فیجر آفس کا دروازہ کھلتا ہوا بولا۔

”تم ضرور اس سے بدلائی سے پیش آئے ہو گے۔“ حمید نے غصیلی آواز میں کہا۔
اتھے میں تو کر بکرے کو برآمدے میں گھیٹ لائے۔

حیدر سوچ رہا تھا کہ کہیں معاملہ طوالت نہ اختیار کر جائے۔ اگر ایسا ہوا تو ممکن ہے کہ وہ
اندھے کو ہاتھ سے کھو بیٹھے۔ یہ بھی ایک اتفاق ہی تھا کہ اس طرح اس سے مذکور ہو گئی تھی۔
ورنہ وہ زندگی بھر اس کے متعلق یہ اندازہ نہ لگا پاتا کہ وہ اندا ہے۔

دفعتاً حمید کو یاد آیا کہ اس کی چیک بک جیب ہی میں موجود ہے۔

”سنپیارے۔“ حمید فیجر کا شانہ چکتا ہوا بولا۔ ”تمہارے نقصان کی تلافی ہو جائے گی۔
تم فی الحال اس سعادت اطوار بکرے کو کسی نوکر کے کوارٹر میں بنڈھوادو۔“

”ہرگز نہیں... کبھی نہیں۔“ فیجر پیر پڑھ کر بولا۔

حمدی نے جیب سے چیک بک نکالی اور سادے چیک پر دستخط کر کے فیجر کی طرف بڑھاتا
ہوا بولا۔ ”اپنے نقصان کا تاخینہ لگا کر رقم لکھ لیتا۔۔۔ چوشا بش... ورنہ تمہیں پچھنا پڑے گا۔“

فیجر چند لمحے اسے گھوٹا رہا پھر اس نے چیک لے کر اپنی جیب میں ٹھوں لیا۔

”میزالت دی“ وہ بڑی بڑی۔ ”آئینے چور چور کر دیا اور وہ میرا جنم ریزہ ریزہ ہو گیا۔“

”یار ختم بھی کرو قصہ۔۔۔ میری شترنخ کی بازی بر باد ہو رہی ہے۔“

فیجر نے ایک نوکر سے بکرے کو لے جانے کو کہا۔

حمدی پھر ہال میں لوٹ آیا۔ حید کا ساتھی بساط بچھائے بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا اور
دوسری میز پر نیلی عینک والا بھی اپنے ساتھی کے ساتھ بازی میں مشغول تھا۔ حید پھر جگ گیا۔

لیکن اس بار اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے کئی بے سرو پا چالیں چلیں اور اس کے میرے
دہزاد بڑھ پڑتے گئے۔ اس کا ذہن اس اندھے میں الجھا ہوا تھا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اس کا

شہر سرے سے غلط ہی نہ ہو۔ ضروری نہیں کہ یہ وہی اندا ہو جس کی خلاش فریدی کو تھی۔ یہ
خیال آتے ہی اس کا دل ڈوبتے گا۔ اگر ایسا ہی ہوا تو اسے وہ چیک قیامت تک یاد رہے گا۔

کیا وہ اندا ہا تھا.... اندا ہا....؟ لیکن بادی انتظر میں وہ اندا ہیں معلوم ہوتا تھا۔ حمید ذہنی بھجوار
میں بھلا ہو گیا.... کیا.... ذیگال کا بیان صحیح تھا۔ حمید نے فوراً ہمی ایک دوسری بات بھی محسوس کی۔
وہ آدمی اپنے ساتھی کے ساتھ شترنخ بھی کھیل رہا تھا.... وہ شترنخ تو کھیل رہا تھا۔ لیکن بکر اسے
نہیں دکھائی دیا تھا۔ عجیب بات۔۔۔ پھر حمید کی مجسنس نگاہوں میں ایک بات اور بھی آئی۔۔۔ ہال
کے سارے لوگوں کی نظریں بکرے پر تھیں لیکن وہ نیلی عینک والا بدستور بساط پر جھکا ہوا تھا۔
اس نے ایک بار بھی بکرے کی طرف رخ نہیں کیا۔ حالانکہ اس کا ساتھی کھڑا ہو کر بکرے کی وجہ
چوکڑی سے لطف اندازو ہو رہا تھا۔

تو وہ اندا ہا تھا.... سو فیصلی اندا ہا.... ورنہ اسے بھی فطرتاً بکرے میں دیچپی لیتی چاہئے
تھی۔ انہوں نی باقی ہر ایک کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتی ہیں۔۔۔ اور وہ بھی ایک انہوں نی
تھی۔ ناٹھ کلب میں بکرا۔

حمدی نے فیجر کی طرف دھیان نہ دیا جو اسے بڑی طرح جھنجھوڑ رہا تھا۔

”کیا ہے بھی۔۔۔ چلو چھوڑو۔۔۔ بازی ختم کرو۔“ نیلی عینک والے نے اپنے ساتھی سے کہا۔

”بکرا کسی طرح قابو میں نہیں آتا۔“ اس کا ساتھی بولا۔

”دہجم میں گیا بکرا۔۔۔ بازی ختم کرو۔“

”کیا ہے بھی!“ دفعتاً حمید فیجر کی طرف پلانا۔

”میں برباد ہو گیا۔۔۔ لیکن خدا کی قسم تمہیں نقصان بھرتا پڑے گا۔“ فیجر بانپتا ہوا بولا۔

”تم اس سے غافل ہو گئے ہو گے۔“ حید امتحنا ہوا بولا۔ پھر وہ فیجر کو باہر برآمدے ملاد
کھینچ لے گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ہال میں اس سے کسی قسم کی تکرار ہو۔

”تم بیکار بھک مار رہے ہو۔“ حمید نے کہا۔ ”کیوں آمادہ ہو گئے تھے اسے سنبھالنے پر
اگر انکار کرتے تو میں واپس جلا گیا ہوتا۔“

”اب اٹی دھوں جماو گے۔“ فیجر بھنا کر بولا۔

”بات بڑھانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اپنے نوکروں سے کہو کہ اسے میری کار میں ٹھوں دیں۔“

جو اس نے جھگڑا ختم کرنے کے لئے غیرہ کو دیا تھا۔ اس کی نظریں ایک بار پھر انہے کھلاڑ جم گئیں۔ وہ بڑی دلنش مندی سے چالیں چل رہا تھا۔ کیا یہ ایک انہے کے لئے حیرت بات نہیں تھی۔ اس نے آج تک کسی انہے کو شترنخ کھلیتے نہیں دیکھا تھا۔ لیکن وہ انہا ڈرائیور کر سکتا ہو وہ بھی لندن جیسے مشغول شہر میں اس کے لئے شترنخ کیا وقعت رکھتا ہے۔

انہے کا ساتھی اسے اپنی چال کے متعلق بتاتا جاتا تھا۔ لیکن خدا انہا بھی تک ایک با چال چلتے وقت نہیں چکچایا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پوری بساط اس کے ذہن میں محفوظ ہو۔ حمید یوں ہی انہا دھنڈ چالیں چل رہا تھا۔ آخر کار اسے جلدی مات ہو گئی اور وہ کر پشت سے ٹیک لگا کر پاپ میں تمبا کو بھرنے لگا۔

”دوسری بازی....!“ اس کے ساتھی نے پوچھا۔

”دھنہر و.... میں ایک متھ میں آیا۔“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔ وہاں سے وہ سیدھا نجیب آفس میں آیا۔ اور یہاں کی ابتری پر دھیان دیئے بغیر فریدی کو فون کرنے لگا۔

دھنہو کا

حمد پھر ہاں میں واپس آ گیا۔ انہے کی بازی ختم ہو گئی تھی اور اب وہ کری کی سے ٹیک لگائے خاموش بیٹھا تھا۔ اس کا ساتھی شاید کہیں چلا گیا تھا۔

حمد کے ساتھی نے دوبارہ مہرے جملے شروع کئے۔

”اب بس....!“ حمید نے کہا۔ ”کچھ پیو گے۔“

”نہیں سورج غروب ہونے سے پہلے میں کچھ نہیں پیتا۔“ اس کے ساتھی نے کہا۔ پھر خاموش چھا گئی۔ ہاں میں کافی رونق تھی۔ اور کئی عورتیں حمید کو گھور رہی تھی۔ شہاب میں سے ایک آدمی ایسی بھی رہی ہو گی جنہوں نے اسے پچھلے موقع پر بکرے کے ساتھ دیکھا

حید نے دیدہ و دانتہ ان کی طرف سے منہ پھیر لیا تھا۔ پھر برآمدے میں اسے ایک بڑی خوبصورت لڑکی نظر آئی۔ وہ ہاں میں داخل ہوئی چند لمحے ادھر ادھر دیکھتی رہی پھر تیر کی طرح اس کی میز کی طرف آئی جس پر انہا بیٹھا ہوا تھا۔

انہے کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں اور پھر وہ مسکرانے لگا۔ لڑکی میز پر باتھ بیک کر بھی اور آہستہ آہستہ سمجھ کر نہیں گلی۔ اس کے اوپری ہونٹ کی جھینش بڑی تر غیب اگیز تھی۔

نہ جانے کیوں اسے دیکھ کر حمید کو اپنی ریڑھ کی بڑی میں گدگدی کی سی کیفیت کا احساس ہونے لگا۔ انہے کے ہونٹ سکرے ہوئے تھے اور شاید وہ غیر معمولی توجہ سے لڑکی کی بات سن رہا تھا۔ اچانک وہ انھا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا ہاں سے نکل گیا۔ اس کے اس روئے پر حمید ایک بار پھر الجھن میں پہلا ہو گیا۔ کوئی انہا کسی سہارے کے بغیر اس طرح نہیں چل سکتا۔ لیکن جلدی اسے کارڈ رائیو کرنے والی روایت یاد آگئی۔ لڑکی بھی اس آدمی کے پیچے چل جا رہی تھی۔ وہ کمپاؤنڈ میں کھڑی ہوئی ایک کار میں بیٹھ گئے۔ انہا جھپٹی سیٹ پر تھا اور لڑکی نے انہیں اشارت کر دیا تھا۔

”دوسٹ مجھے ذرا ایک کام یاد آ گیا ہے۔“ حمید اٹھتا ہوا اپنے ساتھی سے بولا۔
وہ ہنسنے لگا۔ اس نے کہا۔ ”لوگو یا کے پیچے؟“

”ارے نہیں.... لاحوال.... والا...!“

انہے کی کار پھاٹک کے باہر پہنچ چکی۔ حمید نے اپنی کار کا انجن اشارت کیا۔ وہ سورج رہا تھا کہ فربیہی وہاں ضرور آئے گا۔ لیکن وہ انہیں چھوڑ کر طرح سکتا تھا۔ اس کی کار باہر نکلی۔ انہے کی کار کافی فاصلے پر تھی۔ تھا قاب شروع ہو گیا۔
اگلی کار پھوکنے کے بعد ایک سرکوں سے گذر رہی تھی اس نے حمید کو زیادہ احتیاط کی ضرورت نہیں۔ دونوں کافاصلہ بہت کم تھا۔ اچانک اگلی کار ایک جگہ سڑک سے اتر کر ایک گلی میں مر رکی۔

حمد کو اس کی تو قع نہیں تھی۔ حمید نے اپنی کار بھی سڑک سے اتاری۔ اگلی کار نظر وہ سے او جعل بوجھ تھی اور حمید گلی میں مڑنے ہی جا رہا تھا کہ ایک ٹھیلا جو دامنی طرف سے آ رہا تھا گلی کے

دہانے پر رک گیا۔ حمید نے ہارن دیا جتنی دری میں ٹھیلا ہٹا اُنگلی کاروہ گلی پار کر کے دوسرا سربراہ پر مڑ گئی تھی۔ راستے ملنے عین حمید تیز رفتاری کے ساتھ گلی سے گزر گیا۔ اُنگلی کارٹریفک کی زیادتی کی وجہ سے زیادہ دونرہیں جائیکی تھی۔

تعاقب جاری رہا۔

ورج غرب ہو چکا تھا اور اب دھند لکھ کی ملکجی چادر کائنات پر محیط ہوتی جا رہی تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ آخر اس بھاگ کر پھر کپاؤٹ کے پھانک پر آ کھڑا ہوا۔ جیسے ہی مختلف سربراہوں کے چکر اگارہی تھی جیسے ڈرائیور نے والی کام مقصود مخفی تفریخ ہو۔ اور پھر جب کار آر لچو کی کپاؤٹ میں داخل ہونے لگی تو حمید نے اطمینان کا سائنس بلاس کے بعد عین حمید بھی اپنی کار کپاؤٹ میں لے گیا۔

لیکن..... تحریر اور استجواب کا وہ لمحہ... شائد وہ حمید کو زندگی بھر یاد رہے۔ اس کار سے اٹڑکی اتری اور نہ انداختا... ڈرائیور کی سیٹ سے ایک ملڑی آفیسر اتر رہا تھا۔ وہ اپنی پوری ورثتے میں تھا۔ حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کار کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ سو فیصدی وہی کار تھی۔ اگر جیسے اس کے نمبر یاد نہ ہوتے تو وہ سمجھتا کہ وہ کوکا کما گیا ہو گا۔ نمبر اس کے ذہن میں محفوظ تھے۔ ہو؟ وہ انداختا اور اٹڑکی کیا ہوئے؟

اس نے فوجی آفیسر کو آر لچو کے ڈائیٹنگ ہال میں داخل ہوتے دیکھا۔ وہ تیزی سے اس کار کے قریب آیا۔ دونوں سیٹیں خالی تھیں۔ چند لمحوں کیلئے وہ بالکل خالی الذہن ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ دھننا وہ چونکا اور پھر جپٹ ڈائیٹنگ ہال میں داخل ہو گیا۔

وہ کئی منٹ تک سرگردان رہا لیکن وہ فوجی افسرنہ دکھائی دیا۔ پھر اس نے ویژروں پوچھ گئے شروع کی۔ نتیجہ مایوس کن برآمد ہوا۔ ایک ویٹر نے اسے بتایا کہ ایک فوجی اہمی ضرور تھا لیکن پھر وہ عقی دروازے سے باہر چلا گیا۔ حمید نے اس منحوس عقی دروازے کے

اور دل ہی دل میں گالیاں بکتا ہوا واپس آیا اور پھر جیسے ہی وہ باہر نکلا اس کے پیروں تھے زمین نکل کر کسی طرف کھک گئی۔ کیونکہ اب وہ کار بھی غائب تھی اور جب وہ اپنی کار کی سمت تجوہ ہوا تو سر پر سے آسان بھی نکل گیا۔ کار کے ایک اگلے پہنچے کا ناٹرکسی نے چاقو سے دیا تھا۔ حمید پھر واپس جا رہا تھا۔



فوجی عقی دروازے سے نکلا اور چکر لگا کر پھر کپاؤٹ کے پھانک پر آ کھڑا ہوا۔ جیسے ہی ڈائیٹنگ ہال میں داخل ہوا فوجی نے مہندی کی باڑھ کی اوٹ لے کر اس کی کار کی طرف نا شروع کیا جہاں حمید نے اپنی کار کھڑی کی تھی۔ اور ہر زیادہ روشنی نہیں تھی اور کار کا ایک پہرہ کی باڑھ سے لگا ہوا تھا۔ فوجی نے جیب سے ہر اس چاقو نکلا اور ناٹرکسی کو ریتتے لگا۔ نتیجہ مد ہونے میں درنہیں لگی۔ پھر اس نے اپنا کوٹ اتارا اور اسے بغل میں دبا کر سیدھا اپنی کار طرف آیا۔ چند لمحوں کے بعد کار کپاؤٹ کے باہر تھی۔ تھوڑی دور چل کر اس نے کار ایک سنان گلی میں موڑ کر روک دی۔ پھر اس نے سیٹ نیچے سے ایک نمبر پلیٹ نکالی اور اسے پہلی والی نمبر پلیٹ پر فٹ کر دیا۔

کار دوبارہ چل پڑی۔

وہ ابھی مختلف سربراہوں سے گذر رہی تھی کہ پولیس کی پیروں کاریں جن میں ریڈ یوٹر ان سپر تھے چاروں طرف دوڑنے لگیں۔ شائد سرجنٹ حمید نے آر لچو سے گشیدہ کار کے متعلق لہیڈ کو اڑ کر مطلع کر دیا تھا۔ نمبر تو اسے یاد نہیں تھے۔ لیکن کار کا ڈرائیور بڑی لاپرواں سے ڈرائیور کرتا ہوا اپنی منزل کی طرف جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے آسکر اسٹریٹ کی ایک شاندار عمارت کے سامنے کار روک دی۔ سڑک کے اندر پہنچ کر وہ ایک ایسے کمرے میں داخل ہوا جہاں ایک میز کے علاوہ اور کچھ نہیں اور میز پر صرف ایک فون رکھا ہوا تھا۔ اس نے نمبر ڈائل کئے اور ماڈ تھیس میں بولا۔

”لوزاٹا... لوزاٹا...!“ وہ ایک لمحہ کے لئے رکا۔ پھر بولا۔ ”تیرا غلام گازالی برا
ہے... سب ٹھیک ہو گیا... میں اسے چکر دیتا ہوا آرچو میں لے گیا۔“
پھر اس نے اپنے فرار کی داستان دہزادی۔

”گازالی... لوزاٹا تجھ سے خوش ہوا۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”کیا مالگنا ہے
دُعظیم لوزاٹا... تیرے غلام کو کسی کیسی کی نہیں۔ گازالی اس لڑکی کو جاہتا ہے:
باپ تیرے مقیدیں ہاتھوں سے دوسری دنیا میں بیٹھنے گیا۔“

”گازالی...!“ دوسری طرف سے تنبہہ آمیز لمحہ میں کہا گیا۔
”دُعظیم لوزاٹا...!“ گازالی کانپ گیا۔

”تو لوزاٹا کے غلاموں کے مسلک سے واقف ہے۔“

”دُعظیم لوزاٹا... میں رحم کی بھیک مالگنا ہوں۔“

”آئندہ چنسی یونڈ کی بات نہ آئے۔“

”ایسا ہی ہو گا... لوزاٹا...!“

گازالی نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔



سرجنٹ حمید آرچو میں فریدی کا انتظار کر رہا تھا۔ پہلے اس نے ہائی سرکل نائٹ کل
میجر کو فون کیا تھا۔ اس نے بتایا کہ فریدی کی کچھ درستک وہاں اس کا انتظار کرتا رہا تھا۔
چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ حمید نے شجر کے بتائے ہوئے پتہ پر فون کیا۔ فریدی وہاں موجود تھا
نے اسے آرچو میں انتظار کرنے کو کہا۔

حمدید اس وقت کی شکست پر بُری طرح چھوڑ لیا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آہما
آخر یہ سب ہوا کیسے! وہ دونوں کہاں اور کیسے غائب ہو گئے تھے... کیا اسی گلی میں جا
لھوں کے لئے کار اس کی نظر وہ سے او جھل ہو گئی تھی۔

حید کو زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ شاید میں منٹ بعد فریدی آرچو کے ڈائینگ ہال میں
 داخل ہوا۔

”سب چوپٹ ہو گیا۔“ حمید نے کہا

”پہلے تم یہ بتاؤ کہ میرے منع کرنے کے باوجود بھی آج تم نے وہی حرکت کیوں کی۔“
فریدی نے چھوڑا کر کہا۔

”اوہ.... تو اس چکا گڈڑ کے پیچے نے پھر شکایت کر دی۔ اس نے آپ کو وہ سادہ چیک
نہیں دکھایا۔ وہ اچھا خاصاً بُر ہے.... اس نے برخوردار بیغرا خاں کو چھیڑا ہی کیوں تھا۔“
فریدی چند لمحے اسے گھوڑا رہا پھر بولا۔ ”تم نے مجھے وہاں کیوں بلا یا تھا۔“

”برخوردار بیغرا خاں کے ایک کارنائے کی دادخواہی کے لئے۔“ حمید نے کہا۔ ”لیکن
نوں کہ میں اس عظیم بکرے کو وہاں سے اپنے ساتھ نہ لاسکا تھا وہ نہ یہ دن نہ دیکھتا۔“

حمدید نے سارے واقعات دہزادیے۔ اس نے اسے بتایا کہ کس طرح وہ محض اسی بکرے
کا وجد سے اس پر اسرار انہ کو پیچاں سکا اور کس طرح بکرے کی عدم موجودگی میں اس سے ہاتھ
ڈھونڈنا۔ فریدی غور سے سترارہا۔ درمیان میں دو ایک بار اس نے بولنا چاہا لیکن پھر خاموش ہو گیا۔

جب حمید سب کچھ کہہ چکا تو فریدی بولا۔ ”یہ بہت بُر ہوا۔ یقیناً وہ لوزاٹا ہی تھا۔ آج
میں نے اس کی گذشتہ زندگی کے متعلق اور بھی معلومات بھی پہنچائی ہیں۔ وہ حقیقتاً افریقہ کے
ڈائے گا۔“ قبیلے کا ایک نہ بھی پیشوا بھی ہے۔ تھیں کافی اختیاط برتنی جا ہے تھی۔“

”تو بتائے تا... مجھ سے کونی غلطی سرزد ہوئی ہے۔“ حمید چھوڑا کر بولا۔

”یہی کہ تم نے یہاں ٹھہر کر بیکار وقت شائع کیا۔ جیسے ہی تم نے اس فوجی کو یہاں دیکھا
تھا تھیں پھر اسی گلی میں واپس جانا چاہئے تھا۔ جہاں ایک ٹھیلے نے تمہاری راہ روک لی تھی۔ یا
اس سے بھی زیادہ آسان طریقہ یہ تھا کہ تم یہاں باہر ہی ٹھہر کر اس فوجی کا انتظار کرتے۔“

”مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ اس طرح نکل جائے گا۔“

”بچوں کی سی باتیں نہ کرو۔ آخر ان دونوں کے بجائے کار میں اس فوجی کی موجودگی کا

کیا مطلب تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ ہوشیار ہو گئے تھے۔ انہوں نے تمہیں دھوکا دیا تھا۔ ان کی فوجی نے اس لئے انہیں لی تھی کہ وہ تمہارے ساتھ بیٹھ کر آئیں کریم کا لطف اٹھانا چاہتا تھا۔ وہ بیٹھنے تو... تم خود سوچو۔

”لیکن تم نے ذیڈی کی موت کے متعلق مجھ سے کیوں چھپایا۔“

”میں کس طرح بتاتا ہے بی۔ میں نے سوچا تھا کہ آہستہ آہستہ تمہیں بتاؤں گا۔“

”نیزیر... فوزیہ کچھ سوچنے لگی۔“

”او... یہ دیکھو...!“ ڈیگال نے جیب سے ایک لفافہ کاں کرفوزیہ کی طرف بڑھا دیا۔

”کیا ہے؟“

”اسے پڑھو...!“

فوزیہ نے لفافہ سے کاغذ کاں لیا۔ جس پر تحریر تھا۔

”انہیں کامالک تمہیں حکم دیتا ہے کہ چپ چاپ بیہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ تم

سب تاریکی کی مملکت میں پہنچا دیئے جاؤ گے۔ جہاں عدنان اس وقت انہیں رہے

میں سرکار انا پھر رہا ہے.... اگر تم نے پولیس کو میرے متعلق بتایا تو تمہارا خون تمہاری

تی گروں پر ہو گا۔ میں بے وجہ کشت و خون پسند نہیں کرتا۔ لیکن اپنی راہ میں آئے

ہوئے روڑوں کو ہٹانا ہی پڑتا ہے۔“

فوزیہ نے کاغذ کو موڑ توڑ کر پیروں تسلیم بل ڈالا۔

”بے بی... ہمیں جلد از جلد بیہاں سے چلا جانا چاہئے۔“

”ہرگز نہیں۔“ فوزیہ نے سختی سے اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔

”میں ڈرتا نہیں ہوں۔“ ڈیگال نے کہا۔ ”محض تمہاری وجہ سے۔“

”میری پرواہ مت کرو۔“ فوزیہ بولی۔ ”میں اس اندھے کا خون اپنی آنکھوں سے دیکھنا

چاہتی ہوں۔“

”یہ بہت مشکل ہے بے بی۔ بہت مشکل۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ لوزاٹا کے ساتھ گاز الی

کھلی ہے اور تم اسے اچھی طرح جانتی ہو۔ وہ کتنے عرصہ تک تمہیں ٹنگ کرتا رہا تھا۔“

”چلے میں گدھا...!“ حمید جھلا کر بولا۔ ”اب آپ ہی تیرماریے۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔

”تمہڑی دیر بعد حمید نے کہا۔ ”مجھے کار کا نمبر یاد تھا۔“ میں نے پولیس ہیڈ کوارٹر کو سے مطلع کر دیا۔“

”اور تم سمجھتے ہو کہ وہ کار پکڑ لی گئی ہو گی۔“

”نہ بھی پکڑ لی گئی ہو گی تو کیا میں کنوارا مر جاؤں گا۔... یہ سالے دنیا بھر کے اندر ہے لوں لنگر کے اسی شہر میں آمرتے ہیں۔“

”میں نے تم سے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تم اس کیس میں دیچپی لو۔“ فریدی تلنگ لجھ میں بولا

”بہتر ہے اسی نے ابھی تک آپ کیلئے جتنی معلومات فراہم کی ہیں انہیں واپس لیتا ہوں۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ تمہڑی دیر بیٹھا رہا پھر اٹھ کر چلا گیا۔



ہوٹل ڈی فرانس کے ایک کمرے میں فوزیہ بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ کسی نے باہر دروازے پر دستک دی۔

”آ جاؤ...!“ فوزیہ نے ٹہلٹے ٹہلٹے رک کر کہا۔

دروازہ کھلا اور ڈیگال اندر داخل ہوا۔

”کیا بات...?“ فوزیہ نے تکمما نہ لجھ میں کہا۔

”لیوکاں بہت شرمende ہے بے بی۔ اس سے ممات قوت ہوئی۔ اسے وہ طریقہ نہ اختیار کرے چاہئے تھا۔ یقین مانو۔... اس کی قسمت بخیر تھی۔“ اسی تھیس اس لئے تمہیں بیہوش کیا تھا کہ کہیں پولیس تم سے اصل بات نہ معلوم کر لے۔ مسٹر عدنان زندہ نہیں ہیں لیکن ان کا نام بڑا تھا۔

”پچھے بھی ہو.... میں ڈیڈی کے خون کا بدلہ ضرور لوں گی۔“
”پسنا مت کرو بے بی۔ وہ بہت خوفناک آدمی ہے۔“

گازالی کچھ نہ بولا اور نہ اس کے چہرے پر کسی قسم کا تغیر ہی دکھائی دیا۔ وہ پلک جھپکا کئے
نوزیہ کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

”ڈیگال.... اگر تم لوگ اس سے ڈرتے ہو تو مجھے یہاں تھا چھوڑ کر واپس جاسکتے۔“
نوزیہ توں کی طرف بڑھی۔ وہ جھپٹ کر اس کے سامنے آگیا لیکن اب بھی اس کی پلکیں
میری رگوں میں ایک جنگلو قوم کا خون ہے۔“
جھپٹیں۔ وہ برابر فوزیہ کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔ فوزیہ کے ہاتھ اسے دھکلنے کے لئے
جھپٹیں۔ میں پھر کہوں گا کہ تم غلط بھی ہو۔ اگر میں ڈرتا ہوتا تو مسٹر عدنان کے ساتھ اس نہ ہم
ہیں۔ لیکن آگے نہ بڑھ سکے۔ پتہ نہیں وہ محور ہو گئی تھی یا پھر اسے یہ خدا شہ تھا کہ اگر اس کی پلکیں
پیش یا نظر ذرا سی بھی چوک گئی تو وہ اس پر حملہ کر بیٹھے گا۔ بالکل سانپ اور نیونے کی سی جنگ
”اچھا جاؤ.... بیکار مجھے پریشان نہ کرو۔ میرا جو دل چاہے گا کروں گی۔“ بارہہ
لتھے تھا۔ فوزیہ چیخ سکتی تھی لیکن اس کے منہ سے ہلکی سی آواز بھی نہ نکلی۔

اپاںک کسی نے دروازے پر دستک دی۔ گازالی چوک پڑا اور پھر وہ دو ہی جستوں میں
دروازے کے قریب تھا۔ اس نے پھر یو اور نکال کر اس کا رخ فوزیہ کی طرف کر دیا جو کمرے
فوزیہ ہٹلی رہی۔ اس طرح پندرہ منٹ گذر گئے۔ پھر اس نے انگڑائی لی اور شاید درود
، دوسرے سرے پر میز کے قریب کھڑی تھی۔

ڈیگال چپ چاپ چلا گیا۔
”تکلیف نہ دینا۔ میں تھائی جاہتی ہوں۔“

فوزیہ ہٹلی رہی۔ اس طرح پندرہ منٹ گذر گئے۔ پھر اس نے انگڑائی لی اور شاید درود
مغل کرنے کی نیت سے آگے بڑھی ہی تھی کہ کسی نے باہر سے دروازے کا ہینڈل گھما
دروازہ کھلا اور ایک آدمی تیزی سے اندر داخل ہوا۔ اس کے ایک ہاتھ میں یو اور تھا۔ فوزیہ
کر چیچے ہٹ گئی۔ آنے والے نے دروازہ بند کر کے پیشانی سے ہیئت کا گوشہ اٹھایا اور کو
کے کار گر کا دیئے۔ فوزیہ کے سامنے گازالی کھڑا مسکرا رہا تھا۔



فریدی آرچو سے اٹھنے کے بعد ہوٹل ڈی فرانس کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ اسے ڈیگال
راس کے ساتھیوں سے لوزاٹا کے متعلق کچھ اور بھی پوچھنا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ حمید نے ایک
ترین موچ کھو دیا تھا۔ خدا ہر ہے کہ انہیں تک پہنچانا آسان نہ رہا ہو گا تب ہی اس نے عدنان
لے کر ائے پر مہیا کئے ہوئے آدمیوں میں سے تین کو زندہ نکل جانے دیا تھا اور نہ وہ انہیں بھی ختم
رہتا۔ اس لاپرواہی کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ خود کو محفوظ سمجھتا ہے اور یہ تو اسے معلوم ہی
چکا تھا کہ لوزاٹا تھا انہیں ہے جیسے ہی فریدی ہوٹل ڈی فرانس میں داخل ہوا اس کا متعین کیا
ایک آدمی اس کی طرف تیزی سے آیا۔

”لڑکی کے کمرے میں ابھی ایک ابھی داخل ہوا ہے۔“ اس نے کہا۔
فریدی سر ہلاتا ہوا اور پری منزل کی طرف چلا گیا۔ راہداری سنان تھی۔ وہ فوزیہ کے

ایک شکار

پھر گازالی نے یو اور جیب میں ڈال لیا۔ فوزیہ اسے گھور رہی تھی اور گازالی اسے
طرح دیکھ رہا تھا جیسے کوئی بلی کسی چوہے کو قابو میں کر لینے کے بعد دیکھتی ہے۔ اس کی آنکھ
سے جنسی درندگی جھانک رہی تھی۔

”تم بغیر اجازت میرے کمرے میں کیوں داخل ہوئے۔“ فوزیہ غرائی۔

”لوکی کے کمرے میں کوئی ہے۔“ فریدی نے کہا۔
”ڈیگال ہوگا۔“

”نہیں.... کوئی اور.... تم میں سے کوئی نہیں ہے۔ تم اپنے ساتھیوں کو بلاو۔ جلدی کرو۔“
بات اب بھی لیوکاس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ وہ حرمت سے منہ کھولے کھڑا رہا۔
”جلدی کرو،“ فریدی اپنے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔
لیوکاس چلا گیا۔ اُس کے ساتھیوں کے آنے میں درنہیں لگی۔

”اوہ.... آفیر... کیا بات ہے۔“ ڈیگال آگے پڑھتا ہوا بولا۔
”کمرے میں لوکی کے ساتھ کوئی نہیں ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”تم لوگ یہیں بخہرو۔ عسل
خانے کے دروازے کا خیال رکھنا اور تم میرے ساتھ آؤ۔“

فریدی نے نیکرو کے کاندھ پر ہاتھ رکھ کر اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ پھر رہداری
میں آگیا۔

اس نے فوزیہ کے دروازے کے قفل میں کنجی لگائی ہی تھی کہ اندر سے کسی نے غرا کر کہا۔
”گولی مار دوں گا.... لوکی کو.... اگر کوئی اندر آیا۔“
”ارے.... سیاہ قام افریقی اچھل پڑا۔“

فریدی نے اُسے جواب طلب نظرلوں سے دیکھا۔
”گازالی!“ نیکرو نے سر گوشی کی۔ ”لوڑاٹا کا داہنہ ہاتھ.... نہیں گورن۔ وہ خط رنگ
نہیں۔ وہ مسکی کو ضرور مار دا لے گا۔“

فریدی نے ایک جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔
”شایم!“ کوئی چیز اُس کے دابنے کان کے قریب سے گزر کر کچھلی دیوار سے
ٹکرائی۔ وہ پھر تی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ فوزیہ بُری طرح چیخ رہی تھی۔ لیکن پھر شامد اس کا
منہ دبا دیا گیا۔

”ریو الور پھینک دو....!“ فریدی نے باہر سے کہا۔ ”ورنہ تمہارا جنم چھٹنی ہو جائے گا۔“

کمرے کے سامنے پیچ کر رکا۔

پھر اُس نے آہستہ آہستہ دستک دی۔ شاید ایک منٹ بعد اندر سے فوزیہ کی آواز اُڑی۔
”آجاؤ!“

فریدی دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ فوزیہ عسل خانے کے دروازے سے لگی کھڑی ہی
اس کے چہرے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی پیٹھ میں کوئی چیز چھڑ رہی ہو۔ عسل
کے دروازے سے خفیف سادہ تھا۔

”کیا بات ہے؟“ فوزیہ نے پوچھا۔ فریدی کو اُسکے لمحے میں کچھ بناوٹ سی محسوس ہوا
”میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آپ موجود ہیں یا نہیں۔“ فریدی نے اُسے گھوڑتے ہوئے
”مم.... میں.... مم.... موجود ہوں۔“

”تکلیف دہی کی معانی چاہتا ہوں۔“ فریدی نے نرم لمحے میں کہا۔ ”کیا آپ?
ساتھ ڈائینگ ہال تک چلیں گی۔“

فوزیہ گھبرا گئی اور یہ اپنک قدم کی گھبراہٹ اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہوئی تھی
”جج.... جی نہیں.... آپ جاسکتے ہیں۔ میں اس وقت کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتی۔“
”اچھا پھر سہی۔“ فریدی نے لاپرواٹی سے کہا۔ ”شب تخت۔“

اس نے تیزی سے باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔ داہنی طرف کیل سے کمرے کی دو
لنک رہی تھیں۔ فریدی نے ہاتھ بڑھا کر سنجیاں اتاریں اور دروازے کو باہر سے مقفل کر
پھر تیزی سے برابر والے کمرے میں بڑھا جو غالباً لیوکاس کا تھا۔ اس نے دستک دینے
دروازے کا پہنچل گھماایا اور پھر دوسرے لمحے میں وہ اندر تھا۔ لیوکاس اچھل کر کھڑا ہو گیا
اس کے کوہ پچھ کھتتا فریدی نے ہونتوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کر دیا۔

لیوکاس اُسے عجیب نظرلوں سے دیکھ رہا تھا۔ فریدی نے بڑھ کر عسل خانے کے دروازے
کو دھکا دیا لیکن وہ اندر سے بند تھا۔

”کیا بات ہے؟“ لیوکاس نے فریدی کے قریب آ کر آہستہ سے پوچھا۔

فوزیہ کی پشت گازالی کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔ میں ہاتھ سے اس نے اُس کی گردنے بیوچ رکھی تھی اور داہنے ہاتھ میں روپور تھا۔ اس طرح فوزیہ اس کی ڈھان بن کر رہ گئی تھی۔ فائزہ کی آواز پر بہت سے لوگ راہداری پر اکٹھا ہو گئے تھے۔ فریدی انہیں دروازے سامنے آنے نے روک رہا تھا۔

اب گازالی نے روپور کی نال فوزیہ کی کمر سے لگادی اور اسے دھکیلتا ہوا آگے بڑھ لگا۔ ساتھ میں ساتھ وہ چیختا بھی جا رہا تھا۔ اگر کسی نے مجھے چھوڑا بھی تو... میں اس لڑکی کو جو میں پہنچا دوں گا۔“

وہ دروازے تک آ گیا تھا۔

فریدی نے بے بسی سے مجھ کی طرف دیکھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شاید اسے اپنی اس وہ کی بے بسی تمام عمر یاد رہے۔ پستول کی نال فوزیہ کی کمر پر تھی۔ گازالی کی انگلی کی ایک خیف جنبش پر اُس کا خاتمه ہو سکتا تھا۔ مجھ تحریر تھا کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ لوگ ایک خونخوار آس کی گرفت میں ایک بے بس لڑکی کو دیکھ رہے تھے۔ لیکن شاید وہ اُس لڑکی سے بھی زیادہ بے تھے کیونکہ گازالی کی غراہت برادر جاری تھی۔ وہ بڑی خوفناک آواز میں کہہ رہا تھا۔ ”تریب آنا... ورن لڑکی کو گوکلی مار دوں گا۔“

مجھ کاٹی کی طرح پھٹنے لگا۔ گازالی فوزیہ کو آگے کی طرف دھکیلتا ہوا راہداری میں آگے اور اب نیچے جانے کے لئے زینوں کی سمت بڑھ رہا تھا۔ اتنی دیر میں ڈائینگ ہال کے سارے آدمی اور پیٹنے کے لئے جدو جدد کا آغاز کرچے تھی۔ عجیب مصکلہ خیز منظر تھا۔ فریدی؟ دونوں کے پیچے پیچے چل رہا تھا خود کو اٹیج کا مخزہ تصور کرنے لگا تھا۔ غیر ارادی طور پر اس منہ سے نکل رہا تھا۔ ”ہٹو.... راستہ دو.... ہٹو.... راستہ دو۔“

لکھی عجیب بچوشن تھی۔ قانون کا ایک محافظ ایک مجرم کے لئے راست بنارہا تھا۔ وہ تھا کہ اگر کسی سے گازالی کے معمولی سارہ کا بھی لگ گیا تو روپور کا ٹریکر کھٹج جائے گا۔ وہ نفیا تی لمحہ تھا۔ پچاؤ کی صورت نہ دیکھ کر ایک بی بھی کسی شیر کی طرح جھپٹتی ہے۔

گازالی نے زینے طے کئے۔ ہال کے وسط میں پہنچ کر وہ فوزیہ سمیت مجھ کی طرف مڑا۔ ”پیچھے ہٹو....!“ وہ زور سے چینا۔ فریدی اسے خور سے دیکھنے لگا۔ ایسا معلوم ہوا رہا تھا یہی وہ اُس کی آنکھوں سے اس کے ذہن میں جھاکنے کی کوشش کر رہا ہو۔ ”اور پیچھے ہٹو....!“ گازالی پھر چینا۔ ”ہٹتے جاؤ۔“

مجھ پیچھے ہٹا۔۔۔ اور دھنعتاً فریدی نے اپنے سامنے کھڑے ہوئے دوآدمیوں کو ایک طرف ہٹادیا۔ اس کا داہنہ ہاتھ جیب میں تھا اور عقابی آنکھیں گازالی کے چہرے پر گزی ہوئی تھیں۔ اچانک گازالی کا روپور والا ہاتھ بڑی پھرتی سے اوپر اٹھا۔ شاید وہ بجلی کے کسی بلب پر شانہ لگا کر ہال میں اندر ہرا کرنے جا رہا تھا لیکن اسے مہلت نہ ملی۔ مجھ نے فائزہ کی آواز سنی۔۔۔

اور گازالی کا روپور اچھل کر دور گاڑا۔ گازالی فوزیہ کو دھکا دے کر اچھلا لیکن قبل اس کے کہیر زمین سے لگتے فریدی کے روپور سے دوسرا شتعلہ نکلا اور گازالی کو لہوں کے مل دھب سے فرش پر آگا۔ اس نے پھر اٹھنا چاہا لیکن فریدی نے بچپت کر اس کی ٹھوڑی پر ایک ٹھوک رسید کر دی۔ فوزیہ کا جھٹی باڑی گاڑا جیجی جیج کر گانے لگا۔

”پولالا.... پولالا.... پے گوری.... نا گاں۔“ (مارلیا.... مارلیا.... آخری نیزہ زہریلا تھا۔) پھر اس نے اچھل کر جگلی ناچ بھی شروع کر دیا۔

فریدی زخمی گازالی کی ناگ پکڑ کر کھینچتا ہوا دروازے کے قریب سے ہٹا رہا تھا۔ گازالی بیہوش نہیں ہوا تھا۔ نہ وہ جیخ رہا تھا اور نہ کراہ رہا تھا۔ اس کی خاموشی کسی ایسے سانپ کی بے بسی سے بہت مشابہ تھی جس کی کمرٹوٹ گئی ہو اور وہ ایک عی جگہ پر پڑا ہریں لے رہا ہو۔ اس کی چلکلی آنکھیں فریدی کے چہرے پر جھی ہوئی تھیں۔

”کھلیل ختم ہو گیا۔“ فریدی مسکرا کر بولا اور پھر اس نے اسے گریبان سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے ایک کرسی میں ڈال دیا۔

جسکی ایک سک ناچ رہا تھا۔ ڈیگاں وغیرہ بڑی مشکل سے اس پر قابو پا سکے۔ فریدی مجھ کی طرف مڑا۔

”خواتین و حضرات۔“ اس نے بلند آواز میں کہا۔ ”آپ لوگ براہ کرم اپنی جگہ تشریف رکھئے۔ کوئی خاص بات نہیں۔ ایک مجرم۔ جس کی پولیس کو تلاش تھی۔“

مجموع میں کئی ایک فریدی کے ملاقاتی بھی تھے لیکن ان میں اتنی ہست نہیں تھی کہ وہ وقت فریدی کی قریب بھی آتے۔ فریدی گازالی کو اُنکے چارج میں دے کر فون کی طرف بڑھ پنسن کا تھانہ قریب ہی تھا۔ فون کرنے کے ملکیک سات منٹ بعد تھانے کا انچارن اور پہنچ گیا۔ گازالی کو اُس کے پرد کر کے فریدی ڈیگال کے ساتھ پھر اوپری منزل پر چلا گیا۔ فریدی کی حالت اتر تھی۔ ابھی تک اس کے جسم کی تھری تھری نہیں مٹی تھی۔

”وہ کس لئے آیا تھا۔“ فریدی نے فوزیہ سے پوچھا۔
فوزیہ کچھ نہ بولی۔ وہ بدستور سر جھکائے بیٹھی رہی۔

”آفیر...!“ ڈیگال کٹکھار کر بولا۔ ”بات دراصل یہ ہے کہ گازالی پہلے بھی بے پریشان کرتا رہا ہے۔ لیکن مژہ عدنان کی زندگی میں اُسے کبھی اتنی جرأت نہیں ہوئی۔“

”لوڑا اور عدنان کے تعلقات کس قسم کے تھے۔“

”کسی قسم کے بھی نہیں۔“ ڈیگال جلدی سے بولا۔ ”اس نے مژہ عدنان کو دھوکہ دے کیا تھا۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ یہ آدمی بہت زیادہ چالاک معلوم ہوتا ہے۔“

”میں الاقوامی شہرت کا مالک ہے۔ بے بی۔“ ڈیگال نے کہا۔ ”یہ ہماری بدقتی ہے کہ ایک ایسی آدمی سے نکرائے۔ میرا خیال ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے ورنہ تین سال قبل کا

”شاید چھ ماہ پیشتر کی بات ہے۔“ لیکن میں نہ کر لگایا۔
فریدی نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اسے اس کی بات پر یقین نہ آیا ہو۔
”ہم...!“ فریدی سگار کا کونا توڑتا ہوا بولا۔ ”بیرا خیال ہے یہ تین سال پہلے کی بات۔“

”کیوں؟“ ڈیگال چونکہ پڑا۔ ”میں نہیں سمجھا۔“

”لیکن میں سمجھ گیا ہوں۔“

”آخربات کیا ہے؟“ ڈیگال بے چینی سے پہلو بدلتا ہوا بولا۔
فریدی چند لمحے اسے گھوٹا رہا پھر سگار سنگانے کے لئے جھکا۔ کمرے کا ساتھا کچھ اب بوجھل ہو گیا۔ ان میں کم از کم ایک آدمی ایسا ضرور تھا جس کی چھٹتی ہوئی سائیں کر۔

”بیدو نضا میں گونج رہی تھیں۔“

”میں اب تم سے کچھ نہیں پوچھوں گا۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

”ہم نے سب کچھ بتا دیا ہے آفسر...!“ ڈیگال بھی اٹھتا ہوا بولا۔

اور پھر ان سب کی تحریر آمیز نظریں فریدی کا تعاقب کرتی رہیں۔ وہ کمرے سے جا پچکا

نا۔ ڈیگال چند لمحے بے چینی سے ٹھٹھا رہا پھر اپنے ساتھیوں سے بولا۔ ”تم لوگ آرام کرو۔“

لیکاں کے علاوہ اور سب چلے گئے اور انکے جانے کے بعد ڈیگال لیکاں کو گھورنے لگا۔

”تم نے...!“ وہ دانت میں کر بولا۔ ”سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔“

”میری وجہ سے کیوں؟“ لیکاں نختہ پھلا کر بولا۔

”تم نے بے بی کو بیہوش کر کے اُسے ہماری طرف سے مشکوک کر دیا ہے۔“

”میں کیا کرتا۔۔۔ کیا یہ تمہاری بداشت نہیں تھی کہ....!“

”کچھ نہیں۔“ ڈیگال ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”فضول بحث سے کوئی فائدہ نہیں۔“

لیکاں جھلاہست میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ فوزیہ بول پڑی۔ ”بچپن باتوں میں الجھے کیا فائدہ۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ یہ آدمی بہت زیادہ چالاک معلوم ہوتا ہے۔“

”میں الاقوامی شہرت کا مالک ہے۔ بے بی۔“ ڈیگال نے کہا۔ ”یہ ہماری بدقتی ہے کہ

ایک ایسی آدمی سے نکرائے۔ میرا خیال ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے ورنہ تین سال قبل کا

الزیریت۔“

”لیکن اس وقت اس کی وجہ سے میری جان قیچ گئی۔“ فوزیہ بولی۔

”ہوا کیا تھا...؟“ ڈیگال نے پوچھا۔

”تمہارے جانے کے شاید دو منٹ بعد گازالی کمرے میں گھس آیا۔ لیکن ابھی تک نہیں

اُنکی کوہہ چاہتا کیا تھا۔۔۔ اور مگر اسے کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ جلد ہی کسی نے دروازے

ٹک دی۔ گازالی نے روپا اور نکال لیا۔ پھر وہ مجھے عسل خانے کے دروازے پر لا یا۔ خدا اندر

لیا اور مجھے دروازے کے قریب کھڑا کر دیا۔ روپا اور کی نال میری کمرے لگی رہی۔ میں نے

جید نے اخبار کھکھ کر ایک گہری سانس لی اور پھر جائے پینے لگا۔

اس کی نظرؤں میں یہ سارا معااملہ قطعی بے سرو پا تھا۔ آخر نور جہاں کون تھی۔ جس کے لئے یہ سب کچھ ہوا۔ اگر وہ عدوان کی کوئی تھی تو اس نے براہ راست سرکاری طور پر کوئی کارروائی کیوں نہیں کرائی۔ فریدی اس کے متعلق کچھ جانتا تھا۔ ابھی تک مشاہدات کی بناء پر یونہی ثابت ہوا تھا کہ فریدی اس کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور جانتا ہے۔ اس کے منہ سے نور جہاں کا نام سن کر ڈیگال اور فوزیہ بُری طرح بدحواس ہو گئے تھے۔

ناشیتے سے فارغ ہو جانے کے بعد جید سونپنے لگا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ تہائی اسے آتا ہٹ کی طرف لے جاری تھی۔ دل بہلانے کے لئے بکرا قطعی ناکارہ تھا۔ ایسے موقع پر اسے اپنی چوبیاں بُری طرح یاد آنے لگتی تھی۔ وہ کئی دنوں سے سوچ رہا تھا کہ اسے پھر ایک چوبیاں پال کر اسے تربیت دینی چاہئے۔

بُر اس نے محض اس لئے پالا تھا کہ اپنی بعض شناساعورتوں کو چڑھا سکے جو کہتے پا تی تھیں اور تھوڑا بہت فریدی کو بھی لٹک کرنا مقصود تھا۔

جید لباس تبدیل کرنے کے لئے اٹھ ہی رہا تھا کہ ایک نوکر نے قاسم کی آمد کی اطلاع دی۔ وہ ڈرائیورِ روم میں ایک صوفی پر جو توں سمیت پڑا جید کا انتظار کر رہا تھا۔ جید کو دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔

اس کا موڑ کچھ خراب معلوم ہو رہا تھا۔ جید نے سوچا چلو غیرمت ہے تہائی سے تو نجات ملے۔ قاسم نہ رے رہے منہ بیمار ہا تھا۔

”کیا بات ہے؟“ جید نے پوچھا۔ ”بیوی سے لڑ کر آ رہے ہو۔“
”ہاں....!“ قاسم اس طرح جھلا کر بولا جسے اس کی بیوی کا سگا بھائی ہو۔ ”سالی اب بالکل ناقابل برداشت ہو گئی ہے۔“

”سالی سے کیا مطلب.... تم بیوی کی بات کر رہے تھے۔“
”یارتا نہ دلاؤ۔ ورنہ تمہیں مار دیتھوں گا۔“

”خطرناک دشن“ اور ”جنگل کی آگ“ جلد نمبر 12 ملاحظہ فرمائیے۔

آفیسر کو اندر آنے کی اجازت دی۔ گازالی نے ہیں کہا تھا مگر وہ آفیسر انہائی چالاک ہے پکھ سمجھ گیا۔ جب میں نے گازالی ہی کے کہنے پر اسے کمرے سے چلے جانے کو کہا تو وہ چاپ نکل گیا اور پھر یہ سب کچھ ہو گیا۔ میرے خدا! کتنی خطرناک پچوش تھی اور اس نے آسانی سے گازالی کو سیدھا کر دیا۔ مجھے تو وہ اوزاتا سے بھی زیادہ خطرناک معلوم ہوتا ہے۔“ ڈیگال کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ”اے لکھ لو بے بے کہ اوزاتا کو یہاں اس کی مور لائی ہے۔ فریدی حقیقت بُرا خطرناک آدمی ہے۔“

کتا جھپٹتا ہے

دوسری صبح جید کے لئے زیادہ خونگوار نہیں تھی۔ اسے رہ رہ کر وہ چیک یاد آ رہا تھا نے ہائی سرکل نائنٹ کلب کے فیجر کو دیا تھا اور شجر نے بعد کو اسی کے سامنے بڑی بڑی دل دلی۔ اس پر ایک بڑی رقم لکھ لی تھی۔ اگر اسے اندھے کا تعاقب نہ کرنا ہوتا تو اس کی جیب پاپی بھی نہ لٹکتی۔

فریدی رات سے اب تک واپس نہیں آیا تھا اور جید کو ہوٹل ڈی فرانس میں پہنچا۔ والے حادثے کا بھی علم نہیں تھا۔

ناشیتے کی میز پر اس نے صبح کا اخبار اٹھایا۔ پہلے ہی صفحے پر ہوٹل ڈی فرانس والے کی خبر تھی۔ جید نے چائے کی پیالی رکھ دی۔

خبر کے اختتام پر نوٹ تھا۔ ”بعد کی اطلاعات مظہر ہیں کہ پولیس کی ذرا سی غلط پر انسپکٹر فریدی کی مختتوں پر پانی پھر گیا۔ مجرم سے بعض حریت اگیز اکشافات کی توڑ پیان دینے سے قبل نہ اس نے خود کشی کر لی۔ اس کی دھکن دار انگوٹھی میں کوئی بہت الارث قائم کا زہر تھا۔ پیش کے تھانے کے انچارج کی آنکھوں کے سامنے مجرم اسے جا

”تم کیا کر رہے ہو۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”برخوردار بغاٹا خال کی شادی کی فکر کر رہا ہوں۔“

”ایک ملہڈا کپاڈ نٹ لے کر پرنسپ کے چانہ پر آ جاؤ۔“

”کیوں...؟“

”ضرورت ہے۔“ فریدی نے جھلا کر کہا۔ ”جلدی آؤ۔“

”برخوردار بغاٹا خال بھی ضد کر رہا ہے۔ وہ بھی آئے گا۔“

جید بکتا رہا۔ لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کردیا گیا۔



طولی القامت اندھا لوزاٹا اپنی عجیب و غریب تفریخ میں مشغول تھا۔ میز پر بہت سے کھڑے ہوئے تھے اور کمرے کے ایک گوشے میں ایک آدمی بڑا ساتھیلا اٹھا کے کھڑا تھا۔ ”چلو...!“ اندھے نے کہا۔

گوشے میں کھڑے ہوئے آدمی نے تھیلے سے ایک موٹا سا چوہا نکال کر فرش پر ڈال دیا۔ ہے کے ایک پیر میں نخا سا ٹھکر و بندھا ہوا تھا۔ لوزاٹا نے میز سے چاقو اٹھایا اور چوہے نے عاکرہ بھی نہیں طے کیا تھا کہ چاقو اس کا جسم چھیدتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ چوہا چاقو بت اچھے لگا۔

”کیوں...؟“ لوزاٹا اس آدمی کی طرف مڑ کر بولا۔

”لوزاٹا... سورج ہے۔ عظیم لوزاٹا...!“ آدمی کاغذ پر ہوا بولا۔

”سورا...!“ لوزاٹا نے کہا۔

اس نے دوسرا چوہا چھوڑا۔ لوزاٹا نے پھر چاقو چھینکا۔ اور اس کا بھی وہی حشر ہوا۔ وہ لمبڑوں کی آواز پر نشانہ لگاتا تھا۔ یکے بعد دیگرے چھ چوہے ختم کرنے کے بعد وہ اس نے بولا۔ ”بیلا کو بچ ج دو۔“

”آ خربات کیا ہے؟“

”ہماری کوٹھی کے سامنے وہ داور صاحب رہتے ہیں تا۔۔۔ آج ان کی لڑکی شمیڈہ میری تو پر کے مار رہی تھی۔۔۔ بس سالی تھے سے اکھڑنی۔۔۔ کہنے لگی میں سب سمجھتی ہوں۔۔۔ آخ کیا بھج ہے الوکی پٹھی۔“

پھر قاسم خاموش ہو کر اس طرح حید کو گھوڑنے لگا جیسے اس کا جواب اسی سے چاہتا ہو۔

”لڑکی کی عمر کیا ہے...؟“ حید نے پوچھا۔

”نہیں پہلے یہ بتاؤ کہ وہ کیا سمجھتی ہے۔“

”ابے میں کیا بتاؤں۔“

”نہیں انداز... پچھے...!“

”پہلے اس کی عمر بتاؤ پھر میں اندازہ لگاؤں گا۔“ حید نے کہا۔

”تیرہ یا چودہ سال...!“ قاسم نے غصیلی آواز میں کہا۔

”سب تو وہ ٹھیک ہی سمجھتی ہے۔“ حید مسکرا کر بولا۔ ”وہ تمہاری تو ند پر کے کیوں مار رہی تھی؟“

”یونہی... نہ اقامتا...!“

”تم اسے پسند کرتے ہو کہ وہ تمہاری تو ند پر کے بازی کیا کرے۔“

”کیا حرج ہے۔۔۔ زور سے تو مارتی نہیں...!“

”اگر تمہاری یوں بھی یونہی کسی کی تو ند پر شوق فرمانا شروع کر دے تو۔“

”زندہ دن کر دوں سالی کو...!“ قاسم گرج کر بولا۔

”آ خر کیوں؟“

”بحث مت کرو۔۔۔ مجھ سے۔“ قاسم حلق چھاڑ کر چیخا اور کپاڈ نٹ میں کتے بھوننے لگے۔

”تمہارے کنوارے پن کا کیا حال ہے۔“

قاسم جھا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ حید نے فون کی گھنی سنی۔ وہ ڈرائیگ روم سے اٹھا

فریدی کے کمرے میں آیا۔۔۔ رسیور اٹھایا۔۔۔ اور پھر اس کی پیشانی پر مل پڑ گئے۔

وہ تظیماً جھکا اور کمرے سے چلا گیا۔ اس نے مردہ چوہے بھی نہیں اٹھائے اور زار
جسموں سے چاقو ہی نکالے۔

چھوڑی در بعد ایک خوبصورت سی لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔

”بیلا...!“

”ہاں....لوزاٹا۔“

”کیا خبر ہے؟“

”گازالی کے متعلق صحیح خبر تھی۔“

”اس کتے کو میں نے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔“ لوزاٹا سرد لمحے میں بولا۔ ”اُن شی ہے۔ کیا یہ اسی روشنی کا فیض نہیں تھا کہ تو ناش کلب والے واقعے سے واقف ہو گئی تھی۔“

حکم نہ مانتا موت کو دعوت دینا ہے۔ موت ان کا پیچھا کرتی ہے دن رات ان کے ”لوزاٹا....مالک ہے۔“ بیلا تظیماً جھک کر بولی۔

منڈلاتی رہتی ہے....اور پھر وہ اس کا لقہ بن جاتے ہیں۔“

”اب تیری بات سن! تو ابھی جس جاسوس کا تذکرہ کر رہی تھی وہ حق مجھ خطرناک ہے۔“

”میں نے لاڈن کو وہاں بھیجا ہے۔ جہاں اس کی لاش ہے۔“ بیلا نے کہا۔

”اس کام تمام کر دے۔ آخر وہ کچوپے کس دن کام آئیں گے۔“

”ممکن ہے گازالی کے پاس کوئی ایسی چیز رہی ہو جس سے انہیں ہمارا سراغ مل۔“ ”ہاں.... اس کی کار میں.... یہ کام آمليگاں کرے گا۔ آمليگاں کو میں تیرے چارج

”خیال ٹھیک ہے۔“ لوزاٹا بڑا بڑا۔ ”لیکن لاڈن اس کیلئے موزوں نہیں تھا۔ خیر مل دیتا ہوں۔ سارے کام اسی سے نے۔ لاڈن جیسے کچوپے یہ سب نہیں کر سکتے۔“

”عظیم لوزاٹا....“ بیلا تھوڑی دیر خاموشی مسلط ہو گئی۔ ”میری مجال نہیں کہ تجھے کام کرنے میں پھر خاموش رہ کر بولی۔“

”کیا تو... لوزاٹا کی پراسرار قتوں سے واقف نہیں۔“

”میں واقف ہوں لوزاٹا.... تجھے پر ساری دنیا کا حال روشن ہے لیکن میں نے۔“

ایک آدمی کے متعلق بہت کچھ سنائے ہے۔“

”تیرا اشارہ اس جاسوس کی طرف جس نے گازالی کو پکڑا تھا۔“

”ہاں.... لوزاٹا.... اس دن ناش کلب میں تجھے پیچانے ہی کیلئے بکرا چھوڑا۔“

”لوزاٹا ہنسنے لگا۔“

کام کا پاس نے فریدی کو بتایا کہ آرچو میں اُسی نے اس کی کار کا ناٹر پھاڑا تھا۔

گزاری کے پیشے میں موجود تھا۔ حمید بلڈ ہاؤٹ اس کے پرد کر کے گازالی کی لاش دیکھنے چلا

گیا۔ ایسکا پاس نے فریدی کو بتایا کہ آرچو میں اُسی نے اس کی کار کا ناٹر پھاڑا تھا۔

”اوی یہاں کے سراغ رسان بڑے چالاک ہیں۔ مجھ سے دراصل اس رات کو غلطی
تھی۔ مجھے ان تینوں آدمیوں کو زندہ نہ چھوڑنا چاہئے تھا۔ بلاشبہ ان ہی تینوں کی بنا پر پولیس کو
کہے آگاہی ہوئی۔ عدنان کے ساتھی تو خاموش ہی رہتے۔۔۔ خیر فکر نہ کرو۔ میں اس وقت
یہاں ٹھہر دوں گا جب تک کہ جواہرات کی نمائش نہ شروع ہو جائے۔“

”تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر بیلا نے کہا۔“

”گازالی کی جگہ اب کون کام کرے گا۔“

”تیرے علاوہ اب کون کر سکتا ہے۔“ لوزاٹا مسکرا کر بولا۔ ”میں نے تجھے سب سے زیادہ روشنی
”اُس کتے کو میں نے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔“ لوزاٹا سرد لمحے میں بولا۔ ”اُن شی ہے۔ کیا یہ اسی روشنی کا فیض نہیں تھا کہ تو ناش کلب والے واقعے سے واقف ہو گئی تھی۔“

”حکم نہ مانتا موت کو دعوت دینا ہے۔ موت ان کا پیچھا کرتی ہے دن رات ان کے ”لوزاٹا....مالک ہے۔“ بیلا تظیماً جھک کر بولی۔

”میں نے لاڈن کو وہاں بھیجا ہے۔ جہاں اس کی لاش ہے۔“ بیلا نے کہا۔

”اس احمد زولو کو تو نہ تھا۔“ لوزاٹا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”لیکن بھیجا ہی کیا۔“ ”اوہ... کچوپے۔“

”ممکن ہے گازالی کے پاس کوئی ایسی چیز رہی ہو جس سے انہیں ہمارا سراغ مل۔“ ”ہاں.... اس کی کار میں.... یہ کام آمليگاں کرے گا۔ آمليگاں کو میں تیرے چارج

”خیال ٹھیک ہے۔“ لوزاٹا بڑا بڑا۔ ”لیکن لاڈن اس کیلئے موزوں نہیں تھا۔ خیر مل دیتا ہوں۔ سارے کام اسی سے نے۔ لاڈن جیسے کچوپے یہ سب نہیں کر سکتے۔“

”عظیم لوزاٹا....“ بیلا تھوڑی دیر خاموشی مسلط ہو گئی۔ ”میری مجال نہیں کہ تجھے کام کرنے میں پھر خاموش رہ کر بولی۔“

”دے سکوں لیکن کیا یہ مناسب نہیں کہ ہم یہ جگہ چھوڑ دیں۔“

”کیا تو... لوزاٹا کی پراسرار قتوں سے واقف نہیں۔“

”میں واقف ہوں لوزاٹا.... تجھے پر ساری دنیا کا حال روشن ہے لیکن میں نے۔“

کرجشت حمید بلڈ ہاؤٹ لے کر پرنسپل کے تھانے پر پہنچ گیا۔ قاسم بھی اُس کے ساتھ تھا۔

”لائسٹ بھر وہ فوزیہ کے مسلک پر حمید کو بور کرنا آیا تھا۔“ اُس نے آج تک کوئی ترک لڑکی نہیں

”تیرا اشارہ اس جاسوس کی طرف جس نے گازالی کو پکڑا تھا۔“

”ہاں.... لوزاٹا.... اس دن ناش کلب میں تجھے پیچانے ہی کیلئے بکرا چھوڑا۔“

”لوزاٹا ہنسنے لگا۔“

فریدی تھانے میں موجود تھا۔ حمید بلڈ ہاؤٹ اس کے پرد کر کے گازالی کی لاش دیکھنے چلا

گیا۔ ایسکا پاس نے فریدی کو بتایا کہ آرچو میں اُسی نے اس کی کار کا ناٹر پھاڑا تھا۔

گزاری کے پیشے میں موجود تھا۔

فریدی بلڈ ہاؤٹ کی زنجیر تھا مے انچارج سے گفتگو کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ باہر یک طرف آ جتہ آہستہ دوڑنے لگا۔
”کاش یہ لیلی کا کتنا ہوتا۔“ حمید ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔

فریدی کتنے کے تعاقب میں تھا۔ وہ گلی میں گھسا یہاں بھی اس نے دو تین جگہ زمین

ابھی پچھو دیر قبل ایک غیر ملکی یہاں آیا تھا۔ یہاں اس کی موجودگی کی وجہ پوچھی گئی سونگھی اور پھر دوڑنے لگا۔
کاشیبلوں کو چکر دے کر نکل گیا۔

کئی گلیوں سے گزر کر وہ ایک دوسرا سڑک پر آگئے۔

”کیا حماقت ہے۔“ حمید بڑا بڑا۔ ”اگر وہ آگے چل کر اپنے پیروں سے نہ گیا ہو تو...!“

”قمر نہ کرو...!“ میں کوئی امکانی بات نہیں چھوڑتا۔ مجھے یقین نہیں ہے کہ ہم اس تک پہنچ

”جیاں گے۔“

”پھر اس طرح جھک مارنے سے کیا فائدہ۔“

”اوہ... تم... شاید...!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”کسی جاسوسی ناول کے سراغ رسان کی

”طرح آرام کرنی کے جاسوس بننا چاہتے ہو۔“

”میں اب صرف شوہر بننا چاہتا ہوں.... باپ بننا چاہتا ہوں.... اور پچھنہیں۔“

”میں نے تھیں منع کب کیا ہے۔“

”تھا نہیں...!“ حمید نے کہا۔ ”آپ کو بھی بننا پڑے گا۔“

”کیا مفہاٹتہ ہے.... تم شوہر بنو اور میں باپ بن جاؤں گا۔ امداد باہمی کے لئے

”سانچھک طریقے پر...!“

”فرعاً بلڈ ہاؤٹ قریب ہی کے ایک ریسٹوران میں گھسنے لگا۔ فریدی نے چھپت کر اس کا

”پھاٹک لمحے پر رک کر چاروں طرف دیکھتا رہا اور پھر جو کہ

”فریدی دغیرہ کی طرف پلٹ آیا۔“

”اچھا بھتی قاسم...!“ فریدی بولا۔ ”اب شاید تم تھہرا ساتھ چھوڑ دیں گے۔“

”ریسٹوران میں چلا گیا۔ حمید کچھ دور چلنے کے بعد کتنے کے پیچے میں زنجیر ڈالنے کی لئے رکا۔“

”فریدی تیزی سے اس کی طرف آ رہا تھا۔“

”کتنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔“ حمید نے پوچھا۔

”ابھی پچھو دیر قبل ایک غیر ملکی یہاں آیا تھا۔ یہاں اس کی موجودگی کی وجہ پوچھی گئی سونگھی اور پھر دوڑنے لگا۔“

”آپ موجود تھے۔“

””نہیں...!“ فریدی نے کہا اور جیب سے ایک رومال نکال کر کتنے کے آگے ڈال پھر حمید سے بولا۔ ”یہ رومال اس کی جیب سے گر گیا تھا... کیا خیال ہے؟ ممکن ہے کہ تھا جاہاڑی جاںیں گے۔“

”کر سکے۔ درنہ ان تک پہنچنا مشکل ہی ہو گا۔“

”آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔“ قاسم سر ہلا کر بولا۔ ”ایک بار ہمکلاک شومز نے ہم عی کیا تھا۔“

”ہمکلاک شومز...!“ فریدی مسکرا یا۔

”ابے شر لاک ہومز...!“ حمید بولا۔

”وہی ہو گا سالا۔ تم میرے پیچے میں مت بولا کرو۔“ قاسم بر امان گیا۔

کتنے کی عمارت کی ایک کھڑکی کی طرف بڑھا۔ جس کا تعلق مردہ خانے سے تھا۔
کھڑکی کے پیچے پہنچ کر اس نے پھر زمین سونگھی اور بھونکنے لگا۔ پھر وہ زمین سونگھی چھاٹک کی طرف دوڑا۔ چند لمحے چھاٹک پر رک کر چاروں طرف دیکھتا رہا اور پھر جو کہ

”فریدی دغیرہ کی طرف پلٹ آیا۔“

”اچھا بھتی قاسم...!“ فریدی بولا۔ ”اب شاید تم تھہرا ساتھ چھوڑ دیں گے۔“

”ہو... ہو... اچھا... اچھا... مجھے بھی ذرا کام ہے۔“

”فریدی اور حمید کتنے کے پیچے چل پڑے۔ وہ چھاٹک سے گزر کر سڑک پر آئے۔“

”جمید اے واپس لے جاؤ۔ وہ ریستوران میں موجود ہے۔“

”لے آؤ..... لے جاؤ...!“ جمید جھپٹا کر بولا۔ ”کتابخانی کیلئے میں ہی رہ گیا ہوں۔“

فریدی کچھ کہے بغیر تیز تیر قدموں سے چلتا ہوا ریستوران میں داخل ہو گیا۔

کتابخانی اسی طرف جانے کے لئے زور کرنے لگا تھا۔

اچانک سڑک کے دوسرے کنارے پر جمید کو ایک لڑکی دکھائی دی صورت کچھ جانے کیلئے بڑے ہٹھے کے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ ایک میز کے اتنے ہی بھتیری اٹک گئیں۔

میں معلوم ہو رہی تھی.... ”کیا...؟“ اس کے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ یہ وہی تو نہیں.... جو اس کی بال کے درمیان میں کھڑی بُری طرح چیخ رہی تھی۔ کوئی کچھ سمجھ بھی نہ سکا۔ معمولی آدمیوں

انہیں کے ساتھ تھی.... لڑکی بھی سڑک پار کر کے اسی ریستوران میں چلی گئی۔

اس بھیز میں فریدی جیسا ذہن آدمی بھی موجود تھا لیکن اس کی حالت دوسروں سے مختلف نہ ہے۔ وہ اپنے شکار کے متعلق بھی بھول چکا تھا۔

کچھ لوگ نہ جانے کیا سمجھے کہ انہوں نے اس ویٹر کو پکڑ کر پہنچنا شروع کر دیا۔ فریدی

بڑھاں قانون کا محافظ تھا۔ وہ ویٹر کو چھڑانے کے لئے دوڑا۔

پھر ساری بھیڑ ویٹر کے گرد جمع ہو گئی۔

فریدی نے اخبار اٹھایا تھا۔ لیکن اس کی نظر سامنے والے گینہن پر تھی۔ جہاں ایک اچانک فریدی چونکا اور ویٹر تک پہنچنے کا خیال چھوڑ کر وہ پھر اپنی جگہ آیا لیکن غیر ملکی والا

بیٹھا کوٹھڈرک کی چکیاں لے رہا تھا۔ فریدی اس کے چہرے کی بناوٹ کے متعلق غور کرنا شروع کیا تھا۔ وہ اسے بھیڑ میں ملاش کرنے لگا لیکن وہ وہاں بھی نہ ملا۔ اور وہ لڑکی۔ وہ

لگا۔ یقیناً وہ افریقہ ہی کا باشندہ ہو سکتا ہے۔ غالباً زادو قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ کھلتا ہوا اسکے تھے۔ لیکن ویٹر کے گرد بھیڑ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ فریدی بیرونی دروازے کی طرف لپکا۔

رنگ بھی کہتا ہے اور پھر جڑوں کی بناوٹ.... کاسہ سر کی ابھری ہوئی پچھلی ہڈیاں.... وہاں

ہو سکتا ہے۔

لڑکی اور سانپ



ایک لڑکی فریدی کے قریب سے گزر کر اس کے شکار کے گینہن کے ملحدہ کیمی جا بیٹھی۔ لیکن فریدی اسے اس غیر ملکی کو کسی قسم کا اشارہ کرتے نہ دیکھ سکتا تھا۔

یا تھا، اور اب اسے الجھن ہونے لگی تھی۔ نہ وہ کہتے کو چھوڑ سکتا تھا اور نہ اسے لے کر ریستوران

غیر ملکی نے اطمینان سے کوٹھڈرک کا گلاس ختم کر کے اطمینان سے کری کی پٹ کے اندر جاسکتا تھا۔ اگر وہ آدمی جس کی فریدی کو ملاش تھی ریستوران ہی میں موجود تھا تو کہتے کو

لیکن لگالی اور پھر اس طرح آنکھیں بند کر لیں جیسے بقید وقت اسی گینہن میں بیٹھا بیٹھا کردا۔ وہاں لے جانا داش مندی نہیں ہو سکتی تھی۔ کیوں کہ وہ اس کی بوجھوں کرتے ہی جھپٹ پڑتا۔

گا۔ فریدی نے کافی کا آرڈر دے کر سگار سا گالیا۔

”وری طرف یہ خیال کہ فریدی اس لڑکی سے واقف نہیں تھا۔ ہو سکتا تھا وہ اسے چوٹ لڑکی والے گینہن میں ایک ویٹر جانے کی کشی لئے ہوئے داخل ہوا۔ کشتی میز کو کوئی دے جاتا۔ یعنی اس کے شکار کو اس بات سے آگاہ کر دیتی کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ اس

کا اندازہ تو حمید نے پہلے ہی لگایا تھا کہ فریدی اسے پکڑنا نہیں چاہتا تھا۔ ورنہ وہ رے واپس آ کر اس سے کتنے کو واپس لے جانے کیلئے نہ کہتا۔ شاید وہ صرف اسکا تعاقب کرنا ہے جیدر یستوران سے کافی فاصلے پر تھا۔ اسے فریدی کی پدایت کے مطابق اب ہے چلا جانا چاہئے تھا..... لیکن وہ لڑکی.... اس نے اسے ابھن میں ڈال دیا تھا۔ اس کا نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ اگر اسے کوئی ڈبوئی کا نشیل بھی نظر آ جاتا تو وہ کتنے کو اس کر کے خود بھی فریدی کے پاس پہنچ گیا ہوتا۔

اچانک بلڈ ہاؤٹ قریب سے گزرنے والے ایک آدمی پر جھپٹا۔ زنجیر پر حمید مضمبوط نہیں تھی۔ آدمی اچھل کر بھاگا اور اس کی ٹانگ کتنے کے جیڑوں کے درمیان باال بال پیچی۔ حمید نے جھپٹ کر کتنے کو دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا۔ وہ آدمی بھاگتا میں گھس گیا۔ حمید کی جان میں جان آئی۔ اس نے سوچا چلو اچھا ہی ہوا۔ اگر وہ آدمی بجائے اس پر الٹ پڑتا تو معاٹے کو برآ بکرنے میں بڑی دشواری پیش آتی۔

کتنا آپ سے باہر ہو رہا تھا۔ لوگ حمید کے گرد اکٹھا ہونے لگے اور وہ ایک تماثیہ بن کر رہا گیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کتنی چیزوں والے کتاب بار اسی گل جھپٹ رہا تھا جدھروہ آدمی گیا تھا۔ حمید اتنا بدھوں ہو گیا تھا کہ کچھ سمجھنی نہ سکا۔ دفتار فریدی اس کی گردگی ہوئی بھیڑ کو چرتا ہوا قریب پہنچ گیا۔

”چلو..... تم اب تک یہاں ہو“ وہ اسے کھینچتا ہوا آگے بڑھا۔ کتنے کے آئی بھیڑ پھٹ گئی۔

ان دونوں نے سڑک پار کی۔

”یہ دھکا زندگی بھر یاد رہے گا۔“ فریدی بڑا بڑا۔

”کیوں.....؟“ حمید احتقنوں کی طرح بولا۔

”وہ نکل گیا۔“

”ہائیں.....!“ حمید اچھل کر بولا۔ ”اُف فوہ..... تب تو پھر وہی رہا ہو گا۔“

”کون...؟“

”ابھی ابھی یہ ایک آدمی پر جھپٹا تھا۔“

”اور تم نے اسے نکل جانے دیا۔“

”میں کیا جانتا تھا۔“

”ارے او احمد..... اس سے پہلے کبھی وہ کسی پر جھپٹا تھا.....؟ بولو..... کیا ہم اسے زنجیر کے بغیر یہاں نکل نہیں لائے تھے۔“

”اوہ..... تب تو وہ اس گلی میں گیا تھا۔“ حمید نے گلی کی طرف اشارہ کیا۔

کتاب بھی اسی طرف جانے کے لئے زور کر رہا تھا۔ حمید نے زنجیر ڈھیلی جھوٹ دی اور کتنے کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ وہ اسی گلی میں گھس..... اور زمین سونگھ سونگھ کر آگے بڑھنے لگا۔ گلی کا بار بار ایک دوسری چوڑی سڑک پر ہوا تھا یہاں کتاباں میں طرف کچھ دور چل کر رک گیا۔ وہ بار انتقام ایک بار زمین سونگھتا اور پھر چاروں طرف دیکھنے لگتا۔ ایک بار اس نے آسان کی طرف منہ اٹھا کر رونے کی سی آواز نکالی اور کچھلی ناٹکوں پر دیں بیٹھ گیا۔

فریدی ایک طویل سانس لے کر حمید کی طرف مڑا۔

”بیکار ہے۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”یہاں سے وہ کسی سواری پر گیا ہے آؤ واپس چلیں۔ خدا کی تم یہ لوگ انجھائی چالاک ہیں۔“

”لیکن وہ نکل کیے گیا۔“ حمید نے پوچھا۔ اس پر فریدی نے پورا واقعہ دہرا دیا۔ حمید اپنی گلی سہلانے لگا۔ اس نے سوچا اگر فریدی کو وہ یہ بتائے دیتا ہے کہ وہ اس لڑکی کو پہچان گیا تھا تو شامت ہی آ جاتی۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی سے باتوں میں جتنا بھی آسان نہیں..... بہر حال اس نے اس لڑکی کے متعلق کچھ بھی نہیں کہا۔



ہوٹل کی تفریح سے دچپن نہیں تھی لیکن جب سے عدنان والا کیس ہوا تھا وہ کم از کم دن بھر ایک چکر ہوٹل ڈی فرانس کا ضرور لگایتا تھا۔ اُسے عدنان کے پرائیوریت سیکریٹری ڈیگال پر شہر تھا اور اُس نے اس موضوع پر حمید سے تھوڑی بحث بھی کی تھی۔ وہ کھلم کھلای تو نہیں کہا کہ عدنان کے قتل میں ڈیگال کا ہاتھ ہے لیکن یہر حال.... اس کی شخصیت بھی پر اسرا معلوم ہے تھی اور وہ ابھی تک اس کا فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ ڈیگال کے جرم کی کیا نوعیت ہو سکتی ہے۔

”میں تو اب ٹنگ آگیا ہوں۔“ حمید بڑا یاد۔

”تم ٹنگ کب نہیں آتے۔“ فریدی برا سامنہ بنا کر بولا۔ ”جہاں فراسا کام کرنا تمہاری جان نکلنے لگی۔“

”ہو سکتا ہے۔“ فریدی نے کہا اور آگے کی طرف جھک کر سگار سکانے لگا۔

بیرونی دروازے سے فوزیہ کا جبکہ ملازم اندر داخل ہوا اور انہیں گھورتا ہوا اپری منزل

کے زینوں پر چڑھنے لگا۔

”اوہ..... یہ باہر سے آ رہا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”ہاں..... میں نے ان پر سے پابندی ہٹالی۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

”آؤ۔!“

”آؤ اور جاؤ۔!“ حمید نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔ اس کے علاوہ اور رہ کیا گیا ہے۔

لوگوں میں اگلے لوگوں میں ہیں۔“

”کیا بک رہے ہو..... اب اگر تم نے اس واقعے کا نام لیا تو گلا گھونٹ دوں گا۔“

”چلے ہیں ہیں..... یہیں نام لوں یا گھر چل کر۔“

وہ دونوں کپاٹ میں نکل آئے۔ رات بڑی خوشگوار تھی۔ فریدی چند لمحے کھڑا ادھر ادھر

دیکھا رہا پھر کیڑا لک کی طرف بڑھا۔

وہ اگلی کھڑکی کے پینڈل پر ہاتھ رکھ کر اسے گھمانے لی جا رہا تھا کہ حمید نے اُسے اچھل کر

تیچھے ہٹتے دیکھا۔

”تارچ ہے۔“ اس نے مڑک حمید سے پوچھا۔

”کیا بات ہے۔“ حمید آگے بڑھ کر بولا۔

”کسی بیخورے سے پریمنہ کرلوں۔“ حمید بدل کر بولا۔

”تم سمجھتے ہیں۔“

”میں سب کچھ سمجھ گیا ہوں ویسے اگر آپ کہیں تو میں برخوردار بغرا خان کے لئے بے سکتا ہوں۔“

”تم اس بکرے کو ہٹاؤ گھرنے ورنہ میں گولی مار دوں گا۔“

”ہر نقصوں کے ماریے گا۔ اس طرح شکار کا بھی شوق پورا ہو جائے گا۔ مگر کمال ہے کیا چونا لگا لوٹیا نے ہاہا۔!“

”کومت۔!“ فریدی بچھنجلہ گیا۔

”بڑی ذین لڑکی ہے۔ اگر آپ اپنی نسل میں ذہانت کے جراشیم برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔“

”سنتے جناب میرے باپ دادا سپیئر نہیں تھے.... اور....!“
”چپ چپ... شور نہیں.... تم سگار لائسٹر پکڑو۔“

حمدیہ حیرت سے فریدی کو دیکھ رہا تھا۔ کیا یہ وہی فریدی تھا۔ جنیدہ اور باوقار فریدی.... زنہ نہیں.... اس وقت تو وہ شوخ اور کھلڈر پچھے معلوم ہو رہا تھا۔ ایک ایسا بچہ جو گھاس پر بیٹھی ہوئی کی نہیں کو پکڑنے جا رہا ہو۔

حمدیہ نے سگار لائسٹر پکڑ لیا۔ سانپ اب سیٹ سے نیچے اتر گیا تھا۔ فریدی نے ہینڈل گھما رکھ کر میں ذرا سی دراز کی.... سانپ باہر کا راستہ دیکھ کر اس کی طرف لپکا لیکن صرف اس کا عین باہر نکل سکا۔ کیونکہ فریدی نے کھڑکی کا پاٹ تھوڑا سا بادیا تھا۔ اب اس نے چنکی سے کاچھ کا حصہ پکڑ لیا۔ سانپ کامنہ پھیل گیا۔

”اے کیا کر رہے ہیں آپ....!“ حمید دانت پیس کر بولا۔

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر سانپ کو آہستہ آہستہ باہر کی طرف کھینچ رہا تھا۔
”ہاتھ میں لپٹ جائے گا۔“ حمید بے چینی سے بولا۔

”بس دیکھتے رہو۔ اس میں اتنی سکت ہی نہ رہ جائے گی۔ یہ بھی ایک آرٹ ہے فرزند۔
رگ دبائی ہے کہ کچھوے کی طرح جھوٹا رہ جائے گا۔“

فریدی نے ایک جھٹکے کے ساتھ سانپ کا بقیہ حصہ باہر کھینچ لیا اور اسے حمید کے چہرے پر رکھا۔ اخalta ہوا بولا۔ ”دیکھو..... ہے تاکچو۔۔۔ یہ نہ سمجھنا کہ مر گیا ہے ابھی زمین پر چھوڑ دوں مجھ تھتِ اڑی میں بھی نہ چھوڑے۔۔۔ شابش۔۔۔ اب تم اسی طرح دوسروے کو پکڑلو۔“

”کیا....؟ آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔“

”افسوں کے میں سانپ دیکھ لینے کے بعد ہوش میں نہیں رہتا۔“ فریدی نے ہلاکا ساق قہقرہ رکھا۔ ”اچھا اٹھنی کھولو۔“

حمدیہ نے اپنی کھوٹی اور فریدی نے سانپ کو اس میں ڈال دیا۔ اپنی بند کر کے وہ بچھلی شکل طرف آئے۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے جیب سے سگار لائسٹر کاں کر جلا کر اور کار کے دیکھنے لگا۔

”بہت اچھے۔“ حمید نے سگار لائسٹر کی مدھم روشنی میں فریدی کے چہرے پر عجیب میں روشنی دیکھی اور پھر جب اس کی نظر اگلی سیٹ پر پڑی تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ ایک سانپ اگلی سیٹ پر ریگ رہا تھا۔ پھر اچانک بچھلی سیٹ پر بھی اسے کوئی سیاہی چیز حرکت کر ہوئے نظر آئی۔

”غل مچانے کی ضرورت نہیں۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”اب ہمارے پاس کل سانپ ہوئے۔“

حمدیہ کی کھوپڑی بھٹک سے اڑ گئی۔ وہ سوچنے لگا کہیں اس آدمی کا دماغ تو نہیں ہے ہو گیا۔ اگر ابھی بیٹھ گئے ہوتے تو کیا حشر ہوتا۔ فریدی سگار لائسٹر جلانے ہوئے بڑی دیکھ سانپوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

”مائی ڈسیر۔۔۔ بلیک مو بنا۔۔۔!“

”آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔“ حمید جلا کر بولا۔

”اس قسم کا سانپ صرف افریقہ میں پایا جاتا ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”بلیک مو بنا ہے۔ سانپوں کی نسل میں اس سے شریر سانپ اور کوئی نہیں ہوتا۔ یہ جان بوجھ کر صرف آہ حملہ کرتا ہے۔“

”تو آپ اس کی نسل پر پچھر دیں گے۔“ حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

”فرزند ایک شاندار اضافہ۔۔۔ میرے پاس اس نسل کا کوئی سانپ نہیں تھا۔“

”لیکن یہ ایک ہندوستانی کار میں کہاں سے آپکا۔“ حمید نے پیشانی پر ہاتھ مار کر ”اوہو۔۔۔ اس پر پھر غور کریں گے۔ فی الحال انہیں پکڑنے کا منکلہ ہے۔“

”کیا....؟“ حمید حلق چھاڑ کر بیجا۔

”ایک کوم پکڑو اور دوسروے کو میں۔“

پھر اس نے سوچا کہ کھڑکی کھول کر اُسے اندر بھی سے نکال دے لیکن اسے اس کی

وصیات یاد آگئیں۔ فریدی نے کہا تھا کہ وہ جان بوجھ کر آدمیوں پر حملہ کرتا ہے۔

دھننا نہ جانے کا در سے ایونٹ ان پیرس کی خوبی کی ایک لپٹ آئی اور حمید نئنے سکوڑ کر

ریسے میں گھومنے لگا۔

”آر قریب زرنگ....!“ کسی عورت کی سرگوشی سنائی دی۔ وہ چونک کرم۔ اس سے شاید

بنف کے فاصلے پر کوئی عورت کھڑی تھی۔

حمدی سب کچھ بھول گیا۔ آواز میں بڑی دل کش کھنک تھی بڑی سکس ایمان تھی۔

”ڈیرست.... میں تیار ہوں۔“ عورت نے آہستہ سے کہا۔

”اچھا....!“ حمید گھٹی گھٹی سی آواز میں تھوک ٹنگ کر بولا۔

عورت اور قریب آگئی۔ اتنی قریب کہ اس کے اور حمید کے چہرے میں شاید ایک بالشت

کا فالدرہ گیا۔ اور پھر حمید نے ایک بہت بھی تیز قسم کی بومحسوس کی جو ایونٹ ان پیرس کی

خوبی پر بھی غالب آگئی تھی۔ اس کے نھنوں میں جلن ہونے لگی۔ وہ لڑکھڑا کر ایک قدم پیچھے

ہٹا۔ اور پھر اسے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے وہ عورت اسے اپنے بازوؤں میں لے کر آسان کی

طرف پرواز کر رہی ہو۔ چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔

اور جب تاریکی دور ہوئی تو حمید نے خود کو ایک کمرے میں پایا۔ شاید وہ دو گھنٹے تک

بیٹھ رہا تھا۔ اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ کمرے کی روشنی اس کے سر کے اندر سنسنی پیدا

کر رہی تھی۔

کچھ دیر بعد اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔ اس کے

ذہن میں پھر ایونٹ ان پیرس کی خوبی جاگ آئی اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔

اس کے سامنے وہی لڑکی کھڑی تھی جسے اس نے لوڑاٹا کے ساتھ دیکھا تھا۔ حمید اچھل کر

بیٹھ گیا۔ لڑکی بڑے دل آویز انداز میں مسکرا رہی تھی۔

”تم شاید مجھے پہچانتے ہو۔“ لڑکی تھوڑی دیر بعد انگریزی میں بولی۔

”اچھا بہ میں اسے کپڑتا ہوں....“ فریدی نے انگریزی میں کہا اور زمین پر پڑا۔ آہستہ سے بولا۔ ”تم سکار لائزر کو اسی طرح اٹھائے رہو۔ اب میں تمہیں ایک دوسرا کمزور دھماوں گا۔ میری واپسی تک اسی طرح لائزر اٹھائے ہوئے کچھ اوت پنگ بربڑاتے رہے۔ اچھا.... شب بیٹھ فرزند۔“

وہ حمید کو تحریر چھوڑ کر ایک طرف تاریکی میں ریگ کیا۔

کپاڈ غذا کا یہ حصہ ہوٹل کی عمارت سے کافی دور تھا اور یہاں قرب و جوار میں تاریکی تھا۔

وشنوں میں

حمدی کی سمجھ میں خاک بھی نہ آیا۔ اول تو کسی سانپ کا اس طرح کپڑتا ہی پاگل پنا کچھ کم نہیں تھا۔ دوسرا یونہی بلا وجہ کچھ بے شکنی باقی تک کر کے سینے کے مل رینگتے ہوئے انہوں میں غائب ہو جانا بھی صحیح الدلماگی کی علامت نہیں تھی۔

لیکن یہ حرکتیں فریدی سے سرزد ہوئی تھیں۔ اس نے حمید اسے محض مذاق سمجھنے میں تیار نہیں تھا۔

حمدی انتظار کرتا رہا۔ اور اس اثناء میں سکار لائزر کی اسپرٹ بھی ختم ہو گئی۔ اندھیرا ہو کے بعد حمید دیا سلائیں جلاتا رہا۔ ایک سانپ ابھی تک آزاد تھا۔ اور وہ اس نسل کے کی خصوصیات تھوڑی در قبل ہی سن چکا تھا۔ پتہ نہیں فریدی کب تک واپس آئے اور وہ سانپ سے ہٹنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ مگر وہ سانپ جواب بھی پچھلی نشست کے نیچر تھا۔ حمید نے سوچا کہ کیوں نہ اسی طرح مار ہی ڈالے جس طرح فریدی نے انگلی سانپ کپڑا تھا۔ مگر یہ کام اس اکیلے کے بس کاروگ نہیں تھا اور وہ ہوٹل سے بھی کسی اسکت تھا کیونکہ اگر فریدی اسے پسند کرتا تو پہلے ہی اس نے کسی اور کو بھی مدد کے لئے بلا

”پھر....!“ حمید یک بیک سمجھیدہ ہو گیا۔

”نور جہاں کے متعلق تم کیا جانتے ہو۔“

”تم کون ہو....!“ اس نے تھوڑی دری بعد پوچھا۔

”تم مکار ہو....!“ لڑکی اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولی۔

”افسوں تم بھی یہی کہہ رہی ہو۔ آج تک کسی نے میری روح میں جھاکنے کی کوشش نہیں کی۔

”یکواں بند کرو۔“ لڑکی جھنجلا کر بولی۔ ”تم یہاں فلرت کرنے کیلئے نہیں لائے گے۔

”میں ساری دنیا کے متعلق صرف ایک بات جانتا ہوں۔“

لوکی پکھنہ بولی۔ لیکن اس کی نظریں سوالیہ انداز میں حمید کی طرف اٹھی ہوئی تھیں اور حمید جیسے تھیہ کر لیا تھا کہ آگے پکھنہ کہے گا۔ لڑکی چند لمحے اُسے گھورتی رہی پھر تکمانہ لبھے میں

۔۔۔” یہ جاؤ۔“

”مگر میں بھلنا چاہتا ہوں۔“ حمید لاپرواں سے بولا۔ ”پستول رکھ لو اس کی ضرورت نہیں۔

مجھے پسند آئی ہو۔ اس نے میرے بھانگنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“

وہ چند لمحے خاموش رہ کر پھر بولا۔ ”میں اور میرا چیف مداری ہیں۔ تھاہرے بلیک مومنا کا

خڑھو؟ شاید تم نے دیکھا ہو۔“

”لیکن وہ کہاں غائب ہو گیا...؟“

”ڈر کر بھاگ گیا ہو گا۔۔۔ وہ خوبصورت لڑکوں سے بہت ڈرتا ہے۔“

”ڈیگال نے تمہیں عدنان کی موت کے متعلق کیا بتایا ہے۔“

”ہم ایں تو کیا عدنان مر گیا۔۔۔ مجھے تو ڈیگال نے بتایا تھا کہ وہ احرام مصر کی زیارت کرنے ہے۔“

لوکی اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے حمید کو گھور رہی تھی۔

”تم نہیں بتاؤ گے۔“ وہ ہنوزی دیر بعد بولی۔

”سنو۔۔۔ ہنی۔۔۔ کبھی تم نے کسی سے محبت بھی کی ہے۔“

”وہ مکاتاں کر حمید کی طرف جھیٹ۔“

”یلا.....!“ عقی دروازے کی طرف سے آواز آئی۔ حمید چونک پڑا۔ لڑکی بھی جہاں تھی

مارک گئی۔ دروازے میں وہی طویل القامت انداھا کھڑا تھا جسے حمید نے ناٹ کلب میں

عاتھا۔

”کیا بات ہے؟“ وہ ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔

”یلا.....!“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”کتنا پیارا نام ہے۔“

حمدیک پکھنہ بولا۔ اس نے اپنی آنکھیں پکھنی سی بنا لیں۔ لڑکی اُسے لبھی سے دیکھ رہی تھی۔ ”شاید....!“ حمید نے آہستہ سے کہا۔ ”میں نے تمہیں مصر میں دیکھا تھا۔۔۔ اب ایک ہزار سال پہلے۔“

”اور تم تب بکروں کے بجائے گدھے پالتے تھے۔“

”میں اس مذاق کو نہیں سمجھا۔۔۔“ حمید نے سمجھی گئی سے ہے۔ اس کی آواز خوابناک اور بہرا ہوئی تھی۔ پھر دفتار وہ چونک کر ادھر ادھر دیکھتا ہوا بولا۔ ”میں کہاں ہوں۔“

اور وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے ڈری ڈری سی جیچ ماری اور لڑکی سے لپٹ گیا۔

”ارے.... ارے....!“ وہ اُسے دھکیل کر پیچے ہٹ گئی۔

”بچاؤ....!“ حمید پھر جھپٹا۔۔۔ لڑکی یوکلا گئی تھی۔ اس نے اسے روکنے کے لئے ردوں ہاتھ آگے کی طرف پھیلا دیے۔

”سانپ.... سانپ....!“ حمید کرے میں چاروں طرف ناچنے لگا۔ وہ ڈری ڈری آواز میں ”سانپ سانپ“ کہتا ہوا پھر لڑکی کی طرف بڑھا۔

”خاموش رہو۔“ دفتار لڑکی نے اپنے بلاوڑ کے گریبان سے ایک چھوٹا سا آٹوپہ

پستول نکالتے ہوئے کہا۔ حمید جہاں تھا وہیں رک گیا۔ پھر اس نے اپنی آنکھیں مل مل

چاروں طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی ڈراؤٹا خواب دیکھ کر سو

سوتے جا گا ہو۔

بکلا کر لوزاٹا کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکایا۔

”نور جہاں کے متعلق کیا جانتے ہو؟“

”اگر تم ایک بار مجھے اس کی شکل دکھا دو تو اس کے باپ دادا کا نام بتا دوں گا۔“

”بیلا مجھے یقین ہے کہ یہ کچھ نہیں جانتا“ لوزاٹا نے کہا۔ ”تو نے اسے یہاں لا کر غلطی یہاں لا شوں کوٹھکانے لگانے میں بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں۔“

جید سنائے میں آ گیا۔ اور سنائے میں آنے کے بعد وہ ہمیشہ ہنگامہ پسند کرتا تھا سر وہ کر بیٹھنے کے امکانات پر غور کر رہا تھا کہ ایک آدمی بوكھلایا ہوا کمرے میں گھسا۔ اس کے پر پی بندھی ہوئی تھی، چہرے پر کئی خراشیں تھیں جن سے خون نکل کر جنم گیا تھا۔

بیلا جیرت سے اُسے دیکھنے لگی۔

”کون ہے؟“ لوزاٹا یک بیک چوک کر بولا۔

”املیگاس!...“ بیلا آہستہ سے بڑوائی۔

”املیگاس!...“ لوزاٹا کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں اور پھر اس نے اس طرح سمجھنے والے جیسے کچھ سو گھنٹے کی کوشش کر رہا ہو۔

اس نے کسی غیر ملکی زبان میں بیلا سے کچھ کہا اور وہ کمرے سے چلی گئی۔

”املیگاس!...“ اس نے نواروں سے انگریزی میں کہا۔ ”کیا خبر ہے؟“

”بہت سخت لڑائی ہوئی۔“ املیگاس کراہ کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”وہ اس سے اتف تھا کہ میں اس کا تعاقب کر رہا ہوں۔“

”پھر کیا ہوا... املیگاس!...“

”پھر اس خیال سے مجھے جان بچا کر بھاگنا پڑا کہ کہیں گرفتار نہ ہو جاؤں۔“

”تم نے اچھا کیا املیگاس!...“

”بیلا پھر واپس آ گئی۔“

”بیلا!...“ لوزاٹا نے اُسے خاطب کیا۔ ”کیا املیگاس بہت زیادہ رخی ہے؟“

”آں....!“ اندھا چونکہ پڑا۔ ”یہاں اور کون ہے؟“

”جاؤں....!“ بیلا نے کہا۔ ”ان میں سے ایک ہمارے ہاتھ آ گیا ہے۔“

”خوب.... لیکن کیوں....؟“

”یہ معلوم کرنے کے لئے کہ یہ نور جہاں کے متعلق کیا جانتے ہیں۔“

”کیا تمہیں ڈیگاں کی بات پر یقین آ گیا تھا؟“ اندھے نے مسکرا کر پوچھا۔

”مجھے یقین ہے کہ یہ ضرور پکھ جانتے ہیں۔“

”دوسرا کہاں ہے۔“

”وہ نکل گیا۔“

”ہوں....!“ اندھا جھنجھلا گیا۔ ”لیکن میرے کہنے پر عمل کیوں نہیں کیا گیا۔“

”عظیم لوزاٹا“ بیلا رزقی ہوئی بولی۔ ”تیرے حکم سے سرتاہی ناممکن ہے۔ ہم نے

کہنے پر عمل کیا تھا لیکن انہوں نے ان کو بچوں کا کھیل بناؤالا۔“

”اوہ....!“

کچھ دریٹک خاموشی رہی پھر اندھے نے کہا۔ ”کیا یہ فریدی ہے؟“

”نہیں.... وہ نکل گیا۔“ بیلا نے کہا۔

”اوہ....!“ اندھے کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔ ”کیا سب لوگ یہاں موجود ہیں

”املیگاس کے علاوہ اور سب ہیں۔“ بیلا نے کہا۔

”وہ کہاں ہے؟“

”دوسرے کو تلاش کر رہا ہو گا۔“

”ہوں....!“ لوزاٹا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”تم نے اس سے کیا معلوم کیا۔“

”کچھ نہیں....! یہ تو باتوں میں ٹال رہا ہے۔“

”تمہیں بولنے پر بجورہ ہوتا پڑے گا۔“ لوزاٹا نے جید سے کہا۔

”میں بڑی دری سے بول رہا ہوں۔“ جید نے کہا اور بیلا کو آنکھ مار کر مسکرا نے

بیلا ہاتھ چھڑانے لگی اور پھر اچانک حمید نے اس کی گردن دبوچ لی اور جیخ کر بولا۔

”لوزاٹا... میں اس لڑکی کا گلا گھوٹنے جا رہا ہوں۔“

”چھوڑ دو... چھوڑ دو...!“ تینوں سلسلے آدمی بیک وقت چھیخ۔

فریدی کی طرف بڑھے ہوئے لوزاٹا کے ہاتھ نیچے جھوول گئے۔ بیلا بُری طرح مچل رسی جھی اور اس کے منہ سے گالیوں کا فوارہ جاری تھا۔

”میں بھی مر جاؤں گا۔ تم بھی مر جاؤ گی۔“ حمید ناک کے مل گلگتایا۔ ”پھر میں عالم روان میں تم سے کہوں گا آمری جان مرے پاس درستچے کی قربیب۔“

دعا فریدی نے اچھل کر لوزاٹا کے پیٹ میں لات ماری اور وہ جیخ کر ڈھیر ہو گیا۔ بیک

قت تین فائر ہوئے لیکن شاید فریدی اس سے قبل ہی لوزاٹا کے برابر لیٹ گیا تھا۔

حمد سمجھا شاید فریدی رخصت ہو گیا۔ اس نے اس نے چلتی ہوئی لڑکی کا الوداعی بوسہ لے کر اسے ایک ریوال روانے کی طرف اچھال دیا۔ وہ دونوں فرش پر آ رہے۔ بیلا بڑے زور سے جنی پھر دو فائر ہوئے۔

فرش پر فریدی اور لوزاٹا گھٹے ہوئے تھے۔ حمید گرنے والے کے ریوال پر قبضہ کر چکا تھا۔ یعنی جب اس نے ایک آدمی کا شانہ لے کر ٹریکر دبایا تو ریوال پھٹ کر کے رہ گیا۔ وہ خالی نال کراہوا آدمی حمید پر ٹوٹ پڑا۔

بیلا بیہوش پڑی تھی۔ اور اب حمید مطمئن تھا۔ اس نے فریدی کو لوزاٹا سے لپٹھے ہوئے کھلیا تھا۔ بقیدہ دو آدمی بنے ہی سے انہیں گھور رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا لرمی۔ اگر وہ فریدی اور حمید پر گولی چلاتے تو لوزاٹا اور ان کے ایک ساتھی کے زخمی ہو جانے کا کیا اختلال تھا۔

اچانک ان میں سے ایک نے پیٹل کا ایک وزنی گلداں اٹھا کر فریدی کے سر پر ضریبی ہانی شروع کر دیں۔ حمید اس آدمی کو چھوڑ کر فریدی کی مدد کو پکا۔ پھر ایک فائر ہوا۔ اگر حمید برائی سے بیٹھنے لگا ہوتا تو گولی اس کے سر سے گزرنگی ہوتی۔

”شاید....!“ بیلا امیلیگاس کو گھوڑتی ہوئی بولی۔

”لیکن امیلیگاس ایک بات نہیں جانتا۔“ لوزاٹا نے زہر خند کے ساتھ کہا۔ ”وہ بُری کہ لوزاٹا سر سے پیر تک آنکھ ہی آنکھ ہے، اور اس کی ناک کتے کی ناک سے بہت زیاد۔ آمیلیگاس کی شکل آنکھ والوں کو دھوکا دے سکتی ہے انہیں کے شہنشاہ کو نہیں۔“ اس نے چھیخ کر کہا۔ ”اس جاؤں کر پکڑلو۔“

امیلیگاس اچھل کر دروازے کے قریب چلا گیا۔ لیکن پھر اسے ایک قدم آگے پڑا۔ کیونکہ ایک ریوال کی نال اس کی پیٹھ میں چھپھتی تھی۔

”اے میرے قریب لاو۔“

ریوال کی نال اور شدت سے امیلیگاس کی پیٹھ میں چھپھتے لگی۔ وہ ایک قدم اور آگے اور پھر رک گیا۔ حمید اور وہ ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ آخر امیلیگاس نے مسکرا کر اس کا کھلا۔ ”بُرے چھپے فرزند...!“

”ہاںیں....!“ حمید اچھل پڑا۔ آواز فریدی کی تھی۔

لوزاٹا نے قہقہہ لگایا۔ حمید گھبرا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کمرے میں تین دروازے اور ہر دروازے میں ایک آدمی ریوال لے کھڑا تھا۔

”لاڈن....!“ لوزاٹا چینا۔ ”اے میرے قریب لاو۔“

”ٹھہر و....!“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”کیا تم مجھے عذرنا سمجھتے ہو۔“

”اس سے بھی کتر...!“ لوزاٹا نے مسکرا کر کہا۔

”اچھا تو چلو کوشش کرو۔“ فریدی لاپرواں سے بولا۔ ”شاید ایسی گردن تمہیں پہلے میں بھی نصیب نہ ہوئی ہو۔“

فریدی خود ہی اس کی طرف بڑھتے لگا۔ حمید نے سوچا کہ اب کچھ نہ کچھ ہو کر ہی رہے اس نے جھپٹ کر بیلا کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور انہیں اپنی گردن کی طرف کھینچتا ہوا بولا۔

”چلو تم میرا گلا گھوٹ دو....!“ میں تو اس بد صورت انہیں کے ہاتھوں مرن پسند نہیں کروں گا۔

فریدی تو گلداں کی ضربوں سے بیہوش ہوئی چکا تھا... اس کے بعد حمید کی خاص ہو گئی۔

"اتنا ہی کافی ہے۔" لوزاٹا نے ہانپتے ہوئے کہا۔ جان سے مت مارو۔ ابھی یہ ہے کہیں عمارت کے گرد پولیس کا گھیراؤ نہ ہو۔ انہیں بند کر دو۔ ان کے ساتھ تین لا ہوں گی۔

"بے بنی... یہ جھوٹ ہے۔"

"فریدی کبھی لا یعنی گفگو نہیں کرتا۔" فریدی نے کہا۔

"آپ یہاں پہنچ کس طرح تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"لبی کہانی ہے۔" فریدی مکرا کر بولا۔ "سب سے پہلے ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ ہم کچھ اچھوں کی موت کا انتظار کرنے کے لئے پیدا نہیں ہوئے تھے۔"

کوئی کچھ نہ بولا۔ فریدی چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ کرہ زیادہ کشادہ نہیں تھا۔ کمرے کے بجائے اُسے کوھڑی ہی کہنا مناسب ہوگا۔ اس میں صرف ایک دروازہ تھا اور کھڑکیاں نہیں۔ میں چھت سے ایک چالیس پاور کا بلب لٹکا ہوا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ لوزاٹا کو اہلیگاں کی بھی فکر ہوگی۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ "شاید مجھ سے پوچھئے۔ لیں یہی ایک موقعہ میرے ہاتھ آ سکتا ہے۔ ورنہ۔"

"اہلیگاں کہاں ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"میرے قید میں۔"

فروزیہ ڈیگاں کو بڑا بھلا کہہ رہی تھی اور ڈیگاں خاموش تھا۔

"آخر و امتحا آپ کو بچاں کیے گیا۔ مجھے ختم حیرت ہے۔" حمید نے کہا۔

"میں اس کی غیر معمولی قتوں کا معرفت ہوں۔ وہ کسی شکاری کتے ہی کی طرح اپنے دیگوں کی بوچاہت ہے۔ آنکھوں سے محروم ہو جانے پر بعض لوگوں میں بے پناہ تو عملی عود رائی ہیں۔"

"کسی کو آپ کے یہاں آنے کا علم ہے کہ نہیں۔" حمید نے پوچھا۔



فریدی کو ہوش آیا تو اس نے محسوں کیا کہ اس کے ہاتھ اور بیڈ بندھے ہوئے؟ تاریک نہیں تھا۔ اسے اپنے قریب ہی ڈیگاں، لیوکاں اور فروزیہ بھی نظر آئے۔ ان کے بھی اسی طرح بندھے ہوئے تھے۔ حمید ذرا فاصلے پر تھا اور اُسے بھی ہوش آچکا تھا۔

"ڈیگاں...! یہ سب محض تمہاری وجہ سے ہوا۔" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔ "املیگاں... تم اس حال میں کیوں نظر آ رہے ہو۔" ڈیگاں نے حیرت سے پوچھا۔ "میں فریدی ہوں۔"

ڈیگاں اور اس کے ساتھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کو گھومنے لگے۔ "میں کہہ رہا تھا۔" فریدی بولا۔ "کہ یہ سب کچھ محض تمہاری وجہ سے ہوا۔ اپنے ہی لوزاٹا کی قیام گاہ کا پتہ بتا دیتے تو یہ بھی نہ ہوتا۔" "میں نہیں جانتا تھا۔"

"تم بکتے ہو۔۔۔ تم نور جہاں کے لئے لوزاٹا سے سودا کر رہے تھے تم نے لوزاٹا کو تھی کہ اگر اس نے تمہیں ایک بھاری رقم نہ دی تو تم پولیس کو نور جہاں کے متعلق بتا دو۔ اپنی حفاظت کے لئے تم نے یہ شوشنہ بھی چھوڑا تھا کہ دوسرا غر رسان بھی نور جہاں کے ہی سے کچھ جانتے ہیں کیوں۔۔۔ کیا خیال ہے۔"

"یہ جھوٹ ہے۔" ڈیگاں بڑی بڑیا۔

”کسی کو بھی نہیں... اس آدمی اہلی گاہ سے مجھے یہاں کا پتہ معلوم ہوا تھا۔“
یقین نہیں تھا اس لئے میں نے پہلے تھاہی اطمینان کر لیا مناسب سمجھا۔“

”اب زندگی بھرا اطمینان کرتے رہئے۔“ حمید برا سامنہ بننا کر بولا۔ ”آئی۔ میں
بالکل ٹھیک کہتے ہیں کہ آپ کریک ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر بار ہم بال بال نجی جائیں۔“
”یہ بھی بچیں تو کیا فرق پڑے گا۔“

”آپ کے کتنے یتیم ہو جائیں گے۔“
اچانک دروازہ کھلا اور دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ وہ چند لمحے اپنے قیدیوں کا
رہے پھر وہ فریدی کے قریب آئے اور اُسے اٹھانا چاہا۔

”دو آدمی اور لاو۔“ فریدی بہس کر بولا۔

دونوں نے اپنا انتہائی زور صرف کر دیا لیکن فریدی نے اپنی جگہ سے جنم بھی نہ کر
جھلا کر ایک نے اس کے منہ پر تھپٹ مار دیا۔ فریدی نے جھلامٹ میں کہیاں لیک کر
کوشش کی اور پھر اسے ایسا محبوس ہوا جیسے پشت پر بندھے ہوئے ہاتھوں کی روی کا
ڈھیلا ہو گیا ہو۔ وہ اٹھنے کی کوشش ترک کرے چت لیٹ گیا۔ پاس کھڑے ہوئے آں
اے ٹھوکر ماری جسے اس نے اپنے ہوتوں کے تلوں پر روک لیا۔ وہ ٹھوکریں مارتا رہا۔
کاشغل بھی جاری رہا۔ اس کی ایک ٹھوکر بھی اس کے جسم پر نہیں پڑی اس دوران میں
دونوں ہاتھ آزاد ہو گئے تھے۔ پھر جیسے ہی وہ ٹھوکر مارنے کے لئے آگے بڑھا فریدی کی
کی ٹانگ کپڑی۔ جھکا لگتے ہی وہ اپنے پیچھے کھڑے ہوئے ساتھی پر گرا۔ اور وہ دن
وقت زمین پر آرہے۔

دوسرا لمحہ میں فریدی ان کے اوپر تھا۔ اس کے پیرا بھی بندھے ہوئے تھے
وہ تو زندگی اور موت کا سوال تھا۔ اگر اس کے ہاتھ بھی بندھے ہوتے تو بھی آخری؟
خاتمہ کشت و خون ہی پر ہوتا۔ فریدی کے گھسنے ایک کی گردان پر تھے اور دوسرے کی گردان
کے ہاتھ تھے اور وہ اپنی پوری قوت صرف کر رہا تھا۔

زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ دوسرے قیدیوں نے فریدی کو الگ ہٹتے دیکھا۔ وہ بڑی تیزی
کے اپنے پیروں کی روی کھول رہیا تھا۔ دونوں آدمی بے حس و حرکت فرش پر چت پڑے تھے۔
کسی کے منہ سے آواز تک نہ لگی خود حمید بھی فریدی کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اسے اپنی
ہاتھوں پر یقین نہ ہو۔

فریدی نے حمید کی رسیاں بھی کھول دیں۔ اب وہ دونوں کی جانب متوجہ ہوا۔ ان کے
پاس سے ریو الور برآمد ہوئے۔ ایک اس نے حمید کی طرف اچھال دیا۔

”کیا... یہ...“ حمید فرش پر پڑے ہوئے آدمیوں کی طرف دیکھ کر ہٹلایا۔
”ہاں... یہ گازائی کے پاس پہنچ گئے۔“

”کیا ہمیں نہیں کھلو گے۔“ ڈیگال مردہ سی آواز میں بولا۔

”تم مجرم ہو۔۔۔ تم سے مراد تم اور لیوکاس۔“ فریدی نے خشک لبھے میں کہا۔ پھر حمید سے
بولا۔ ”لڑکی کو کھول دو۔“

حمد اس کی طرف چلا ہی تھا کہ پیلا کمرے میں داخل ہوئی۔ فریدی نے ریو الور کا رخ
اس کی طرف کر کے ہونتوں پر انگلی رکھ لی۔ بس ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کسی نے پیلا کی روی قبضہ
کر لی ہو۔ وہ پتھر کے بجھے کی طرح بے حس و حرکت کھڑی تھی۔

”اسے باندھ لو....!“ فریدی نے حمید سے کہا۔

”ارے ہائے... ہائے... اسے تو میں اپنی ایم میں چپکاؤں گا۔“ حمید سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔
”بدیزی نہیں جلدی کرو...!“

حمد نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے بھی ڈیگال کے پاس عی ڈال دیا۔
پھر وہ فوزیہ کی رسیاں کھولنے کے لئے آگے بڑھا۔

”ٹھہرو...!“ فریدی نے کہا۔ ”ابھی رہنے دو... آؤ میرے ساتھ۔“

انہوں نے کٹھڑی سے نکل کر دروازہ مقتول کر دیا۔

”اب وہ بالکل تنہا ہو گا۔“ فریدی نے کہا۔

”کیوں....؟“

”جب میں یہاں آیا تھا لوزاٹا کے علاوہ صرف تمیں ہی مرد تھے دو کا خاتمہ ہو چکا ہے تیرا غالباً باہر کپاٹ میں رکھواں کر رہا ہوگا۔“

”ہو سکتا ہے کہ اس وقت کچھ باہر ہے ہوں۔“

”ہلیکاں کی دی ہوئی اطلاعات ابھی تک تو ٹھیک ثابت ہوئی ہیں۔“ فریدی کی کہا۔ ”آؤ۔“

وہ ایک ایک کرہ دیکھتے پھر ہے تھے۔ آخر ایک کمرے میں لوزاٹا تھامل گیا۔

حالانکہ یہ دونوں دبے پاؤں وہاں تک پہنچے تھے لیکن لوزاٹا ٹھیلے ٹھیلے اچانک اس طریقہ کیا جیسے اُسے ان کی آہٹ مل گئی ہو۔ وہ دونوں دروازے سے ہٹ کر کھڑکی کے ساتھ آگئے۔ اب انہوں نے لوزاٹا کو بھی ادھر مرتے دیکھا۔

”کمال ہے....!“ فریدی آہستہ سے بولا۔

”تم دروازے پر ہی ٹھہرو۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔ ”تیرے آدمی کا خیال رکھنا۔“

جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوا اس نے لوزاٹا کے چہرے پر عجیب کی مسکراہٹ دیکھی۔

”ہلیکاں کہاں ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”فضل ہے.... تھوڑی دیر بعد تم بھی اسی کے پاس ہو گے۔“ فریدی نے کہا۔

”میں...!“ لوزاٹا نے تھہر لگایا۔ ”تم مجھے اتنا مجبور سمجھتے ہو۔“

”میں تمہیں عدنان اور ایک مقامی آدمی کے قتل کے جرم میں گرفتار کرتا ہوں۔“ فریدی

آگے بڑھتا ہوا بولا۔ لیکن دوسراے ہی لمحے میں اس کی پیشانی پر ایک ایسا زور دار گھونپا پا

چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔ روی والوں کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا تھا۔ لوزاٹا نے روی والوں

لئے جست لگائی اور فریدی اس خطرناک موقع پر بھی اس کے بچے تسلی اندراز پر عشق عشا۔

بغیر نہ رہ سکا۔ وہ بچہ اندھیرے کا شہنشاہ تھا۔ لوزاٹا کے ساتھ ہی فریدی بھی روی والوں کے

چھپا تھا لیکن روی والوں کے ہاتھ نہ آ سکا۔ ان دونوں میں پھر زور آزمائی ہونے لگی۔ رویا

لوزاٹا کو بھی نہ مل سکا۔ فریدی نے ٹھوکر مار کر اسے دور پھینک دیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد فریدی پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ لوزاٹا کو اس طرح بھی زیر کرنا

آسان کام نہیں تھا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ لوزاٹا اگھے رہنے یا اُسے زیر

کر لینے سے زیادہ بھاگ جانے کی فکر میں تھا۔ حمید بڑی دلچسپی سے انکی کشی کا منظر دیکھ رہا تھا۔

اچانک لوزاٹا نے فریدی کے سر پر ایک زور دار ٹکر باری اور فریدی کی گرفت ڈھیلی

پر لگی۔ لوزاٹا اچھل کر دروازے کی طرف بھاگا۔ فریدی کا سر چکرا گیا۔ لیکن اب اسے بھی بچھے

نہ سہ آگیا تھا۔ اس نے جھپٹ کر لوزاٹا کی ٹاگ کپڑی اور وہ مٹے کے مل اتنے زور سے فرش پر

گرا کر سارا کرہ جھنجانا اٹھا اس نے اٹھنا چاہا لیکن فریدی اس کی ٹاگ مردوڑنے لگا۔ اس کی

جلگ کوئی اور ہوتا تو چیخ چیخ پڑتا۔ بھی وہ زمین پر ہاتھ ٹیک دیتا اور کبھی اس کے سر کا پچھا لاحصہ

بھڑ سے زمین پر گرتا۔

”اندھیرے کے شہنشاہ..... تمہیں تارے نظر آئے یا بھی نہیں۔“ فریدی نے تھہر لگا کر

پوچھا۔

لوزاٹا کچھ نہ بولا۔ اس کے ہونٹوں اور ناک سے خون بہر رہا تھا۔

”کیا تمہیں عدنان کی موت نہیں یاد آ رہی ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”مگر عدنان ہی کیوں

تم نے اب تک سینکڑوں قتل کئے ہیں بتاؤ نور جہاں کہاں ہے۔۔۔ بتاؤ ورنہ میں تمہارے پیٹ پر

یوری قوت سے کھڑا ہو جاؤں گا۔“

”میرے پاس.... میرے سینے پر“ لوزاٹا گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا اور اس کے بعد اس

کے طلق سے ایک بھیاںک چیخ نکل ایسا معلوم ہوا کہ مرتا ہوا بھینساڑ کر رہا ہو۔ ساتھ ہی اُسے

ایک بڑی سی خون کی قی ہوئی اور اس کا جسم ڈھیلا پڑ گیا۔ فریدی نے ٹاگ چھوڑ دی۔ لوزاٹا

بے جس و حرکت فرش پر پڑا تھا۔

فریدی اس کی جیسیں ٹوٹنے لگا۔ آخر سینے پر اُسے کوئی سختی چیز محسوس ہوئی۔ اس نے

اُس کا گریبان پھاڑا دلا۔ سینے پر چڑے کی چوڑی سی پٹی کسی ہوئی تھی۔ جس میں کئی جیب تھے۔

لئے اتنے بے تاب تھے کہ انہوں نے رقم پیشی ہی دے دی۔ بعد کو کجھت معاہدے سے پھر یا۔ نہ صرف یہ کہ اس نے ہیرا خود رکھ لیا بلکہ اسی ہزار پونڈ بھی واپس نہیں کئے۔ آپ جانتے کہ یہ رقم تھوڑی نہیں تھی۔ خیر والد نے تو صبر کر لیا تھا لیکن اس حرام زادے ڈیگال نے بن بھکایا۔ کسی طرح اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اوزان اٹھیا میں ہے۔ وہ انہیں بہاں لایا۔

”لیکن آخروز اٹا یہاں کیوں جھک مارنے آیا تھا۔“ حمید نے کہا۔

”اوہ۔۔۔ تم نہیں سمجھے۔“ فریدی بولا۔ ”ہیرول کی چوری اس کا خاص پیشہ تھا اور تم یہ بھی نہ ہو کہ یہاں عقریب جواہرات کی میں الاقوامی نمائش ہونے والی ہے۔“

”وہ پورے افریقہ کے لئے مصیبت تھا۔“ فوزیہ نے کہا۔ ”ایک طاقتور قبیلے کا نہ بھی پیشوں نے کی بناء پر کوئی اس کی طرف انگلی بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ حالانکہ اس کے سیاہ کارنا موں سے کی واقف تھے۔ کیا وہ ابھی زندہ ہے۔“

”نہیں آج صبح ہسپتال میں مر گیا۔ اس کے پھر ٹھے پھٹ گئے تھے۔“

”آپ ہی کا کام ہے۔“ فوزیہ اسے عجیب نظر وں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ”آپ جیسا بے آدمی آج تک میری نظر وں سے نہیں گزرا۔“

”اللہ آکر کوئی ہجزی مبارک کرے۔“ حمید نے اردو میں کہا اور اپنا داہنا گال سہلانے ہوں سے واپسی پر حمید نے فریدی سے پوچھا۔ ”آپ نے اہلیگاں والا واقعہ نہیں

”اوہ۔۔۔ وہ بھی دلچسپ ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”جب ہم سانپوں کو پکڑنے کی تدبیر سے تھتوں میں نے ماتی کی جہازیوں میں ایک سیاہ ساتھر ک سایہ دیکھا اور یہ میں پہلے ہی تھا کہ ہمارا انجماد دیکھنے کے لئے کوئی نہ کوئی موجود ضرور ہو گا۔ میں تمہیں وہیں چھوڑ کر ماتی اہم جہازیوں کی طرف ریگ گیا۔ وہاں اہلیگاں موجود تھا۔ میں نے اس پر جلد ہی قابو پالیا۔ سے لے کر میں کار کی طرف آیا تو تم غائب تھے۔ مجبوراً مجھے دوسرا سانپ کو مارنا ہی پڑا۔

پھر حمید نے فریدی کی ہتھیلی پر ایک بڑا سا جگلگانا ہوا ہیرا دیکھا۔

”یہ کیا۔۔۔؟“ حمید بوكھلا کر بولا۔

”نور جہاں۔۔۔!“

”کیا۔۔۔ اسے۔۔۔ یہ۔۔۔!“

”ہاں فرزند! میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ کسی خوبصورت سی لوکی کی تو۔“

”رکھو۔“



دوسری شام۔۔۔ فریدی، حمید اور فوزیہ ہوٹل ڈی فرانس میں چائے پی رہے تھے۔

”آپ کو نور جہاں کے متعلق کیسے معلوم ہوا کہ۔“ فوزیہ نے فریدی سے پوچھا۔

”مخفی اپنی یادداشت کی بناء پر۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ڈیگال نے لوز اٹا کا

کرتے وقت جب لندن میں کارڈ رائیو کرنے والا واقعہ بیان کیا تو میں نے فوراً ہی اندازہ

کہ نور جہاں کوئی عورت نہیں ہو سکتی کیوں کہ اسی نام کا ایک ہیرا بھی تھا اور وہ لندن میں

رات کو چرایا تھا جس کی صبح لوز اٹا نے موڑ ڈرائیور کی مہارت کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس

میں اس چوری کی بھی خیر تھی اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ کہ لوز اٹا اسی خاندان کا مہما

جس کی ملکیت میں وہ ہیرا تھا۔ چھتر فیلڈ خاندان، ہنزا مجھے نتیجہ اخذ کرنے میں دیر نہ لگی۔

یتاو کہ عدنان کا اس سے کیا تعلق تھا۔“

”میں پہلے ہی بتا دیتی۔“ فوزیہ طویل سانس لے کر بولی۔ ”لیکن ڈیگال نے مجھے

دیا تھا۔ اس نے کہا کہ اس سے والد مر جوم کی نیک نایی پر دھبہ لے گا۔ اسی لئے اس

لیو کا س نے مجھے بیہوش کر دیا تھا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ کم بخنوں کا اصل مقصد کیا ہے۔ خیرا

یہ ایک شرمناک بات ہے۔ لیکن مجھے بتانا ہی پڑے گا کہ وہ ہیرا والد مر جوم کے کہنے پر عا

گیا تھا۔ لوز اٹا کا کام ہی بھی تھا۔ معاملہ اسی ہزار پونڈ پر طے ہو گیا۔ والد مر جوم اس ہیرے

ہمیکاں کو گھر لا کر میں نے اس کی خاصی مرمت کی تب کہیں اس نے لوزاتا کی قیام گاہ بتایا۔ پہلے میں سمجھا تھا کہ شاید تم مجھے ٹنگ کرنے کے لئے کھمک گئے ہو۔ سمجھ میں نہیں آپلا تمہیں وہاں سے کیونکر لے گئی۔“

”کلو رو فارم....!“ حمید بڑا بڑا یا۔ ”مگر ہائے.... میں اس لڑکی کے لئے رنجیدہ ہوں میں نہ اکت بھی ہے اور درندگی بھی... کاش....!“

”اوہ ہو.... اگر شادی کا ارادہ ہو تو اسے سرکاری گواہ بنا کر بچالیا جائے گا۔“

”شادی....!“ حمید سر کھجاتا ہوا بولا۔ ”جباں تک شادی کا سوال ہے مجھے اپنے با شادی میں بھی شبہ ہے۔“

اس پر فریدی نے وہ شاندار جھاپڑ رسید کیا کہ نتیجے کے طور پر اسے خود اپنے ہی ماش کرنی پڑی کیونکہ وہ جھاپڑ حمید کی گال کی بجائے دیوار پر پڑا تھا۔

تمام شد

جاسوئی دنیا نمبر 40

پُر اسرار و صیحت

(مکمل ناول)

نمبر 13
دنخا ایک چھوٹی سی ٹو سیر کار کپاؤ ٹم میں داخل ہوئی اور اسٹریمگ کے پیچھے بیٹھی ہوئی
لی پر نظر پڑتے ہیں جید کی عاقبت روشن ہو گئی۔ لڑکی بڑی خوبصورت اور اسماڑ معلوم ہوتی
ہے۔ کارروک کروہ پیچے اتری۔ وہ سفید سلک کی قمیض اور ہلکے سبز رمگ کی ٹنلوں میں ملبوس
ہے۔ نہبرے رمگ اور گھونصہ ریالے بال پشت پر لہریں لے رہے تھے۔ کانوں میں پڑے ہوئے
وئے کے رمگ کانوں کے سلکتے ہوئے ابھاروں کو ہولے ہولے چھوڑ رہے تھے۔ جید جہاں تھا
ہیں رک گیا۔ لڑکی تیزی سے اس کی طرف آئی۔

”انپکڑ فریدی.....!“ وہ جید کو پیچے سے اوپر تک گھورتی ہوئی بولی۔

جید نے بوکھلا ہٹ میں سر ہلا دیا۔

”میں آپ سے صاف صاف گفتگو کرنے آئی ہوں..... سمجھے“ اُس نے سخت لمحے میں کہا۔
”بیکھے.....!“ جید نے بڑی سادگی سے کہا۔

”میں..... لیکن نہیں۔“ وہ اس طرح بولی جیسے بلند آواز میں سوچ رہی ہے۔ پھر اس نے
سر جنت جید اس کے آگے نہ سوچ سکا۔ وہ پورچ کی محرابوں میں جھوٹی ہوئی بیلوں
روی بڑی پلکشیں اور پاخائیں اس کے چہرے پر پچھاہٹ کے آثار تھے۔ اس نے پھر سر
سلیے میں کسی نادر تشبیہ کے لئے دری سے سرمراہا تھا۔ جب کوئی کام نہ ہو تو مینڈک کا ذہاب
چکالایا اور سینڈل کی نوک سے زمین کریدنے لگی۔

”نهیں..... میں کچھ نہیں کہنا چاہتی۔“ وہ یک بیک اپنی کار کی طرف مڑی۔
جید تھیرانہ انداز میں گردن جھٹک کر اسے گھوڑنے لگا۔ وہ کار کے قریب پہنچ کر پھر پلٹی۔
ل گھما کر دروازہ کھولا۔ ایک پیر اندر تھا اور دوسرا بہر۔.....

”یہ سازش ہے۔ کھلی ہوئی سازش.....!“ وہ جید کو گھونسہ دکھا کر بولی اور سیٹ پر دھم سے
کر دروازہ اتنے زور سے بند کیا کہ ساری کپاؤ ٹم میں اس کی آواز پھیل گئی۔ پھر وہ کار
ارٹ کرنے ہی جاری تھی کہ جید اس کی طرف پکا۔

”سنن تو کہی..... بات کیا ہے۔“

”کوئی بات نہیں۔“ وہ چیخ کر بولی۔ ”مجھے ذرہ برابر پرواہ نہ کرنی چاہئے لیکن تمہیں
نہیں بھر سکوں نہیں نصیب ہو گا۔“

جو نگوں کا سر پرست

”شام خوشنگوار ہے اور پورچ کی محрабوں میں جھوٹی ہوئی بیلوں.....!“
سر جنت جید اس کے آگے نہ سوچ سکا۔ وہ پورچ کی محرابوں میں جھوٹی ہوئی بیلوں
پر پورا ارتبا ہے..... اور پھر ایک خطرناک دور کا آغاز ہوتا ہے۔ وہ درپچھوں میں جھوٹی
بیلوں میں حسن تلاش کرنے لگتے ہیں پھر کتوں کی طرح بھوکنے میں ایک ہی آدھ ڈگری کا
رہ جاتا ہے۔

سر جنت جید نے بڑی اداسی سے جھوٹی ہوئی بیلوں پر الوداعی نظر ڈالی اور ایک
اگراؤی لے کر کھڑا ہو گیا۔
وہ سوچ رہا تھا کہ اس وقت اسے کہاں جانا چاہئے۔ فریدی بھی گھر پر موجود نہیں
چند لمحے خاموش کھڑا رہا تھا پھر گیراج کی طرف بڑھا۔

اس نے کار اسٹارٹ کی..... اور جمید کھڑا دیکھتا ہی رہ گیا۔ جب کار پھاٹک سے اُو وہ چونکا۔ دوسرے لمحے میں وہ تیزی سے گیراج کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اس نے کار نکالی..... لیکن وہ سرخ رنگ کی ٹوپیٹر سڑک پر نظر نہیں آئی۔ مختلف بڑی دریٹک اسے تلاش کرتا رہا۔ وہ چاہتا تو چورا ہوں۔ کے ٹریک کانٹیبلوں سے اس پوچھ سکتا تھا مگر چونکہ اسے ایک لڑکی ڈرائیور کو رہی تھی اس لئے جمید نے مناسب نہ کھجل۔

وہ عجیب قسم کی الجھن محسوس کر رہا تھا۔ آخر وہ کون تھی؟ اُس نے گفتگو اس انداز تھی جیسے فریدی سے اس کا براہ راست کوئی تعلق ہو لیکن وہ فریدی کو پیچانتی بھی نہ تھی۔

وہ کافی دریٹک خیالات میں الجھا ہوا ایک سڑک سے دوسری سڑک پر کار دوڑاتا بڑی خوبصورت تھی اور اس میں وہ بات ضرور تھی جس سے جمید کے ذہن کے کسی گوشے: بولا۔

عجیب سا احساس کلپانا نے لگتا تھا۔ وہ خود بھی آج تک اس کیفیت کو کوئی نام نہ دے سکا تھی کوئی چیز جس کا تجربہ عام نہیں تھا۔ شاذ و نادر ہی کوئی لڑکی ذہن کے اس ڈھکے پر ملچھل چانے میں کامیاب ہوتی تھی۔ کچھ دیر بعد اس کے ذہن پر ایک عجیب سی ادا ہو گئی۔ ادا سی جس میں اکتا ہست کی بجائے ایک ہلکی سی لذت تھی۔

وہ گھر واپس آگیا۔ اندھیرا پھیل گیا تھا۔ کار گیراج میں کھڑی کر کے جمید بڑی دریٹک لان پر کھڑا رہا کی رانی کی مہک ملکے اندھیرے سے ہم آہنگ ہو کر اسے اپنی روح کی گہرائیوں میں محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے ایک طویل سانس لی اور آہستہ آہستہ برآمدے سے کہا۔

فریدی کی آواز ڈرائیگ روم میں سنائی دی۔ وہ تھنا نہیں معلوم ہوتا تھا۔

جمید نے ڈرائیگ روم کا رخ کیا۔ اس کے داخل ہوتے ہی دوسرा آدمی خاموش ہو گئی بات نہیں۔ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”یہ میرے ساتھی ہیں۔“

اور پھر اس نے سرکی جنبش سے جمید کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

پچھے لمحے خاموشی سے گزرے۔ اس کے بعد فریدی نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے بھاری رکم آدمی سے کہا۔

”اگر یہ نہ اتنیں تو مجھے ان کے صحیح الدماغ ہونے میں ثبوت ہے۔“

”پہلے مجھے بھی شہر ہوا تھا۔“ اجنبی نے کہا۔ ”لیکن میں ان کے صحیح الدماغ ہونے کی رو بھی پیش کر سکتا ہوں اور یہ عجیب بات ہے۔ خود انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اس لئے میں اپنا اطمینان کروں۔“

اس نے چڑے کے بگ سے ایک بڑا سالفاد زکال کر فریدی کی طرف بڑھادیا۔

فریدی نے لفاف سے ایک کانٹنر کالا اور تھوڑی دریٹک اس پر نظریں جمائے رہنے کے

”اسے میں غلط نہیں کہہ سکتا۔“ اس کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔

”لیکن ٹھہریے۔“

”میں خود بھی الجھن میں ہوں۔“ اجنبی نے کہا۔ ”ان کے اعزہ !“

جمید نے فریدی کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں میں وہی پرانی پراسرار چمک تھی جو اکثر نت و خون کی پیش خیمن بن جایا کرتی تھی۔

”کیس دلچسپ ہے۔“ فریدی نے اجنبی کا جملہ پورا ہونے سے قبل ہی کہا۔

”اچھا میں دیکھوں گا۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ اجنبی بولا۔

”آپ میرے پیشے سے واقع نہیں۔“ فریدی نے ہلکی سی مسکراہست کے ساتھ کہا۔ ”کیا پر کوئی سب کچھ حیرت انگیز نہیں معلوم ہوتا۔ میڈیکل بورڈ کی روپورٹ میرے سامنے ہے اور ما ایسے لوگوں کے نام دیکھ رہا ہوں جو غیر ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔“

”بہرحال !“ اجنبی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ”مجھے مشورہ دیجئے کہ میں کیا دل یہ سب کتنا مضمکہ نہیں ہے۔ میں نے ان کی موجودگی ہی میں ہر پہلو پر غور کرنے کی

”دہنیں..... لیکن کچھ کچھ یاد پڑتا ہے کہ اسے کہیں دیکھا ضرور ہے۔“
 ”اوہ..... تم اسے نہیں جانتے۔ یہاں کام شہروں کیل جعفری ہے اور وصیت کرنے والے
 اقانوں میشیر بھی۔“

”لیکن وصیت کس نے کی ہے۔ میرا مطلب ہے کہ کس حق نے۔“

”سرخندوم سے واقف ہو۔“ فریدی نے پوچھا۔

”سرخندوم..... اوہ..... وہی تو نہیں جو چند روز پہلے جل کر مر ا تھا۔“

”ٹھیک سمجھے..... وہی.....!“ فریدی سر ہلا کر بولا۔

”تب تو معاملہ صاف ہے۔ اس نے خود ہی اپنے مکان میں آگ لگائی ہو گی۔“

”کیوں.....؟“

”کیوں کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔“ حمید نے کہا۔ ”اس قسم کی وصیت کی موجودگی میں یہ
 ملے بالکل ہی صاف ہو جاتا ہے۔ ایک بچہ بھی یہی کہے گا کہ اس کا دماغ خراب تھا۔“

”بچہ سو فیصدی یہی کہہ رہا ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”لیکن فرزند ابھی میں شہر کے
 رہا اور وہ ڈاکٹروں کا سڑی ٹکیٹ دیکھ رہا تھا جس میں سب نے یہ کلم نیز رائے ظاہر کی ہے کہ
 رخنوم قطعی صحیح الدماغ ہیں۔“

”ڈاکٹروں کا سڑی ٹکیٹ حاصل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔“

”اوہ تم تو اب واقعی بچوں ہی کی سی باشیں کرنے لگے ہو۔“ فریدی سنجیدگی سے بولا۔
 اگر تھارے پاس کوئی آدمی اس قسم کی وصیت محفوظ کرانے کے لئے آئے تو کیا تم اسے صحیح
 دماغ بھجو گے۔“

”حید نے نفی میں سر ہلا دیا۔“

”ٹھیک یہی واقعہ جعفری کے ساتھ پیش آیا۔ جب سرخندوم نے اس سے اس قسم کی
 وصیت کا تذکرہ کیا تو اسے اس کی ذہنی حالت مختبہ معلوم ہوئی لیکن خود سرخندوم ہی نے یہ
 شواری بھی رفع کر دی۔ قبل اسکے کہ جعفری کچھ کہتا سرخندوم نے اپنے ڈاکٹری معائنے کی تجویز

کوشش کی تھی اور میں نے کئی بار چاہا تھا کہ آپ سے اس سلسلے میں ملوں۔۔۔۔۔ لیکن
 پابندی..... جو مجھ پر عائد کی گئی ہے مجھے روکتی رہتی۔“

فریدی کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ”اچھا جناب..... میں تیار ہوں لیکن آپ
 متعلق کسی سے گفتگو نہیں کریں گے۔ خصوصاً اخباری روپر ٹروں سے۔“

”میں خیال رکھوں گا۔“ اجنبی نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ ”اچھا اب اجازت دے
 وہ فریدی اور حمید سے مصالغہ کر کے رخصت ہو گیا۔

حمید فریدی کو توجہ اور دیکھی سے دیکھ رہا تھا کیونکہ اس کے ہونتوں پر شرار
 مسکرا ہے تھی۔

”کوئی نئی مصیبت.....!“ حمید نے پوچھا۔

”ایک دیکھ پ کیس حمید صاحب۔“ فریدی سگار کیس سے گارنکلتے ہوئے بجا
 حمید کی سانس رک گئی۔ موسم بہار میں کسی کیس کی اطلاع اس کے لئے ایسی عزیز
 کسی شاعر کے ہاتھ میں ارجمندیک کا پرچہ پکڑا دیا جائے۔

”مرنے سے پہلے تم کس قسم کی وصیت کرنا پسند کرو گے۔“ فریدی نے حمید کی
 میں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

”کیا یہ کوئی ایسا ہی کیس ہے۔“ حمید نے بھی سنجیدگی ہی اختیار کر لی۔

”کیا تم یہ وصیت کرو گے کہ تمہاری دولت چند جو گنوں پر صرف کر دی جائے۔“

”مذاق کچھ چاندیں۔“ حمید نے اس منہ بنا کر بولا۔ ”بلکہ یہ مذاق ہی نہیں۔“

”مذاق نہیں! میں سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہوں۔“ فریدی نے سگار سلگا کر کہا۔
 ایک متول آدمی نے یہ وصیت کی ہے کہ اس کی دولت چند جو گنوں پر صرف کی جائے۔

”اوہ.....!“ حمید فریدی کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”تو یہ ابھی اسی وصیت کے
 ہماری تھی۔“

”ہاں..... کیا تم اسے نہیں جانتے۔“

پیش کر دی۔ تا کہ بعد کو اسکی ذہنی حالت پر شبہ کر کے وصیت غیر قانونی نزد قرار دے دی جائے۔

”کیا.....؟“ حمید کا منہ تیرت سے کھل گیا۔
”ہاں..... یہ وصیت نام کے الفاظ ہیں۔ پندرہ جون گیس پالی جائیں اور دولت کا ہجہ جب آن
مرف کر دیا جائے۔ جائیداد کا مقتضم احمد کمال فریدی..... انپکٹ آف سنٹرل سی آئی ڈی ہو گا اور
اتفاقی امور کے سلسلے میں کسی کو جواب دہ نہیں ہو گا۔ یعنی بختار کل سیاہ کرے یا سفید۔“

”کیا سرخندوم آپ کے کوئی عزیز تھے۔“ حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔

”قطعی نہیں..... شاید ایک یادو بار ملاقات ہوئی تھی۔ وہ محض رسمی طور پر۔“

”ابھی آپ نے سرخندوم کے دوسرے اعزازہ کا تذکرہ کیا تھا۔“

”ہاں وہ کئی ہیں اور ان کے متعلق بھی وصیت میں کچھ کہا گیا ہے۔ لیکن وہ صرف میری
نی پر محسر ہے اگر میں چاہوں گا تو انہیں وہ رقم جو سرخندوم کی زندگی میں ملتی تھی مرتے رہے گی
سرخندوم وصیت نامہ مرتب کرنے کے ٹھیک ایک ہفتے کے بعد جل کر مر گے۔ ان کی ہدایہ
نہیں۔“

”ڈراٹھر ہے.....!“ حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”ان لوگوں میں کوئی لڑکی بھی ہے۔“

”ہاں شاید تم لڑکیاں۔“ فریدی نے اسے گھوڑتے ہوئے کہا۔

”تب وہ انہیں میں سے ایک رعنی ہو گی۔“ حمید بڑا بڑا۔

”کون.....!“

حمید نے فریدی کو اس لڑکی کے متعلق بتایا جو سرخ رنگ کی ٹوپیز پر آئی تھی۔

”ہوں.....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”ہو سکتا ہے کہ وہ انہیں میں سے ہو۔ ظاہر ہے
وہ لوگ مجھے پہچانتے نہیں۔“

”لیکن آخیر یہ ہوا کس طرح۔ اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔“

”مطلب..... صاف ظاہر ہے کہ کوئی غیر معمولی حادثہ۔ سرخندوم کی موت اتفاق نہیں ہو سکتی۔“
”کمال کرتے ہیں آپ بھی۔“ حمید نے کہا۔ ”شاید ہمارا ہجھے بھی اس بات پر متفق ہے
وہ اتفاقیہ نہیں حادثہ تھا۔“

”اک وصیت سے دو چار ہونے سے قبل میرا بھی یہی خیال تھا مگر اب تم خود سوچو۔“

”تب تو میں اسے پاگل نہیں کہتا۔ کیا اس کے آگے پہنچے کوئی نہیں تھا۔“
”کیوں نہیں..... پورا خاندان تھا۔ جو اسی کے گلکوں پر اب بھی پل رہا ہے
البتہ اولاد نہیں تھی۔ بھائی پہنچنے کی عدد ہیں۔“

”واقعی کیس دلچسپ ہے۔“ حمید آہستہ سے بولا۔

”پورے واقعات سننے کے بعد تمہاری دلچسپی اور زیادہ بڑھ جائے گی۔“ فریدی کی
کہا۔

” غالباً پورے واقعات آپ اسی ہفتے کے اندر ہی اندر سنا دیں گے۔“

”ابھی.....!“ فریدی کے ہوتوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔ ”اور اسی وہ
سرخندوم وصیت نامہ مرتب کرنے کے ٹھیک ایک ہفتے کے بعد جل کر مر گے۔ ان کی ہدایہ
کہ اس وصیت کے متعلق ان کی موت کے بعد ہی کچھ بتایا جائے۔“

”ہمپ.....!“ حمید آہستہ سے بڑا بڑا۔ ”معاملہ پیچیدہ ہے۔“

”اب اس لطیفہ کا دوسرا لکھ راسو۔۔۔ وصیت کے مطابق جو گلوں کی خبر گیری کے
ایک آدمی ہونا چاہئے۔ یعنی ان جو گلوں کا سر پرست۔ یا دوسرے لفظوں میں ایک ایسا آنا
حقیقتاً سرخندوم کی دولت کا مالک ہو۔“

”قطعی.....!“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”آپ بیان جاری رکھئے۔ مجھے کافی مزہ آ رہا ہے
”ابھی اور آئے گا۔“ فریدی نہیں پڑا۔

”مگر یہ تو کوئی لطیفہ نہ ہوا۔“ حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔
”اور ان جو گلوں کا سر پرست کسے بنایا گیا؟“ فریدی حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا
”کیا تم سننا پسند کرو گے۔“

”نایئے صاحب۔“ حمید نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔
”تو سنو! ان جو گلوں کا سر پرست۔۔۔ یہ ناچیز۔۔۔ یعنی احمد کمال فریدی ہے۔“

"میں سوچ رہا ہوں۔" حمید سرہلا کر بولا۔ "مگر اس میں ایک دشواری ہے۔ اہ وصیت مرتب کرنے کا مطلب تو یہ ہوا کہ سرخندوم کو خدشہ تھا کہ اس طرح کا کوئی حار پیش آئے گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو؟"

"لیکن پھر.....! سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سرخندوم نے پولیس کی مدد حاصل کر جائے وصیت کیوں مرتب کی۔"

"کیا میرا تعلق پولیس سے نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"بہت خوب! اب وہ مرجانے کے بعد آپ سے مدد لے رہا ہے۔ مگر نہیں..... ہے کہ مرنے کے بعد اس کا دماغ بالکل ہی خراب ہو گیا ہو۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "وصیت کی رو سے مجھے اب سرخندوم میں ہی قیام کرنا پڑے گا۔ جائیداد کے مفہوم کے لئے ضروری ہے۔"

وہ لوگ

سرخندوم کی کوئی شہر کے ایک ایسے حصے میں واقع تھی جہاں کھنی آبادی نہیں تھی۔ قریب و جوار میں صرف چند کوٹھیاں اور تھیں اس کے باوجود بھی اس حصے کا شمار آبادی میں ہوتا تھا اور مونپل کار پوریشن کے اجلاسوں میں خاص طور سے اس کا نام لیا جا۔ صرف پانچ یا چھ کوٹھیوں کے لئے مونپل کار پوریشن کے کلرکوں کو کافی مغز ماری کرنی پڑتا۔ سرخندوم کی کوئی ان میں سب سے زیادہ شاندار تھی اور اس کے گرد تقریباً چار فرلانگ چوڑی چہار دیواری تھی جس میں پائیں باغ اور عقبی پارک بھی کچھ تھے۔ شمالی مغربی گوشہ گیراج تھا جس میں کئی کاریں کھڑی رہتی تھیں۔ ایک اصل بلبھی تھا جس میں ریس کے

رکھ جاتے تھے۔ اصلبل سے ہی متصل نوکروں کی رہائش کے کوارٹر تھے۔ جنوبی مشرقی کوئے پر وہ چھوٹی سی عمارت تھی جو کبھی آؤٹ ہاؤز کے نام سے یاد کی جاتی رہی ہوگی۔ مگر اب تو وہ جلی ہوئی یا ہاتھوں اور آدھ جلے دروازوں کا ڈھیر تھا۔ سرخندوم اسی عمارت میں جل کر مرے تھے۔ وہاں تھا ہی تھے۔ آگ لگی۔ لیکن انہیں باہر نکلنے کا موقع نہ مل سکا۔ اس سلطے میں کئی طرح کی رو آئیں مشہور تھیں۔ لیکن اخبارات میں صرف اتنا ہی آیا تھا۔

سرخندوم عادات و اطوار سے عجیب تھے۔ اس نے ان کے اس طرح جل مرنے پر کم از کم ان کے خلقے کے لوگوں کی طرف سے اظہار حیرت نہیں کیا گیا۔ وہ بہت زیادہ موذی آدمی تھے..... اور اسی حد تک جذباتی بھی۔ ان کے شناساؤں کا عام طور پر یہ خیال تھا کہ شاید انہوں نے آؤٹ ہاؤز میں آتش بازی سے شوق کیا ہو اور اس طرح آگ لگ گئی ہو۔ سرخندوم کو آتش بازی سے بھی بڑی دلچسپی تھی۔ شب برات کے زمانے میں وہ اپنے ہاتھوں سے مختلف قسم کی آتش بازیاں بناتے تھے۔ بات یہ تھی کہ سرخندوم خاندانی ریکس نہ تھے۔ انہوں نے خود اپنے قوت بازو سے یہ پوزیشن حاصل کی تھی۔ کسی زمانے میں وہ عام آدمیوں کی طرح سڑک کے گناہ کھڑے ہو کر مسالے کی چاٹ بھی کھایا کرتے تھے لہذا دولت مند اور خطاب یافتہ ہو جانے کے بعد بھی ان میں یہ عام آدمی..... تھوڑا بہت باتی رہ گیا تھا اور اسی بناء پر وہ اپنے طبقے میں عادات و اطوار کے لحاظ سے عجیب سمجھے جانے لگے تھے۔ بہر حال وہ خطاب یافتہ ہو جانے کے بعد سڑک کے گناہ کھڑے ہو کر بارہ مسالہ کی چاٹ تو نہیں کھاتے تھے مگر شب برات کا چاند دیکھ کر شاید شہر میں سب سے پہلے ہوائی وہی داغتے تھے۔ اس کے بعد شب برات عک کے لئے آؤٹ ہاؤز اچھا خاصاً بارود خانہ بن کر رہ جاتا تھا۔ وہ شب و روز وہیں رہ کر مختلف قسم کی آتش بازیاں بنایا کرتے تھے۔ غالباً اسی لئے ان کے بعض حاسدوں نے یہ انواع اڑادی تھی کہ ان کے باپ دادا آتش باز تھے۔

جب ایک رات آؤٹ ہاؤز میں آگ لگی تو لوگ اس کے علاوہ اور کچھ نہ سوچ سکے کہ آتش بازی کا شوق رنگ لایا۔

سرخنہوم کا لئے تھا۔ خود انہوں نے تو رے سے شادی ہی نہیں کی تھی لیکن بھائی کی عد تھے اور پورا کنبہ کم و بیش بارہ نفوس پر مشتمل تھا۔ ان میں چھوٹے بچے بھی شامل تھے جس وقت فریدی کی کیدیلاک کوٹی کی کمپلیٹ میں داخل ہوئی کنبے کے پیشہ افریز ناشتے سے فارغ ہو کر برآمدے میں آبیٹھے تھے۔

”اوہ..... کوئی بات نہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”مجھے محض مرحوم کی وصیت کا پاس ہے رہ میں بہت مشغول آدمی ہوں اور مجھے سب سے زیادہ آرام اپنے گھر ہی پر ملتا ہے۔“ ”تو پھر یہاں تمہیں تکلیف ہی تکلیف ہوگی۔“ صوفیہ جلدی سے بولی۔ ”ایک رات بھی میں سے نہ سوکو گے۔“

”میں مرحوم کے لئے سب کچھ برداشت کرلوں گا۔“ فریدی نے سمجھ دی گئی سے کہا۔ مرتبان اٹھائے ہوئے تھا جس میں پندرہ عدد جنکیں تھیں اور اس کا دل خوشی سے ناچ رہا۔ ”صوفیہ اندر جاؤ۔“ معمر آدمی نے لڑکی کو ڈالا اور وہ جلاہست میں پیر پیٹھی ہوئی اندر جل کیونکہ برآمدے میں اسے وہ لڑکی بھی نظر آئی تھی۔ جس کے متعلق اس نے صحیح اندازہ لکھا تھا مخدوم کے خاندان والوں نے انہیں تھفا آمیز نظریاں سے دیکھا۔ معاملات کو سمجھنے کے لئے برآمدے میں دو لڑکیاں اور تھیں لیکن وہ صورت ہی سے احتق معلوم ہوتی تھیں۔ حمید کا دو اجنبیوں کے ساتھ جعفری کی موجودگی ہی کافی تھی۔ اگر وہ بھی نہ ہوتا تو وہ جنکوں والا میاں تھا کہ غیر ذہین لڑکیاں Reshonsive تھیں ہوتیں۔ اس لئے وہ ان کی طرف دھیان بھی ہی انہیں سب کچھ سمجھا دیتا۔

وہ برآمدے کے قریب پہنچ گئے۔ لیکن سرخنہوم کے خاندان والوں میں سے کسی نہ ہانت کی بناء پر اسے اپنی طرف متوجہ کر لیتی تھیں چاہے ان کے پیر کے کتنے ہی بھدے کیوں نہ جگہ سے جبکہ تک نہ کی۔ فریدی پورچ میں رک کر بڑے بے تعلقانہ انداز میں ادھر ادھر ہو۔ وہ ذہانت کا بیماری تھا۔ ذہانت جو چہرے ہی سے ظاہر ہو جائے۔

”کیا آپ مجھے تھوڑا وقت دیں گے۔“ معمر آدمی نے فریدی سے کہا۔

”ضرور..... بڑی خوشی سے۔“ فریدی بولا۔

وہ انہیں ایک کمرے میں لا یا۔ حمید نے جنکوں کا مرتبان میز پر رکھ دیا اور خود فریدی کے سن سکیں۔ حمید نے دیکھا کہ وہی لڑکی جھپٹ کر اپنی جگہ سے اٹھی اور برآمدے طے کر کے فریدی کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اس کے ہوت پھر کر رہے تھے سانس پھول رہی تھی اور لای بیٹھ گیا۔ جعفری کی نظریں معمر آدمی کے چہرے پر تھیں۔

”کیا آپ کو یہ سب کچھ مصلحہ خیز نہیں معلوم ہوتا۔“ معمر آدمی نے فریدی سے کہا۔

”معلوم تو ہوتا ہے..... مگر مجبور ہوں۔ مرحوم کی وصیت..... میں انگی بہت عزت کرتا تھا۔“

”اوہ آپ کو یقین ہے کہ وہ کسی صحیح الدماغ آدمی کی وصیت ہے۔“

”ایک مودی آدمی کی وصیت۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”جو مر نے، کے بعد بھی لوگوں کو

حرمت میں بترکھنا چاہتا ہے۔ کیا سرخنہوم اپنی زندگی میں تحریر پنڈنیں تھے۔“

”ئے..... مجھے اس سے انکار نہیں۔ لیکن آپ جیسا آدمی اس قسم کے چکر میں پڑ جائے۔“

”خود ان دچپ داستان کے لئے جا سوی دنیا کا ناول ”سیاہ پوش لیبری“ جلد نمبر 10 ملاحظہ کیجئے۔“

فریدی نے یہ جملہ اپنی آواز میں کہا تھا کہ برآمدے میں بیٹھے ہوئے لوگ بہا۔

فریدی نے دیکھا کہ وہی لڑکی جھپٹ کر اپنی جگہ سے اٹھی اور برآمدہ طے کر کے سن سکیں۔ حمید نے دیکھا کہ وہی لڑکی جھپٹ کر اپنی جگہ سے اٹھی اور برآمدہ طے کر کے فریدی کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اس کے ہوت پھر کر رہے تھے سانس پھول رہی تھی اور کی لویں سرخ ہو گئی تھیں۔

”چلے جاؤ یہاں سے۔“ وہ پھانک کی طرف ہاتھ تان کر علق کے مل جیئی۔

فریدی بڑی سنجیدہ اور ترجم آمیز نظریوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

اچانک ایک ادھر سے عمر کا آدمی بھی تیز قدموں سے چلا ہوا پورچ میں آگیا اور اس لڑکی کا بازو پکڑ کر کہا۔ ”صوفیہ..... بد تیزی ہے..... بداخلاں ہے.....“ پھر وہ فریدی

بولا۔ ”معاف کیجئے گا..... یہ ابھی ناکچھ ہے۔“

یہ البتہ میرے لئے تحریر انگریز ہے۔“

”میت جعلی نہیں۔ اس پر گواہوں کی حیثیت سے چند مسززین نے اپنے دستخط کے ہیں۔“

”سب کچھ ہو سکتا ہے..... کیا نہیں ہو سکتا۔“ معمراً دی سرہلا کر بولا۔

”دیکھئے مسٹر ناصر.....“ جعفری نے جھلا کر کہا۔ آپ مجھ پر نہ صرف اتهام لگا رہے

ہیں بلکہ میری توہین بھی کر رہے ہیں۔“

”یہ معاملہ عدالت میں ضرور جائے گا۔“ معمراً دی نے کہا، پھر فریدی سے بولا۔

”میں اس وصیت کے سلسلے میں عذرداری کروں گا..... اس لئے آپ اس عمارت میں

”مجھے بڑی خوشی ہوگی اور آپ اس کے مصارف مجھ سے لے سکتے ہیں۔“ فریدی

قیام نہیں کر سکتے۔“

قیام تو میں یہیں کروں گا۔“ فریدی نرم لمحے میں بولا۔ آپ نے پہلے ہی وصیت کے

خلاف درخاست دے کر انتہائی حکم کیوں نہیں لے لیا۔ اب تو جب تک سرکاری طور پر مجھے

یہاں سے ہٹنے پر پر محروم کیا جائے میں نہیں ہٹ سکتا۔ اس لئے میری ایک بات اور سن

”جہنم میں گئی وصیت.....“ معمراً دی نے کری کے ہتھے پر گھونسہ مار کر کہا۔ ”میں لمحے..... اگر آپ نے عدالتی کاروائی کر کے مجھے یہاں سے ہٹانے کی کوشش کی تو آپ سب

بکواس سمجھتا ہوں..... بھائی صاحب کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی۔“

ایک بہت بڑی مصیبیت میں پڑ جائیں گے۔“

”خوب.....!“ فریدی چھتے ہوئے لمحے میں بولا۔ ”اویس کے باوجود بھی آپ اپنے گھومنے لگا۔

”کیا مطلب.....!“ معمراً دی اُسے گھومنے لگا۔

”مطلب صاف ظاہر ہے..... ڈاکٹروں کا سڑیقیت میں پھاڑ دوں گا..... اس کے بعد

معمراً دی خاموشی سے فریدی کو گھومنے لگا۔ پھر اس کی نظریں جو گوں کے مرتبہ اس وصیت کو ایک پاگل آدمی کی وصیت ثابت کروئیں میں دریں ہیں لگے گی۔“

”یہ تو آپ اپنے ہی خلاف کریں گے۔“ جعفری بوکھلا کر بولا۔

”سنتے جائیے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اس کے بعد پولیس اس عمارت کے گرد شکاری

کتوں کی طرح منڈلانے لگے گی۔ آخر ایک پاگل آدمی کو آتش بازی کے ذخیرے کے ساتھ

ہمان غانے میں تھا کیوں چھوڑا گیا۔ یقیناً ان کے اعزہ اس کی موت کے خواباں تھے۔ کیوں؟

”معمراً دی کے چہرے کی سرفی غائب ہو گئی..... تھوڑی دیر بعد بولا۔“

”آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟“

”ہے تاجر انگریز.....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میں بھی کہہ رہا تھا کہ سرخداوم نے کیا نہیں ہو سکتا۔“ معمراً دی سرہلا کر بولا۔

کو تحریر میں چھوڑا ہے۔“

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر معمراً دی نے آہستہ سے کہا۔

”اگر اس وصیت نامے کی قانونی حیثیت کو عدالت میں چیخ کیا گیا تو آپ کی کیا پڑا

ہوگی۔“

”مجھے بڑی خوشی ہوگی اور آپ اس کے مصارف مجھ سے لے سکتے ہیں۔“ فریدی

کہا۔ ”مجھ پر تو ایک قسم کا فرض عائد ہو کر رہا گیا ہے جس کی تکمیل ضروری ہے۔“

”تو کیا آپ یہاں قیام کریں گے؟“

”یقیناً.....!“ فریدی بولا۔ ”وصیت کے مطابق یہ ضروری ہے۔“

”جہنم میں گئی وصیت.....“ معمراً دی نے کری کے ہتھے پر گھونسہ مار کر کہا۔ ”میں لمحے..... اگر آپ نے عدالتی کاروائی کر کے مجھے یہاں سے ہٹانے کی کوشش کی تو آپ سب

بکواس سمجھتا ہوں..... بھائی صاحب کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی۔“

”خوب.....!“ فریدی چھتے ہوئے لمحے میں بولا۔ ”اویس کے باوجود بھی آپ اپنے گھومنے لگا۔

”کیا مطلب.....!“ معمراً دی اُسے گھومنے لگا۔

”مطلب صاف ظاہر ہے..... ڈاکٹروں کا سڑیقیت میں پھاڑ دوں گا..... اس کے بعد

معمراً دی خاموشی سے فریدی کو گھومنے لگا۔ پھر اس کی نظریں جو گوں کے مرتبہ اس وصیت کو ایک پاگل آدمی کی وصیت ثابت کروئیں میں دریں ہیں لگے گی۔“

”یہ تو آپ اپنے ہی خلاف کریں گے۔“ جعفری بوکھلا کر بولا۔

”سنتے جائیے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اس کے بعد پولیس اس عمارت کے گرد شکاری

کتوں کی طرح منڈلانے لگے گی۔ آخر ایک پاگل آدمی کو آتش بازی کے ذخیرے کے ساتھ

ہمان غانے میں تھا کیوں چھوڑا گیا۔ یقیناً ان کے اعزہ اس کی موت کے خواباں تھے۔ کیوں؟

”ٹھیک کہہ رہا ہوں..... میں نے سینکڑوں داستانیں پڑھی ہیں۔“ وکیلوں ”ولت کے لئے؟“

ہتھکنڈے۔ وہ کس طرح اپنے موکلوں کی طرف سے جعلی وصیتیں بناتے ہیں۔“

”غائبًا آپ جاسوسی ناولوں کی باشیں کر رہے ہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”

”اس وقت تک قیام کرنا جب تک کہ یہ ساری جو نیں مرنے جائیں۔“ فریدی نے اپنی بندی سے کہا۔

”آپ میرا ناق اڑا رہے ہیں۔“ معمراً دی بگد گیا۔

”سنت تو سی..... آپ سمجھے نہیں۔ وصیت میں یہی ہے ناکر دولت کا جسم جسمہ لے جو نکوں پر صرف کر دیا جائے لیکن ان کے مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ اس کے بارے میں وہ سچھ نہیں کہتی۔ غالباً جو نکوں کے بعد آپ ہی لوگ جائیداد کے وارث ہوں گے اور جو کو سر پرست یعنی یہ خاکسار اپنے اعزازی عہدے سے سکدوش ہو جائے گا۔“

”شاید آپ کے دماغ میں بھی خلل ہے۔“ معمراً دی نے کہا۔

”چلنے یہی سی.....!“ فریدی ہنس کر بولا۔ ”میں سرخندوم کی وصیت کا احترام کروں گا..... خواہ وہ پاگل بن ہو یا اس سے بھی بُری کوئی چیز.....!“

”لیکن آپ ان گندے کیڑوں کو یہاں نہیں رکھ سکیں گے۔“ مودہ جو نکوں کے مریضا طرف اشارہ کر کے جھلائی ہوئی آواز میں بولا۔

”ویکھے جناب!“ حمید نے اپنی ٹھوڑی کھجاتے ہوئے کہا۔ ”آپ ان معزز جو نکو تو ہیں کر سکتے۔ ان میں سے ایک تو یقیناً لیڈی کہلانے کی مسحت ہوگی۔ ایک ناٹ کی اونٹ کی بناء پر۔“

”معمر آدمی دانت پیس کر رہا گیا۔

”آپ کو ہماری وجہ سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔“ فریدی نے بڑے نرم لمحے میں کہا۔

”میں سب سمجھتا ہوں.....!“ معمراً دی سر پہلا کر بولا۔ ”آپ کوشہ ہے آپ کچھ کہم میں سے ہی کسی نے مہمان خانے میں آگ لگائی تھی۔“

”اگر آپ سرخندوم کو پاگل تصور کرتے ہیں تو یقیناً مجھے یہی سوچنا چاہئے۔“

”نہیں وہ پاگل نہیں تھے۔“ معمراً دی نے جلا کر کہا۔

”تب پھر یہ وصیت سو فیصدی جائز ہے۔“

”قانون اسے ناجائز قرار دے گا۔“ وہ کرسی کے ہتھے پر ہاتھ مار کر بولا۔

”اوہ! مجھے اس کی فکر نہیں جب تک قانون فیصلہ کرے گا مجھے یہیں رہنا ہو گا۔“ ہو سکتا ہے کہ اس سے پہلے ہی جو نکیں مر جائیں۔ پھر سب کچھ آپ ہی کا ہے۔“

”یہ بھروسہ جائیں گی۔“ دروازے کے قریب سے ایک غصیلی آواز آئی۔ وہ جو نک کر مژہ سے صوفیہ اپنے ہاتھ میں ایک وزنی سا ہٹھوار لئے کھڑی تھی۔

”نمکن..... نمکن.....“ حمید نے جھپٹ کر مریضا میز سے اٹھا لیا۔ ”انہیں زندہ رہنا..... یہ غیر قابل معزز جو نکیں..... ان میں یقیناً ایک لیڈی ہے۔“

”صوفیہ.....!“ معمراً دی کی تیز آواز کرے میں گوئی۔

”آپ نہیں سمجھتے۔“ صوفیہ نے کہا۔ ”یہ لوگ ہمیں پریشان کرنا چاہتے ہیں۔“

”میں سمجھتا ہوں..... تم اندر جاؤ۔“

”خیر پھر سکی“ صوفیہ حمید کو گھوڑتی ہوئی چل گئی۔ اس بار پھر حمید کو اس آدمی پر تاؤ آیا۔

”یہ سب بچے بہت شیطان ہیں۔“ معمراً دی نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”مجھے شریرنے پسند ہیں۔“ فریدی کی جوابی مسکراہٹ اس سے بھی زیادہ معنی خیز تھی۔

فریدی اور حمید سچھ چھ یہاں قیام کرنے کے لئے آئے تھے لہذا انہیں دنیا کی کوئی طاقت میں نہیں روک سکتی تھی۔ انہوں نے اپنے قیام کے لئے وہی کمرے منتخب کئے جن کا تعلق

سے فرخندوم سے تھا۔ گھر والوں نے نہ انہیں دوپہر کے کھانے کے لئے پوچھا اور نہ شام کی سے کے لئے نہ فوکر بھی کافی بچھے نظر آ رہے تھے۔ حکم مانا تو الگ رہا وہ ان کا نوٹس ہیں لیتے تھے۔ مجبوراً فریدی کو اپنے دونوں کلوانے پڑے۔ یہ رنگ دیکھ کر حمید بور ہونے لگا بلوہ کچھا تھا کہ شاید سرخندوم کے خاندان والے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

”اے جو نکوں کے مر بی۔“ اس نے فریدی سے کہا۔ ”میں خود کو اچھوت محسوس کرنے لگاں۔ اگر اجازت ہو تو میں دل بہلانے کے لئے برخورد ار بغا خاں کو یہاں لاوں۔“

”نہیں۔ بہت زیادہ متعملکے خیز بننے کی ضرورت نہیں۔ لیکن میں تمہیں گھر بھیجا چاہتا ہوں۔“

”میں انتہائی درجہ شکر گذار ہوں گا۔“

”تم غلط سمجھے! تمہیں چھٹی نہیں دے رہا ہوں۔ تجربہ گاہ سے ایم کی فورٹین کی بوتل اور گوشت کے دو قین مکملے بھی۔ ورنہ ہم رات کو باہر نہیں نکل سکیں گے۔“
”کیوں.....؟“

”ان کے رکھوالي کرنے والے کتنے معلوم ہوتے ہیں۔ اگر یہ رات کو کپڑا نہیں تھی۔“
”چھوڑے گئے تو باہر نکلنا دشوار ہو گا۔“

”باہر نکلنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟“

”بکومت..... کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تجھیہاں جو نکلوں کی پروش کرنے آیا ہوں۔“
”فریڈی تھی۔ پھر اس نے جیب سے تاریخ نکالی اور طبے کے ایک ڈھیر پر جھک پڑا۔ تاریخ کی ننی کی ایک باریک سی لکیر آہستہ آہستہ ادھر ادھر ریگ رہی تھی۔“

”وہ ہمیں پریشان کر سکتی ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”مگر میں تمہاری صلاحیتوں حمید چپ چاپ فریدی کے ساتھ ادھر سے ادھر حرکت کر رہا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ طرف سے کبھی مایوس نہیں ہو سکتا۔“

”لکھجہ گز بھر کا ہو گیا۔“ حمید نے خود ہی اپنی پیٹھ ٹھوکلتے ہوئے کہا۔
”لچھا ہم..... اب جلدی سے جاؤ۔ سورج غروب ہونے سے پہلے ہی ہمیں،“ ایک دبے ہوئے ادھر جلنے والے دروازے کو ڈھیر سے نکالا۔ چند لمحے اس کا جائزہ لیتا رہا پھر تیاریاں مکمل کر لیتی ہیں۔“

”حید چند لمحے فریدی کو عجیب نظروں سے دیکھتا رہا پھر باہر چلا گیا۔“

”یہ کون ہے۔“ اچانک اس نے آہستہ سے کہا اور ایک طرف ہٹ گیا۔

”کھڑ.....؟“ حمید نے چوک کر پوچھا۔

فریدی نے ایک طرف اندر ہرے میں اشارہ کیا اور پھر حمید وہاں تھا رہ گیا۔..... فریدی کی طرف اندر ہرے میں ریگ گیا تھا۔

دفعہ حمید کے دامنے شانے سے کوئی چیز زور سے نکل رہی۔ ایک ہلاکا سادھا کر ہوا دامن پر آنچھی کی محسوس ہوئی اور حمید لاکھڑا گیا۔ پھر اس کی پیٹھ پر بھی ویسا ہی ایک دھماکہ ہوا اور ”اوٹھے منزد میں پر گر پڑا۔“ کہیں بیہوش پڑے ہوئے تھے۔ فریدی کا خیال تھا کہ صبح سے قبل اگر وہ ہوش میں آ جائی۔

اندھیرے میں کون؟

کپاٹ میں گھری تاریکی مسلط تھی۔ فریدی اور حمید دروازہ کھول کر دبے پاؤں باہر چاروں طرف گھرا سنا تھا۔ کتوں کا انتظام وہ پہلے ہی کر چکے تھے اور شاید وہ کپاٹ میں چالا کر کیمیں بیہوش پڑے ہوئے تھے۔ فریدی کا خیال تھا کہ صبح سے قبل اگر وہ ہوش میں آ جائی۔

”گولی گلی.....!“ اس کے ذہن نے تیزی سے دھرایا اور پھر اس کا سر گھونٹنے لگا۔

پسلی میں گولی..... پھیپھڑے میں گھس گئی ہوگی..... پھر موت..... اس کا دم گکھا۔ لیکن پھر اس نے محوس کیا کہ تکلیف کا احساس نہ تو شانے میں ہے اور نہ پسلی عین میں۔

یہ کیا ہوا اور بارود کے ذخیرے تک اس کی چنگاریاں پہنچ گئی ہوں۔“

”اور یہ قلعی درست نظریہ ہے۔“ صوفیہ اپنی چلنون کی جیسیں ٹوٹی ہوئی بولی۔ ”اس کے یہ اور کچھ نہیں ہوا.....!“

”تم کس طرح کہہ سکتی ہو۔“

”اس طرح.....!“ صوفیہ نے جیب سے کوئی چیز نکال کر حمید کے پیر کے پاس ٹھیک دی۔

کہا اور حمید اچھل کر پہنچے ہٹ گیا۔ صوفیہ ہٹنے لگی۔

”شرارت بند کرو..... جو میں پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

”تم نے کیا پوچھا تھا۔“

”تمہارا شہر کسی پر ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”کسی پر بھی نہیں۔“

”میں گرووالوں کے متعلق نہیں پوچھ رہا ہوں۔“

”تو کوئی باہری بھی کپاڈ میں داخل ہونے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ ہمارے کتنے بہت

پھرزوہ بے بسی سے ہٹنے لگی۔

”حید تم زندہ ہو یا مر گئے۔“ اس نے فریدی کا ہلکا ساتھ تھہ سنا۔ حید آواز کی طرز فریدی کسی کو دونوں ہاتھوں سے کپڑے ہوئے تھا۔

”لاحوال ولائقہ..... پٹاخ.....!“ وہ آہتہ سے بڑا بڑا۔

پھر قریب عی اسے اس قسم کی آواز میں سنائی دیں جیسے دو آدمی ایک دوسرے۔

پڑے ہوں۔

”یہ شریڑ لڑکی.....!“ فریدی ہنستا ہوا بولا۔

”چھوڑو مجھے۔“ حید نے ایک نسوائی آواز سنی جو صوفیہ کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتا۔

”تمہیں شاید سرخداوم کے قاتل سے ہمدردی ہے۔“ فریدی بولا۔

”میں نہیں جانتی! تم لوگ یہی سمجھتے ہو کہ چچا جان کو ہم لوگوں نے مار ڈالا ہے۔“

لئے یہاں آئے ہو..... مگر یہ بکواس ہے..... ہم سب انہیں بے حد چاہتے تھے۔

”تم صرف اپنے متعلق اتنے دشوق سے کہہ سکتی ہو۔“ فریدی بولا۔

”میں سب کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ ان میں پلی بڑھی ہوں۔ کوئی اتنا کمی نہیں۔“

”میں یہ تو نہیں کہتا کہ وہ خاندان ہی کا کوئی فرد ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”پھر اس طرح چوری چھپے تحقیقات کا کیا مطلب.....!“ صوفیہ بال کی کھال لا تل گئی تھی۔

”مغض اس لئے کہ میں سرکاری طور پر کام نہیں کر رہا۔“ فریدی نے کہا۔ ”پلیا

صوفیہ سوچ میں پڑ گئی۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی۔ ”تم صاف صاف کیوں نہیں

لے رہے کہ تمہیں خاندان ہی کے کسی آدمی پر شبہ ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی باہری یہ حرکت کیوں کرنے لگا۔“

”بیویوں کر دیا.....!“ صوفیہ اچھل کر بولی۔

”ہاں..... اور اسی طرح کوئی دوسرا بھی کپاڈ میں داخل ہو سکتا ہے۔“

صوفیہ سوچ میں پڑ گئی۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی۔ ”تم صاف صاف کیوں نہیں

لے رہے کہ تمہیں خاندان ہی کے کسی آدمی پر شبہ ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی باہری یہ حرکت کیوں کرنے لگا۔“

”تم کافی سمجھ دار ہو..... ہاں میں بھی سمجھتا ہوں۔“

”تو پھر..... وہ تو میں بھی ہو سکتی ہوں۔ کیونکہ پچھا جان مجھے سب سے زیادہ تھے..... اور اکثر کہا کرتے تھے کہ جائیداد کا سب سے بڑا حصہ مجھے ہی دیں گے۔“

”تم.....!“ فریدی انتہائی سنجیدگی سے بولا۔ ”ہرگز نہیں..... تم سرخندوم کی قاتل ہو سکتیں۔ اگر تم کسی کو قتل کر سکتی تو پھر فرشتوں پر بھی اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔“

”کیوں..... کوئی پیشانی پر تو پچھکا نہیں ہے۔“

”تمہاری پیشانی پر لکھا ہے..... صرف ایک لفظ..... وفادار..... تم سرخندوم کیلئے اپنے بھی دے سکتی تھیں اور میں نے یہ لفظ پورے خاندان میں صرف تمہاری ہی پیشانی پر دیکھا۔

فریدی کا تیر پیشانی پر بیٹھا تھا۔ صوفیہ کے ہوتوں کے گوشے کا نپ رہے تھے اور وہ آپ پھاڑ کر ان آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی جو پھوٹ پہنچ کیلئے اکٹھا ہو رہے تھے۔

”تم سرخندوم سے بے انتہا محبت کرتی تھیں۔“ فریدی نے تپتے ہوئے لوہے پر

ضرب لگائی اور صوفیہ کے چچے پھوٹ کرو نے لگی۔ وہ بہت زیادہ جذباتی معلوم ہوا لیکن ساتھ ہی ساتھ خود آگاہ بھی۔ کیونکہ اس نے فوراً ہی اپنی حالت پر تابو پالیا اور اسکے علمون ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی اس حرکت پر بہت زیادہ شرمدہ ہو۔

”پہلے مجھے صرف شب تھا..... لیکن اب۔“ فریدی قدرے توقف کے ساتھ بولا۔ بے یقین ہو گیا ہے کہ سرخندوم کا جل کر منا اتفاقی نہیں تھا۔ اگر وہ آگ کے زرنے سے لا پاہتے تو نہیں نکل سکتے تھے۔

”کیوں.....؟“ صوفیہ چونک پڑی۔

”سارے دروازے باہر کی طرف سے بولٹ کر دیئے گئے تھے۔“

”یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔“

فریدی نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد پا

”باہر کے سارے دروازے سرخ رنگ کے تھے نا.....!“

”ہاں..... آں.....!“

”تو آؤ..... میں تمہیں دکھاؤں۔“

”وہ پھر بلے کے ڈھیزوں کے قریب آگئے۔ فریدی نے اُسے سرخ رنگ کے تین واڑے دکھائے، جو دونوں طرف سے بولٹ تھے۔ حمید حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے اُس نے بھی اُسے ان دروازوں کو الٹتے پلتے دیکھا تھا لیکن یہ بات اس کی بجھ میں نہیں آئی۔ اُس کا مقصد کیا تھا۔

”کسی نے بھی اسکی طرف دھیاں نہیں دیا۔“ صوفیہ فریدی کی طرف مڑ کر آہستہ سے بولی۔ ”بہر حال تم اُسے کیا کہو گی۔“

”ہو سکتا ہے کہ بعد کو کسی نے بولٹ کر دیا ہو۔“

”ناممکن..... میں نے انہیں بلے کے نیچے سے نکلا ہے۔“

صوفیہ کسی سوچ میں پڑ گئی۔ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”کچھ بھی ہو..... میں یہ ماننے کیلئے تیار نہیں کر گھر والوں میں سے کسی نے یہ حرکت کی ہے۔“

”میں تمہیں منوانا بھی نہیں چاہتا اور نہ فی الحال خود ہی اس پر یقین کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی میں صرف اتفاقی حادثہ یا سازش پر غور کر رہا ہوں۔“

”اور اس کے لئے آپ نے چوروں کا ساطریقتہ اختیار کیا ہے۔“ صوفیہ نے طنز کہا۔

”ذمہ داری ہے..... میں اس سلسلے میں شور و شر نہیں چاہتا۔“

”کیوں.....!“

”تم لوگوں کی پریشانیاں بڑھ جائیں گی۔ سرخندوم کی وصیت پلک میں آجائے گی۔“

خبرات نہیں حاشیہ آرائیاں کریں گے۔“

”وہ تو ہو کر رہے گا۔ ناصر چغا عدالت کا دروازہ ضرور لکھتا گیں گے۔“

”ناممکن.....!“ فریدی سکرا کر بولا۔ ”وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔ اس طرح وہ سرخندوم کو پاگل ثابت کریں گے، جو پورے خاندان کے حق میں اچھا نہ ہوگا۔“

”تو آپ نے چاروں طرف سے بچانس لیا ہے۔“

”میں نے۔“ فریدی نے حیرت سے کہا۔ ”تین تو... یہ کام تو سرمندوم ہی نے کیا۔

اچانک فریدی خاموش ہو گیا اور اس کے منہ سے تھر آمیز آواز لکلی۔

”کون ہے؟“ اس نے بلند آواز میں پوچھا۔

پھر بلے کے ڈھیروں کی دوسرا طرف سے کچھ اس قسم کی آواز آئی جیسے کوئی پھر ہو۔ دوسرا بھی لمحے میں ایک تاریک سایہ تیزی سے دوڑتا ہوا ہندی کی باڑھ پھلانگ گیا۔

”دھبرو... ورنگولی ماردوں گا۔“ فریدی نے گرج کر کہا۔

بھاگنے والا رکانیں۔ وہ عقیقی پارک کی طرف دوڑ رہا تھا۔ فریدی بھی ہندی کی باڑھ پھلانگ چکا تھا۔ اس کی پیچھے حمید بھی پکا اور شاید صوفیہ بھی اس کے ساتھ ہی دوڑ رہی تھی۔

اصبل کے قریب اگی ہوئی مالتی کی بے ترتیب جھاڑیوں نے کئی بار فریدی کی راہ اور اس دوران میں بھاگنے والا احاطہ کی دیوار تک پہنچ گیا جس کی اوچائی پانچ یا چھٹ زیادہ نہیں تھی۔ فریدی اب بھی شائد آدھے فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہوا

والا دیوار پر چڑھنے لگا۔

اور اس دوران میں بھاگنے والا احاطہ کی دیوار تک پہنچ گیا جس کی اوچائی پانچ یا چھٹ

بھاگنے والا دیوار پر چڑھ کر دوسرا طرف کو دیکھا۔

فریدی نے گولی مارنے کی دھمکی دی تھی۔ حقیقتاً اس کی جیب میں ریالور موجود نہیں۔

غمود کا بھائی جس نے آج صح فریدی سے وصیت کے متعلق گفتگو کی تھی۔ دوسرا مششاد۔

غمود کی بہن کا لٹکا۔ فضائیہ میں پائیٹ تھا۔ تیرا فرحان۔ ناصر کا لٹکا۔

وہ لاثین جھلاتے ہوئے پیپ چاپ واپس چلے گئے۔

وہ لاثین جھلاتے ہوئے پیپ چاپ واپس چلے گئے۔

وہ لاثین جھلاتے ہوئے پیپ چاپ واپس چلے گئے۔

وہ لاثین جھلاتے ہوئے پیپ چاپ واپس چلے گئے۔

وہ لاثین جھلاتے ہوئے پیپ چاپ واپس چلے گئے۔

وہ لاثین جھلاتے ہوئے پیپ چاپ واپس چلے گئے۔

وہ لاثین جھلاتے ہوئے پیپ چاپ واپس چلے گئے۔

وہ لاثین جھلاتے ہوئے پیپ چاپ واپس چلے گئے۔

وہ لاثین جھلاتے ہوئے پیپ چاپ واپس چلے گئے۔

وہ لاثین جھلاتے ہوئے پیپ چاپ واپس چلے گئے۔

وہ لاثین جھلاتے ہوئے پیپ چاپ واپس چلے گئے۔

وہ لاثین جھلاتے ہوئے پیپ چاپ واپس چلے گئے۔

وہ لاثین جھلاتے ہوئے پیپ چاپ واپس چلے گئے۔

وہ لاثین جھلاتے ہوئے پیپ چاپ واپس چلے گئے۔

”دکرنے کرو..... میرے ساتھ آؤ۔“

وہ دنوں چلے گئے۔ حمید تھارہ گیا۔ اس نے تو کروں کے کوازڑ میں روشنی دیکھی۔

پھر دروازے چڑھا کر کھلے اور تین لاثین اندر ہرے میں جھونے لگیں۔

”کون ہے؟“ کسی نے پیچ کر کہا۔

ہمیشہ پچھنے بولا۔ اور نہ اس نے اپنی جگہ سے حرکت کی۔ تین آدمی ہاتھوں میں

لاثین لئے دور کھڑے بھینھنارے ہے تھے۔

”کون ہے؟“ کسی نے پھر ہالک لگائی اور پھر وہ تینوں حمید کی طرف بڑھے۔ حمید پھر بھی

بھاگنے والا رکانیں۔ وہ عقیقی پارک کی طرف دوڑ رہا تھا۔ فریدی بھی ہندی کی باڑھ پھلانگ گیا۔

”دھبرو... ورنگولی ماردوں گا۔“ فریدی نے گرج کر کہا۔

”اندر جاؤ.....!“ حمید نے تکامناہ لبھے میں کہا۔ ”میں تفریخ کر رہا ہوں۔“

وہ لاثین جھلاتے ہوئے پیپ چاپ واپس چلے گئے۔

حمدی احاطے کی دیوار کی گمراہی کر رہا تھا۔ اسے لیکن تھا کہ وہ بھاگنے والا گھر ہی والوں

مل سے کوئی رہا ہوگا۔ سرمندوم کے خاندان میں اس وقت بھی چار مرد تھے ایک تو ناصر۔ سر

فریدی نے گولی مارنے کی دھمکی دی تھی۔ حقیقتاً اس کی جیب میں ریالور موجود نہیں۔

غمود کا بھائی جس نے آج صح فریدی سے وصیت کے متعلق گفتگو کی تھی۔ دوسرا مششاد۔

غمود کی بہن کا لٹکا۔ فضائیہ میں پائیٹ تھا۔ تیرا فرحان۔ ناصر کا لٹکا۔

فریدی جہاں تھا وہیں رک گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اب تھا قبضو ہے۔ کیونکہ احاطے

تمیں پھر وہیں رک کر دیکھا۔

تھا۔ اس کی طرف مڑا۔ ”میں گھروں کو چیک کروں گا۔“

آری تھی۔ فریدی تھا۔ حمید کے قریب پہنچ کر اس نے تشویش آمیز لبھے میں کہا۔

”خاندان کے سارے لوگ موجود ہیں۔ وہ سب سور ہے تھے۔ آؤ واپس چلیں۔“

”سب..... سور ہے..... ہوں گے.....“ صوفیہ نے کہا۔

برآمدے میں گھر کے سارے افراد موجود تھے۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا کہ چہرے پر جلاہٹ کے آثار نہ رہے ہوں۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر ان میں سے مٹھیاں کسی نہیں اور ناصر کے چہرے سے تو ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ کچا کھا جائے گا۔

”آخر یہ سب کیا نویت ہے۔“ شمشاد نے جملے ہوئے لمحے میں کہا۔
”مجھے افسوس ہے۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔

”میں پوچھتا ہوں آپ چوروں کی طرح.....!“ ناصر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔
”مٹھیرے.....!“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”مجھے پورا یقین ہے کہ سرخدوم کو جار
کر ہلاک کیا گیا تھا۔“

”آپ اس طرح دھماکہ کر..... نہ جانے کیا کرنا چاہتے ہیں۔“ ناصر کی آواز تیز ہوگی
”سرخدوم کو مہمان خانے میں قید کیا گیا تھا۔“ فریدی ان کے چہروں کو گھوڑتا ہوا
سے بولا۔

”کیا بکواس ہے۔“ شمشاد بڑا یا۔

”بکواس نہیں حقیقت..... باہر سے سارے دروازے بولٹ کر دیئے گئے تاکہ وہ
بھاگ نہ سکیں۔“

”کیا.....؟“ ناصر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

اور پھر چند لمحوں کے لئے اس قسم کا سناٹا طاری ہو گیا جیسے وہ سب اس کی لاش کا
کھڑے ہوں۔

فریدی اور حمید انہیں اسی حال میں چھوڑ کر اپنے کمروں کی طرف چلتے گئے۔

ایک مشتبہ آدمی

دوسری صبح نہ جانے کیوں حمید بڑی تھکن محسوس کر رہا تھا۔ ایک عجیب سی الحسن تھی۔ جسے
نہایت کے احساس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ فریدی صبح ہی سے غائب تھا۔ لیکن حمید
کے لئے یہ تاکید تھی کہ وہ ایک منٹ کے لئے بھی سرخدوم کی کوششی نہ چھوڑے۔

حمدی نگہ آگیا تھا وہ چاہتا تھا کہ جتنی جلد یہاں سے گلوخلاصی ہو اتنا ہی اچھا ہے۔ تین
خوبصورت اور جوان لڑکیوں کی موجودگی میں بھی وہ اس کوششی کے ماحول سے اکتا گیا تھا۔ بات
راصل یہ تھی کہ وہ ہر کس و ناکس کی تنفس آمیز نظروں سے نگاہ آگیا تھا۔
 حتیٰ کہ نوکر چاکر بھی انہیں گویا چھوٹ سے بھختے تھے۔

حمدی نے مسہری سے اٹھ کر ایک طویل انگڑائی لی اور غسل خانے کی طرف چلا گیا۔
 سرخدوم کے خاندان والوں نے اس کا نڈس بھی نہ لیا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اگر فریدی نے اپنے
نونکر بلوائے ہوتے تو یہاں بھوکے بھی مرنا پڑتا۔

منہ پر پانی کے چھینٹے مارتے وقت اُسے صوفیہ کا خیال آیا۔ اس کا قرب حقیقتاً ٹھٹھے
پانی کی طرح تازگی بخشتا تھا اور وہ خود اوس میں بھیگی ہوئی ٹھٹھی ہوا معلوم ہوتی تھی۔ وہ سوچنے
لگا کہ صوفیہ کو یقین آگیا ہے شاید اب وہ ان سے بیگانگی کا برداشت نہ کرے۔ خوبصورت لڑکیوں کی
سرد ہری اُسے بہت گراں گزرتی تھی اور کچھ غیر فطری سی بھی معلوم ہوتی تھی۔ کچھ ایسی ہی
غیر فطری جیسے گاب کا پھول بھنڈیوں کی سی ٹکل اختیار کرے۔

ٹاشتے کے بعد وہ برآمدے میں نکلا آیا۔ صبح بڑی خشگوار تھی۔ دھوپ میں ابھی گرمی نہیں
آئی تھی۔ حمید نے چاروں طرف دیکھا۔ برآمدے میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ ایک

آرام کر کی پہنچ کر اس کی پشت سے نکل گیا۔

نہ جانے کیوں اس کی الجھن اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔ ایسا عجیب و غریب اور بے سروپا کیم اسے آج تک نہ ملا تھا۔ کبھی کبھی تو اسے ایسا محسوس ہونے لگتا جیسے وہ کسی ڈرائیور کے ریسرول میں حصہ لے رہا ہو۔ فریدی کا خیال تھا کہ سرخدا نے اپنے لئے پہلے ہی خطرے کی بوسوگا تھی اسی لئے اس نے ایک ایسی بے تکلی و صیست مرتب کی جس کی بناء پر اس کی موت کو اتفاقیز سمجھا جاسکے۔ حمید کو فریدی کی اس رائے سے اتفاق تھا مگر کیا سرخدا نے معلوم تھا کہ ان کے خاندان ہی کا کوئی آدمی ان کی موت کا خواہاں ہے۔ کیا یہ ممکن ہے۔

حمدی اس کے آگے نہ سوچ سکا کیونکہ اس کی توجہ کا مرکز ایک بھاری بھر کم آدمی بن گیا تھا جو طویل روشن سے گزرتا ہوا برآمدے ہی کی طرف آ رہا تھا۔ اس کے سر پر فلت ہیئت تھی اور جسم پر ایک بہترین طور پر لیں کیا ہوا سوٹ۔ قمیض کے کالر کی بے داغ سفیدی دور ہی سے چمک رہی تھی۔ پورچ میں پہنچ کر وہ اچانک رک گیا۔ وہ حمید کو تھیر آمیز نظروں سے گھور رہا تھا۔

حمدی کے ہوتوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ حمید اسے ہزاروں میں پہچان سکتا تھا۔

”ہیلو آفیسر.....!“ آنے والے نے کسی قسم کے جذبے کا اظہار کئے بغیر کہا۔

برآمدے میں پہنچ کر ایک بار پھر اس نے تینڈ کوٹھ لئے والی نظروں سے دیکھا۔

”ادھر کیسے.....!“ حمید نے پوچھا۔

ابنی جواب دینے کی وجہ سے اسے تکلی آمیز نظروں سے دیکھا رہا۔

”کیا تم مجھے یہاں دیکھ کر متھر ہو۔“ حمید نے پس کر کہا۔

ابنی نے لاپرواں کے اظہار کے لئے اپنے شانوں کو جنتش دی اور آہت سے بولा۔

”میں سمجھا..... لیکن مجھے اس کی پرواہ نہیں۔“

”تم کیا سمجھے اور تمہیں کس کی پرواہ نہیں۔“

”دیکھنے یہ معاملہ ایسا نہیں ہے کہ آپ ناگ نہیں اڑائیں۔“

”میں بالکل نہیں سمجھا۔“ حمید نے کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”کیا میں یہاں آپ کی موجودگی کا مقصد پوچھ سکتا ہوں۔“ ابھی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔
”مہماں ہوں۔“

”بہت خوب.....!“ ابھی طنزیہ مکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ”لیکن میں نے پہلے ہی اچھی طرح مضبوطی کر لی تھی۔“

حید کو ایک جبڑھری سی آئی وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ پھر نہ جانے کہ در سرخدا نے محسوس کیا جیسے اس کو دیکھ کر اس کے پیڑے کا رنگ اڑ گیا ہو۔

”اوہ..... ہو..... آپ.....!“ ناصر آہت سے بولا۔

”جی ہاں..... میں.....!“ ابھی نے گرج کر کہا اور کھڑا ہو گیا۔

”اندر چلے..... میرے ساتھ آئیے۔“ ناصر مضطربانہ انداز میں دروازے کی طرف مڑتا ہوا بولا۔

ابنی حید پر تھر آلوں نظر ذاتا ہوا ناصر کے پیچے چلا گیا۔

حید کی حرمت پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی۔ ابھی کوئی معزز آدمی نہیں تھا۔ وہ اس کی رگ گ سے واقف تھا۔ شہر کا مشہور بدمعاش صدر خاں جس کے کئی جوئے خانے پلتے تھے اور وہ پولیس والوں کو کافی رقم کھلاتا تھا۔

ایسی صورت میں حید کا برآمدے میں وکے رہنا ناممکنات میں سے تھا۔ وہ بھی اندر چلا گیا لیکن ناصر تک پہنچنا مشکل تھا۔ فریدی کی بھی ہدایت تھی کہ ان کے نجی معاملات میں دخل اندازی شکی جائے۔ مگر..... صدر سے جس قسم کی گفتگو ہوئی تھی اس کا تقاضا تھا کہ ایسے موئی پر چوکنار ہنا چاہئے۔ پھر صدر کو دیکھ کر ناصر کی گھبراہٹ آخر اس کا کیا مطلب تھا۔ وہ تھری سے کاریئر طے کرنے لگا۔ لیکن جیسے ہی وہ سرے پر مڑا اسے اس طرح رک جانا پڑا جیسے پوری ریکیں لگ گئی ہوں۔

صوفیہ اس کے کمرے کے دروازے پر جھکی ہوئی تھی اور اس کا انہاک اتنا بڑھا ہوا تھا کہ

اسے حمید کے آنے تک کی خبر نہ ہوئی۔ وہ ایک مڑے ہوئے تار کی مدد سے دروازے کاٹ کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی پتلون کی جیب میں پڑے ہوئے ہتھوڑے کا دستہ جبرا صاف نظر آ رہا تھا۔

”لاو..... مجھے دو..... میں کھول دوں۔“ حمید آگے کی طرف جھلکتا ہوا آہست سے بولا صوفی اچھل کر چھپے ہٹ گئی۔ پہلے تو اس کی آنکھیں خوفزدہ ہی ہو گئیں پھر اس نے ایک جھینپا جھینپا سا قہقہہ لگایا۔

پھر وہ ایک جو نک نکال کر میز پر ڈالتا اور کہتا گیا۔ ”مادام بواری، ہی لوزیا، کلوپیرا..... ماڈ موزیل دیراں.....!“

”ہٹو..... تم کتنے گندے آدمی ہو۔“ صوفیہ نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولی۔

لیکن حمید کی سنجیدگی میں ذراہ برابر بھی فرق نہ آیا تھا۔ اس نے اس طرح اپنے ہونٹوں انگلی رکھ لی جیسے خود بھی اس چوری میں شریک ہو۔ پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر تار صوفیہ سے لیا۔ ”ردنداک ہو گئی۔ وہ اسے چند لمحے مغموم نظرؤں سے دیکھتا رہا پھر ایک سرد آہ ٹھنچ کر بولا۔“ ان قفل پر جھک پڑا۔ ٹھوڑی ہی جدو جہد کے بعد قفل کھل گیا۔ اب حمید نے دروازے کو دھکا د لوگوں نے مجھے پاگل بنا رکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ تم سار جنت حمید ہو آہ..... کیا بد نصیب ہوں میں..... حالانکہ میری رعایا مجھے شہزادہ کم بخت عرف جادو کی بسری کے نام سے پکارتی تھی۔ رہا رکھو لتے ہوئے اسے اندر چلنے کا اشارہ کیا۔

ہواں دن کا کہ براؤن پری مجھ پر عاشق ہو کر کوہ کاف اخھالے گئی۔

”کیا واقعی دماغ جل گیا ہے۔“ صوفیہ حمید کو گھوڑ کر بولی۔

لیکن حمید اس کی پروادہ کئے بغیر بکتا رہا۔ ”کوہ کاف پیچ کر اصل حقیقت کھلی۔ معلوم ہوا کہ براؤن پری عاشق واشق کچھ بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس نے مجھے جھانسہ دیا تھا۔ واقعہ یوں تھا کہ جب بھی براؤن پری اثرے دیتی تو بچ نکلنے سے پہلے ہی بلیو بلیک دیوان کا آمیٹ یا مالیٹ ہا کر چڑ کر جاتا۔“

”براؤن پری..... اثرے..... بلیو بلیک دیو۔“ صوفیہ بے تھا شہر ہنسنے لگی۔

”براؤن پری۔“ حمید نے بکواس جاری رکھی۔ ”براؤن پری اس قدر رنگ آگئی تھی کہ اس کی ساری فرائیں ڈھیلی ہو کر رہ گئی تھیں۔ آخر اس کی ملاقات ایک تھیز یکل کمپنی کے نیجے سے ہو گئی۔ اس نامرا دنے براؤن پری کو میرا پتہ بتا دیا اور کہا کہ میرے علاوہ اور کوئی بلیو بلیک دیو کو نہ مار سکے گا۔ پس وہ Murderess of the World یعنی قاتل عالم مجھے کوہ کاف الحلا لگئی۔ قصہ کرتا مجھے بلیو بلیک دیو سے ایک خورزی جگ کرنی پڑی اور میں نے اس کے

صوفیہ نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر اس پر نظریں جو گنوں والے مریبان کی طرز ریگ گئیں جو میز پر رکھا ہوا تھا۔ ”ہم دونوں مل کر ایک ”پارٹر.....!“ حمید ایک گہری سانس لے کر شانے جھلکتا ہوا بولا۔ ”ہم دونوں مل کر ایک رات میں سارے شہر کو لوٹ سکتے ہیں۔“

صوفیہ پھر ہنسنے لگی اور پھر اس نے حمید کو با توں میں الجھا کر جیب سے ہتھوا نکال لیا۔ اسے اپنی پشت پر چھپائے ہوئے آہستہ آہستہ میز کی طرف کھکنے لگی۔

”اوی ہوں دوست“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”ٹھہر و.....!“ اس نے نہایت آنکھی سے ہتھوا اس کے ہاتھ سے لے لیا اور توقع کے خلاف صوبہ نے کوئی تعرض نہیں کیا۔ ”یہ جوکیں!“ حمید نے خوابناک انداز میں کہا۔ ”میرے لئے معزز ترین ہیں۔“

پیٹ میں اپنا فاؤنشن پین گھونپ کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ جب براؤن پری جسکے اثرے نہ ہو گئے تو اس حیلے جو بہانہ ساز نے مجھے اپنے اوپر عاشق کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ کہنے کے تجھے مس اندر اشینڈگ ہوئی تھی۔ میں تو تمہارے والد پر عاشق ہوئی تھی۔ دھوکے تھیں اٹھالائی، سن کر براؤن آیا۔ میں نے کہا تو اچھا اپنی صاحبزادی ملیک اینڈ وائٹ و عاشق ہونے کا موقع دو۔ وہ اس پر بھی رضا مند نہ ہوئی اور میرا تعارف ایک تحصیلدار کی سے کر دیا۔“

صوفیہ نہتی ہوئی ایک آرام کری میں ڈھیر ہو گئی۔

”بہیات بہیات.....!“ حمید نے اپنا سر پیٹھے ہوئے اپنا بیان جاری رکھلے ”تحصیل کی لڑکی پہلے ہی سے براؤن پری کے بیچھے سفید پرے پر عاشق تھی۔ سفید پراؤ دور سے امریکن اور قریب سے قلمی کیا ہوا مراد آبادی الگ الگ ان معلوم ہوتا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر تحصیلدار کی لڑکی پر عاشق ہوا تو وہاں پر اجھے اس قدر بور کرے گا کہ میں مر جاؤں گا۔۔۔ کم بخت جس کا بھی دشمن ہوتا اسے اپنے فرضی معاشوں کی اتنی دستائیں سناتا کروہ بیچارہ ہو کر یا تو خود کشی کر لیتا یا پھر شادیاں کرنا شروع کر دیتا۔ بہر حال تحصیلدار کی لڑکی نے تعارف اپنے سیاں سے کر دیا۔“

”اب تم مجھے بور کر رہے ہو۔“ صوفیہ اٹھتی ہوئی بولی۔

”یہ ابھی بچا ناصر کے ساتھ کون تھا۔“ حمید نے پوچھا۔

”کیوں..... تم سے مطلب۔ خیر چھوڑوا سے..... میں تم سے ایک سوال کرنا چاہوں گی۔

”مگر وہ اٹھمیک کانہ ہو۔“ حمید مسکرا کر بولا۔

”بچھلی رات بھاگنے والا کون تھا.....؟“

”پتے نہیں۔“

”گھر کے سب لوگ موجود تھے۔“ صوفیہ آہستہ سے بولی۔ ”کیا تم اب بھی گھر والا میں سے کسی پر شبہ کر دے گے۔“

”ہرگز نہیں..... لیکن یہ صدر بہاں کیوں آیا ہے۔“

”کون صدر.....!“

”تو ہی جو اس وقت ناصر صاحب کے ساتھ ہے۔“

”میں نہیں جانتی..... نہیں سے پوچھو۔“

”حید چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔“ ناصر صاحب تمہارے والد ہیں۔“

”کیوں؟..... نہیں تو..... میرے بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔“

”مگر تم یہ کیوں پوچھر رہے ہو۔“

”ان کا برنا تو تمہارے ساتھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔“

صوفیہ کچھ نہ بولی۔ اُس نے خاموشی سے ہمتوڑا اٹھایا اور باہر چل گئی۔ حمید بڑی دیر تک اس لڑکی کے متعلق سوچتا رہا۔

غالباً صدر جا چکا تھا..... حمید کرہ مغلل کر کے پھر برآمدے میں آ گیا۔ فریڈی ابھی تک نہیں آیا تھا..... حمید کی گھٹن بڑھتی گئی۔ وہ بچھلی شام کو بھی کہیں باہر نہیں جا سکا تھا اور آج بھی انکل بھاگنے کے امکانات نظر نہیں آ رہے تھے۔

وہ بڑی بے دلی سے پاپ سلاگا کر کری کی پشت سے نکل گیا۔ کچھ دیر بعد ناصر شاہزادے غائی کرتا ہوا برآمدے کی طرف آنکلا۔

”سنئے جناب۔“ وہ چند لمحے حمید کو گھورتے رہنے کے بعد بولا۔ ”آپ کو کوئی حق جاصل نہیں ہے کہ آپ میرے ملاقاتیوں کو روک کر ان سے گفتگو کریں۔“

”اتفاق سے وہ معزز آدمی میرا بھی ملاقاتی تھا۔“ حمید نے مسکرا کر کہا۔

”مجھے معلوم ہے کہ آپ لوگ کس چکر میں ہیں۔“

”یہ اور زیادہ خوشی کی بات ہے۔“

”تمہاری سخت بے عزتی ہو رہی ہے۔“ ناصر جھنجلا کر بولا۔

”یہ آپ اپنے بھائی صاحب سے کہئے جنہوں نے خواہ تجوہ اپنی دولت نہ صرف ہمارے

”ارے..... بھی بھی..... وہ تو چھوٹا لڑکا ہے..... آپ ناصر صاحب سے کہلوادیں کہ بڑاں آیا ہے۔“

”تشریف رکھئے..... میں اطلاع کئے دیتا ہوں۔“ حمید نے کہا اور رہداری میں ہولیا۔ اس کا ذہن ”دانش دانش“ کی گردان کر رہا تھا۔ آخر یہ کون تھا اور کہاں تھا۔ ابھی تک کیوں نہ معلوم ہوا کہ ناصر کا ایک لڑکا اور بھی ہے۔

وہ کہاں ہے؟

”دانش.....!“ فریدی آہستہ سے بڑا بڑا اور سگار سلاک کر جلتے ہوئے سرے پر نظریں میں۔

”آخراں کا نام ابھی تک ہمیں کیوں نہیں معلوم تھا۔“ حمید بولا۔ وہ فریدی سے صدر والا بھی یا ان کرچکا تھا فریدی چند لمحے سگار کے جلتے ہوئے سرے کو گھوڑتا رہا پھر بولا۔

”میں صح سے اب تک دانش بھی کے متعلق چھان بین کر رہا تھا۔“

”اور آپ نے مجھے پہلے نہیں بتایا۔“

”پہلے مجھے خود بھی نہیں معلوم تھا۔“ فریدی بولا۔ ”یہ تحقیقات کے دوران میں معلوم ہوا ناصر کے کلی لڑکا اور بھی ہے، جو واردات کی شام تک گھر میں دیکھا گیا تھا۔“

”اوہ..... اور اس کے بعد سے.....“ حمید آنکھیں نکال کر رہ گیا۔

”اتی جلدی نتائج اخذ کرنے کی کوشش نہ کرو۔“

”کیوں نہ ناصر کو نہ لالا جائے۔“

”نہیں..... فی الحال اس کی ضرورت نہیں..... دانش کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ ایک لڑکا کا آدمی ہے۔“

گلے لگادی بلکہ ہم پر چند جو گوں کی پروردش کا بھی بارڈاں دیا۔ ویسے ناصر صاحب کیا آپ سکتے ہیں کہ مرحوم نے وصیت نامے میں جو گوں کو کیوں شامل کیا۔“

”میرے پاس اتنا فال وقت نہیں ہے کہ میں ان لغויות میں سرکھاں۔“

ناصر نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

”کہیں یہ جو گلیں ایک قسم کا استعارہ تو نہیں۔“

”کیا مطلب.....!“ ناصر سے گھوننے لگا۔

”کچھ نہیں..... ذرا اس وقت خیالات کچھ شاعرانہ ہو رہے ہیں۔“

ناصر اسے قبرآلود نظروں سے دیکھتا رہا پھر گرج کر بولا۔ ”میں اب معاملے کو آ بڑھاؤں گا۔“

”ضرور بڑھائیے..... مجھے وہ گندے کیڑے ذرہ برابر بھی پسند نہیں۔“

ناصر کچھ کہے بغیر پھر واپس چلا گیا۔ حمید نے بجھا ہوا پاس پسلگایا اور پھر ذہنی طور پر کو مارنے لگا۔ ایسے اکتا دینے والے کیس سے پہلے بھی اس کا سابق نہیں پڑا تھا۔ کچھ دیر بہ اٹھنے کا ارادہ کریں رہا تھا کہ پورچ میں ایک کار آ کر رکی اور اس پر سے ادھیزیر عمر کا ایک مہا قسم کا کھدر پوشن اترا اور حمید کو یہ سوچ کر تعظیماً کھڑا ہو جانا پڑا کہ ممکن ہے کہ وہ کوئی بڑا بیا پار لیمنٹ کا ممبر ہو۔

”دانش صاحب ہیں۔“ اس نے حمید سے پوچھا۔

”دانش صاحب۔“ حمید ذہن پر زور دیتا ہوا بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ یہاں کوئی صاحب نہیں رہتے۔“

”کیا.....!“ نوادر گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ ”کیا کہا آپ نے کوئی دانش نہیں

”جی نہیں..... یہاں اس نام کا کوئی نہیں۔“

”دانش..... ناصر صاحب کے لڑکے..... سر مکھ دوم کے بھتیجے۔“

”جی نہیں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ ناصر صاحب کے لڑکے کا نام دانش نہیں فرمان۔“

”لیکن آپ نے یہ ساری معلومات کہاں سے بھی پہنچائیں۔“

”پڑوسیوں سے۔“

”اور پچھے.....!“

”اور ابھی کچھ بھی نہیں۔“ فریدی بجھا ہوا سگار ایک طرف اچھاتا ہوا بولا۔ ”میرے سرمندوم کا روایہ..... خطرہ پہلے سے لاحق ہونے کے باوجود بھی اس شخص نے چوہول کی طرح جان دے دی۔“

”اوہ..... تو آپ کا یہ خیال ہے کہ وہ مرائی نہیں۔“

”لاش..... ایک جلی ہوئی لاش..... آٹھ ہاؤز میں سرمندوم کے علاوہ اور کوئی نہیں رہتا تھا۔“

”بہر حال یہ کیس میخے ضرور پاگل بنادے گا،“ حمید نے پاپ سلاگتے ہوئے کہا۔

”کیوں.....؟“

”میں ان لوگوں کی تفہار آمیز نظریں نہیں برداشت کر سکتا۔“

فریدی کچھ نہ بولا..... اور پھر راستے بھراں کیس کے متعلق کوئی گفتگو نہ ہوئی۔

”کیوں..... کیا وصیت نامہ۔“ شہر پہنچ کر فریدی نے کیڈی صدر کے ہوٹل کے سامنے روک دی۔ یہ ہوٹل کچھ اس قسم کا

”چھوڑو.....“ فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”جنکیس اس کیس میں کسی ام

غار کے اگر اس کے ساتھ بار بھی نہ ہوتی تو لوگ اسے قابل اعتنا بھی نہ سمجھتے اور ویسے تو اس کی

گھرائیوں کے واقف کار شہر کے بہت بڑے بڑے لوگ تھے، درپرده یہاں ایک بہت بڑا قمار

غاز تھا..... اور شہر کے بہتیرے دولت مند یہاں جو اکھیتے تھے۔

”کیا تم داش سے واقف ہو۔“ فریدی نے صدر سے پوچھا۔

”میں کسی داش و انش کو نہیں جانتا اور نہ میں اسے پسند کرتا ہوں کہ آپ جیسے بزرگ

لوگ یہاں آنے کی تکلیف اٹھائیں۔“

و پکا ہے۔ اس وصیت نامے کی عدم موجودگی میں سرمندوم کی موتاتفاقیہ بھی جاتی مگر اب میں ایک قاتل کی تلاش ہے۔“

”اس کیس کا تبھیہ ترین مسئلہ۔“ حمید نے سوالی انداز میں کہا۔

”اور ابھی کچھ بھی نہیں۔“ فریدی بجھا ہوا سگار ایک طرف اچھاتا ہوا بولا۔ ”میرے

لی طرح جان دے دی۔“

”کیا میں بھی چلوں.....!“ حمید نے پوچھا۔

”ہاں..... اب تم چل سکتے ہو۔“

”کیوں اب کیا خاص بات ہو گئی۔“

”فکر نہ کرو..... جو کہوں وہ کرتے چلو۔“

”صوفیہ ان جو گنوں کو ختم کر دے گی۔“

”کیا تم انہیں بہت زیادہ اہمیت دیتے ہو۔“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا۔

”کیوں..... کیا وصیت نامہ۔“

”چھوڑو.....“ فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”جنکیس اس کیس میں کسی ام

”محض مذاق..... یا پھر سرمندوم کے اعزہ کے لئے ایک استخارہ۔ ہو سکتا ہے کہ

”پھر آخر ان کا مصرف کیا ہے۔“

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ باہر آئے۔ فریدی نے گیراج سے کیڈی ٹالا

وہ سڑک پر آ گئے۔ کیڈی کار خ شہر کی طرف تھا۔

”میں ان جو گنوں کے متعلق پوچھ رہا تھا۔“ حمید پاپ سے میں تمبا کو بھرتا ہوا بولا۔

”خاتم حقیقتاً اس کا کوئی عزیز ہی ہو۔“

”آپ نے کہا تھا کہ جو گنوں کے مر جانے کے بعد وصیت نامہ ساقط ہو جائے گا۔“

”مجھے اب وصیت نامے سے بھی کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی کیونکہ اب اس کا مطل

کہا۔ "سارجنٹ جمیڈ سے مکرانے کے بعد اُس نے یقیناً تمہیں سمجھانے بجھانے کی کوشش کی ہوگی۔ لیکن اصل حقیقت سے دور ہی رکھا ہوا۔ تم سمجھتے ہو گے شاکن ناصر نے ہم لوگوں کو محض تمہاری وجہ سے مدعا کیا ہے۔"

صدر اُسے اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"بھر کیا بات تھی۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"تم نے سرجنٹ جمیڈ سے کہا تھا کہ تم نے اپنی مضبوطی پہلے ہی کر لی تھی۔ یعنی غالباً تم نے انش سے پرونوٹ لکھوا لیا تھا..... مگر اب پرونوٹ بھی تمہیں تمہاری رقم والپس نہ دلا سکے گا۔"

"کیوں.....؟" صدر غرا کر بولا۔

"کیونکہ سرخندوم کی جائیداد کا مالک میں ہوں..... اس کے اعزہ نہیں..... وہ بھی اب میرے ہی رحم و کرم پر ہیں۔"

"نہ جانے آپ کہاں کی ہاں کر رہے ہیں۔" صدر بیساختہ ہنس پڑا۔

"ناصر سے پوچھلو۔" فریدی نے فون کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ گیا جہنم میں..... میں اُسے دیکھ لوں گا۔"

"ضرور دیکھ لیتا..... لیکن رقم وصول نہ ہو سکے گی..... کتنے روپے تھے۔"

"پندرہ ہزار..... میں نے پرونوٹ لکھوا لیا تھا۔ ایک ناہ گذر اُس کی مدت پوری ہو چکی ہے اور اب میں دعویٰ دائر کر سکتا ہوں۔"

"کیا فائدہ..... انش کی طرف سے مغلیٰ کی عذرداری ہو جائے اور پھر اگر وہ جیل بھی گایا تو اس کے اخراجات تمہارے ذمہ.....!"

"آخر کیوں..... کیا اب سرخندوم کی جائیداد کا مالک ناصر نہیں۔"

"ہرگز نہیں..... کہہ تو دیا کہ میں جب چاہوں اسے کوئی سے بھی نکال سکتا ہوں۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا۔"

"سرخندوم کی وصیت..... جس کی رو سے میں ان کی جائیداد کا مالک ہوں۔"

"آج خلطی ہوئی آئندہ بدوا نہیں گے۔" جمیڈ جھلا کر بولا۔

"کیا آپ نے مجھے بھی کسی بننے و نئے کا لوتا سمجھا ہے۔"

"کیا تم سرخندوم کے سبقتے داش کو نہیں جانتے۔" فریدی نے پھر پوچھا۔

"نہیں.....!"

"اور نہ اس سے کہی تمہارا لین دین رہا ہے۔"

"کیوں..... نہیں..... میں اسے جانتا ہی نہیں۔"

"کیا تم دو گواہوں کے سامنے بھی جلد ہر اسکو گے یا اسے بھی چھوڑو! مجھے لکھ کر کہ داش سے تمہارا کبھی کوئی لین دین نہیں رہا۔"

"میں کیوں لکھ کر دے دوں۔"

"حرج ہی کیا ہے..... جب تم اسے نہیں جانتے۔"

"دیکھے جناب میرے پاس بیکار وقت نہیں ہے۔"

"خیر.....!" فریدی لاپرواٹ سے بولا۔ "لیکن تمہیں داش سے جب بھی وصول ہو جا۔

تحق نہ رکھنی چاہئے۔"

"نہ جانے آپ کیا.....!"

فریدی اُس کی بات پر دھیان دیے بغیر واپس جانے کے لئے مڑا۔

"ٹھہریے.....!" صدر مضطربانہ انداز میں بولا۔

"فریدی رک گیا..... لیکن اس کی طرف مڑا نہیں۔"

"آپ لین دین کے متعلق کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"یونہی تفڑی جا.....!" فریدی اس طرف مڑ کر مسکرایا۔

"میں سمجھ گیا.....!" صدر آہستہ سے بڑا ہیا۔ پھر یک بیک اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

اس نے دانت پیس کر کہا۔ "ناصر دور خی جل رہا ہے۔"

"نہیں اتفاق سے اس بیچارے کا کوئی رخ ہی نہیں رہ گیا۔" فریدی نے سرد لمحہ

”سرخنوم آپ کے کون تھے۔“
”کوئی بھی نہیں۔“

صفدر نے جھلا کر فون کاریسیور اٹھایا اور شاید ناصر کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ پھر از ماڈ تھے چیز میں ناصر ہی کو مخاطب کیا۔ وہ اُس سے فریدی کی کہی ہوئی بات کے متعلق پر تھا..... پھر وہ ماڈ تھے چیز کو ہتھیل سے بند کر کے فریدی کی طرف مڑا۔
”ناصر تو اس سے انکار کرتا ہے۔“ اس نے کہا۔

”اوہ..... اب اس سے کہو کہ تمہیں یہ اطلاع یہر ٹھر جفری سے ملی ہے۔“ فریدی نے صدر نے ماڈ تھے چیز میں فریدی کا جملہ دہرایا..... اور پھر وہ اس کے بعد ”ہیلو میلہ کرتا رہ گیا۔ آخر اس نے جھلا کر ریسیور کو اسٹینڈ پر پڑھ دیا.....
”کیوں کیا ہوا.....؟“ فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

”سالے نے ایک گندی سی گالی دے کر سلسہ منقطع کر دیا۔“ صدر ہانپتا ہوا بولا۔
”مجھے یا تمہیں!“ فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

”پڑھنیں۔“ صدر بیزاری سے بولا۔ ”خیر میں سالے سے سمجھ لوں گا۔“

”سالے سے سمجھنا بہت مشکل ہے۔“ حمید نے مسکرا کر کہا۔

”تو آپ بتائیے نا کہ آپ کس طرح سرخنوم کی جائیداد کے مالک ہو سکتے ہیں۔“
جھنچھلا کر بولا۔

”سرخنوم کی وصیت کے مطابق۔“

”اوہ..... جب آپ سرخنوم کے کوئی نہیں تو سرخنوم کو پاؤں بھی ثابت کیا جاسکتا ہے۔
”کون کرے گا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”ناصر.....!“

”ہرگز نہیں کر سکتا..... اگر اس نے ایسا کیا تو اس کے ہھکڑیاں لگ جائیں گی۔“
”کیوں؟“

”جب سرخنوم پاگل تھے تو انہیں آتش بازی کے ذخیرے کے ساتھ مہمان خانے میں اکیوں چھوڑا گیا۔“

”صفدر کی آنکھیں حرمت سے پھیل گئیں۔“

”تو پھر میرا روپیہ ذوب گیا۔“ صدر آہستہ سے بولا۔

”نہیں یہ بھی ضروری نہیں..... بعض حالات میں تمہارا روپیہ واپس بھی ہو سکتا ہے۔“
”وہ حالات کیا ہوں گے۔“

”دانش کے متعلق میرے لئے صحیح معلومات بہم پہنچاؤ۔“

”کس قسم کی معلومات!“

”بھی کہ دانش اس وقت کہاں ہے۔“

”بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں..... وہ تو مجھے اسی شام کو دکھائی دیا جس رات کو کوئی کے شہازوں میں آگ لگی تھی۔“

”اوہ..... تو وہ اس شام کو دکھائی دیا تھا۔“

”بھی ہاں..... اور اس کے بعد سے آج تک میں نے اس کی شکل نہیں دیکھی۔ ٹھیک یاد..... اب تو میں ان سالوں کو چھانپی کے تختے پر ہی دیکھنا پسند کروں گا۔ ناصر سے آج میں دانش کے متعلق پوچھا تھا جس پر اس نے بتایا کہ وہ ایک ماہ قبل کہیں باہر گیا تھا اور اب تک مانیں آیا حالانکہ یہ بکواس ہے۔ میں نے حادثے کی شام کو اُسے دیکھا تھا۔ اس نے یہیں بپا تھی۔“

”تو تم ناصر سے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔“

”کیا تھا..... لیکن اس نے جواب دیا کہ دانش ایک ماہ سے گھر نہیں آیا۔“

”ہوں.....!“ فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”صفدر نے اب تک بولنا شروع کیا ہے۔“

”پندرہ ہزار کم نہیں ہوتے۔“ صدر فریدی کو گھوڑ کر بولا۔ ”میرے پاس پر ڈنوٹ!“

”ٹھیک ہے! اور وقت آنے پر تمہاری پائی پائی ادا ہو جائے گی۔ دیے کیا تم مجھے وہ

جگہیں بتاسکتے ہو جہاں دانش کے ملنے کے امکانات ہوں۔“

”کیوں.....!“

”میرا خیال ہے کہ سرمندوم کی موت اتفاقی نہیں تھی۔“

”ہام.....!“

”تب تو پھر یہ حرکت دانش ہی نے کی ہوگی۔“ وہ کچھ دیر بعد بولا۔

”کیوں.....?“

”ٹھہریے بتاتا ہوں.....“ صدر نے کہا اور گھنٹی کا بٹن دبانتے لگا۔

”ہوڑی دیر بعد ایک آدمی بھاگتا ہوا کاؤٹر کی طرف آیا۔

”جگد ل کو سمجھو.....!“

”تلن منٹ بعد ایک نوجوان اور گرافیل آدمی کاؤٹر کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

ظاہری حالت ہی سے خاصابدمعاش معلوم ہوتا تھا۔

”بیچلی بارتم سے اور دانش سے کیا باتیں ہوئی تھیں۔“

آنے والے نے مجس نظروں سے فریدی اور حمید کی طرف دیکھا اور اپنی دانش

کھجانے لگا۔

”باتاو.....کیا باتیں ہوئی تھیں۔“

”ارے ٹناب دانش صاحب سکھوڑی کرتا تھا۔“

”باتاوا.....!“

”وہ کچھ دیر چپ رہا پھر بولا۔“

”دانش صاحب بولا تھا..... ہمارے چاچا کوئی کروڑ

ہمار روپیہ دوں گا۔“

”خی.....!“

”ہاں ہاں.....خی.....!“

”مراد قتل ہے۔“

”بھر تم نے کیا کیا.....!“ فریدی نے پوچھا۔

”ہم کیا بولتا صاحب..... دانش صاحب نے میں تھا.....!“

”تم نے کچھ کہا ہی نہیں۔“

”صاحب ہم بھی سکھوڑی کیا۔ ہم بولا پہلے دس ہزار دلواؤ..... پھر دانش صاحب ہم کو بیٹھرا دکھایا۔ بولا وہ کھد اپنے چاچا کوئی کوئی کرے گا۔ ہم بولا..... چھرا مارنے کو جو رہائے..... تاکت جا ہے..... دانش صاحب بولا وہ اپنے چاچا کے گھر آگ لگادے گا۔“

”تم جانتے ہو آج کل دانش کہاں ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں ٹناب.....!“

کھڑکی سے زمین تک

صدر کے ہوٹل سے نکل کر وہ سیٹھ مڈا مل کے یہاں پہنچے۔ لیکن دانش کا سراغ وہاں بھی لے سکا۔ البتہ اتنا ضرور ہو گیا کہ دانش نے پروٹ پر آٹھ ہزار روپے اس سے بھی لے لئے۔ واپسی پر حمید نے کہا۔ ”آخر یہ لوگ کتنے گدھے ہیں کہ انہوں نے کسی صفات کے بغیر سے روپے دے دیے تھے۔“

”صفات کے لئے محض اتنا ہی کافی تھا کہ وہ سرمندوم کا بھتیجا ہے اور سرمندوم کے کوئی لاویں۔“ فریدی بولا۔

”تو اسکا یہ مطلب ہوا کہ سرمندوم نے پہلے بھی کبھی ان لوگوں کے قرض ادا کئے ہوں گے۔“ ”ہو سکتا ہے۔“

”لیکن دانش غائب ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ پولیس اسے اتفاقیہ حادثہ قرار دے پہلی تھی۔“ ”جگد ل کا بیان یاد کرو.....“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اس نے اس سے اپنے چاچا کی

متعلق جو خیال ظاہر کیا تھا کیا وہ اس کے پھنسادنے کے لئے کافی نہیں۔“
”تو پھر..... پچھلی رات والا پراسرار آدمی دانش ہی تھا۔“
”ممکن ہے۔“

”ہو سکتا ہے کہ وہ جھگٹل ہی میں چھپا ہو۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ پھر سرخودم کی کوئی واپس آگئے۔ لیکن فریدی کیڈی اندر نہیں۔ لیکن
”پھاٹک کے چوکیدار کو یہاں بلاو۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔

اس نے کیڈی باہر ہی چہار دیواری کے نیچے روک دی تھی۔ تھوڑی دیر بعد حمید چوکیدار ہت مارتے ہیں۔ ”فریدی بولا۔“
ساتھ لئے ہوئے واپس آگیا۔

فریدی چند لمحے چوکیدار کو گھورتا رہا پھر بولا۔ ”تم جانتے ہو کہ ہم لوگ پولیس کے آدمی ہیں۔“
”جی..... بھجو۔!“

”جس رات آگ لگی تھی تم کہاں تھے؟“

”یہیں پھاٹک پر۔!“

”تم نے آگ لگتے تو دیکھا ہی ہوگا۔“

”نہیں سرکار..... میں سورہا تھا۔“

”تو تمہیں پھاٹک پر سونے کی تجوہ ملتی ہے۔“

”رات کو جاگ کر میں نے کبھی پہر انہیں دیا۔ پڑے صاحب کہتے تھے اس کے لئے۔“

”میں کا پچھی ہیں۔“

”تم کس وقت سوئے تھے۔“

”ساست ایک بجے۔“

”اس سے پہلے کوئی باہر سے آیا تھا۔“

”جج..... جی..... نہیں۔“

”گھر کا کوئی آدمی۔“

”نہیں سرکار۔“

”جھوٹ بولتے ہو۔“

”مم..... نہیں بھجو۔!“

”اے لے جا کر بند کر دو۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔

”دربان گزگزانے لگا۔“

”اگر تم میری باتوں کا صحیح جواب دو گے تو کئی مصیبتوں سے نجٹ جاؤ گے۔ پولیس والے

اس نے کیڈی باہر ہی چہار دیواری کے نیچے روک دی تھی۔ تھوڑی دیر بعد حمید چوکیدار ہت مارتے ہیں۔ ”فریدی بولا۔“

”دربان تھوڑی دیر تک کچھ نہ بولا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔“ ”دانش میاں آئے تھے۔“

”لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جسے تم چھاؤ۔!“ فریدی اسے تیز نظرتوں سے دیکھا

”وابول۔“

”مجھے منع کر دیا گیا تھا۔“

”کس نے منع کیا تھا۔“

”ناصر میاں نے۔“

”کیا کہا تھا۔!“

”تھی کہ میں دانش میاں کے رات گئے آنے کے بارے میں کسی کو کچھ بتاؤں۔“

”یہ انہوں نے تم سے کب کہا تھا۔“

”آگ لگنے کے دوسرے دن۔“

”دانش موجود تھا۔“

”نہیں وہ نہیں تھا۔“

”جب آگ بھانے کی کوشش کی جا رہی تھی اس وقت دانش موجود تھا۔“

”پہنچیں! میں نے نہیں دیکھا۔“

”اس کے بعد سے کبھی دانش دکھائی دیا تھا۔“

”نہیں بھور.....!“

”دانش اس رات نئے میں تھا۔“

”جی ہاں..... بری تراں.....!“ دربان بولا۔ ”میں نے ان سے کہا پہنچا دوں.....!

انہوں نے مجھے گالیاں دیں اور جھرادر کھایا۔“

”جھرادر کھایا.....؟“ فریدی نے دہلایا۔

”جی ہاں سرکار..... میں چپ چاپ لیٹ گیا۔“

”کیا اس سے پہلے بھی کبھی جھرادر کھایا تھا۔“

”کبھی نہیں۔“

”اچھا جاؤ.....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”لیکن اس کا تذکرہ ناصر یا کسی اور

ہرگز نہ کرتا۔“

”اچھا صاحب۔“ دربان سلام کر کے چلا گیا۔ وہ بہت زیادہ خوفزدہ نظر آرہا تھا۔ فریدی

کیڈی کو اسٹارٹ کر کے کمپاؤٹر میں لا یا۔

”سن ہمید.....!“ اس نے کہا۔ اب صرف اسی لڑکی سے معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔

”صوفیہ سے۔“

”ہاں..... کیا تم ایسا کر سکو گے۔“

”بہت چالاک ہے۔“

”تم تو عورتوں کی بخششناکی کے ماہر ہو۔“

”لیکن وہ خود کو عورت سمجھتی ہی نہیں۔ میں نے اب تک اسے غارے یا سازی میں نہیں دیکھا۔ ہربات میں مردوں کی نقل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔“

”آج شام کو اسے کہیں باہر لے جاؤ۔“

”یہ آپ کیا فرمائے ہیں..... یور ہارڈنس.....!“

”میں نے ہرگز نہیں کہا کہ آپ اس سے عشق لڑائیں۔“ فریدی رہاسمنہ بنا کر بولا۔

”لیکن یہ ضروری نہیں کروہ میرے ساتھ چلی ہی جائے۔“

”کوشش کرو..... یہاں تو میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ ناصر ہر وقت اس کے سر پر سوار رہتا ہے۔“

”میں نے بھی محسوس کیا ہے کہ ناصر کا برتاؤ اس کے ساتھ اچھا نہیں۔“

پھر وہ دونوں اپنے کمروں میں چلے گئے۔ لیکن حمید زیادہ دیر تک کمرے میں نہ رہ سکا۔ اس نے صوفیہ کی تلاش شروع کر دی۔ بڑی دیر تک کئی رہبداریوں کی خاک چھانٹا رہا لیکن وہ کہیں نہ ملی۔ ایک جگہ ناصر کی دونوں لڑکیوں سعیدہ اور نکہت سے مدد بھیر ہو گئی۔ دونوں نے ”اچھا جاؤ.....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”لیکن اس کا تذکرہ ناصر یا کسی اور یا کبھی تھی۔ مگر اس وقت وہ دونوں ہی اس سے گفتگو کرنے پر آمادہ نظر آ رہی تھیں۔

”کیا پہلے آپ فلموں میں کام کرتے تھے۔“ سعیدہ نے پوچھا۔

”فلموں میں.....!“ حمید نے حیرت سے کہا۔ ”نہیں تو۔“

”واہ..... ہم نے تو آپ کو یہ باؤر ایں دیکھا تھا۔“ نکہت چک کر بولی۔

”یہ باؤر.....!“ حمید نے احتقنوں کی طرح پلکش جھپکا میں۔

”آپ اپنا تانپورہ کیوں نہیں لائے۔“ سعیدہ نے کہا۔

”آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے.....!“ حمید بوكھلا کر بولا۔

”ہم سمجھتے ہیں.....!“ دونوں بیک وقت ہنئے لگیں۔

حمدید اور زیادہ بوكھلا گیا۔ وہ دراصل اب تک دونوں کا حقن سمجھ کر نظر انداز کرتا رہا تھا۔ مگر ”دونوں اپاںک اسے گھنے پر آمادہ ہو گئی تھیں اور حملہ کچھ اس بے ساختگی کے ساتھ ہوا تھا کہ حمید لوگوں سے جانش دخوار ہو گئی۔ حالانکہ اگر اس کے سر پر چیخ چیخ پلڑی ہوتی تو وہ اسے قابل اعتنا نہ سمجھتیں۔

”گانا تو آپ کو سنانا ہی پڑے گا۔“ نکہت بولی۔

اور پھر حمید کو کچھ ایسا ہی محسوس ہونے لگا جیسے اس کی شکل پا گانا گاتے وقت بگڑ گئی

لوادی۔ سانچھے ہے وہ دیپک براڈ کا سٹ کرتا تھا اور ملک کے چراغ روشن ہو جاتے تھے۔

”تو وہ غریب بھی روز ہی جل بھن جاتا رہا ہوگا۔“

”قطعی نہیں! وہ ایک ریفریگریٹر میں بیٹھ کر گایا کرتا تھا۔“

دونوں نے قہقہہ لگایا۔ پھر نکہت بولی۔ ”آج کل کسی کو دیپک اور ملہار کیوں نہیں آتے۔“

”بکل کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کی بناء پر۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”تان سین زندہ ہوتا تو اسے کسی پاور ہاؤز میں قلی گیری کرنی پڑتی۔ رہا ملہار کا قصہ تو وہ

صرف مینڈ کوں کو پسند آیا تھا۔ مینڈ کی آج بھی ملہار گاتے ہیں اور جب گاتے ہیں تو پانی

غور برستا ہے۔ اس زمانے میں تان سین کو جگہ موسیمات میں ضرور نوکری مل جاتی۔“

”آپ با توں میں نالیں گے سنائیں گے نہیں۔“ سعیدہ نے کہا۔

”آڈٹ ہاؤز میں آگ لگی ہوگی تو برازو دردھا کر ہوا ہوگا۔“ حمید بولا۔

”پتہ نہیں.....!“ سعیدہ دفعتاً مغموم ہو کر بولی۔ ”ہم سور ہے تھے۔“

نکہت بھی اداں نظر آنے لگی۔

”بڑا عبرت ناک منظر ہو گا۔“

وہ دونوں خاموش رہیں۔ پھر نکہت اٹھتی ہوئی بولی۔

”ہم نے ابھی چائے نہیں پی۔“

اس کے اٹھتے ہی سعیدہ بھی کھڑی ہو گئی۔

”ہائیں..... تو کیا اب میں ان درختوں کو مناؤں گا۔ بھائی داش میرے بڑے قدر داں

لے۔ مگر افسوس کہ وہ موجود نہیں۔“

”گک..... کیا آپ انہیں جانتے ہیں۔“ سعیدہ حمید کو گھوڑ کر بولی۔

”جانے کی ایک ہی کبی..... ارے ہم دونوں گھرے دوست ہیں۔“

”تب تو آپ بھی انہیں کی طرح آوارہ ہوں گے۔“ نکہت ناک پر شنیں ڈال کر بولی۔

”آوارہ.....!“ حمید حیرت سے بولا۔

ہو۔ قریب تھا کہ وہ بوکھلا کر ہکانا شروع کر دے اس نے خود کو سنبھال لیا۔

”کیا سننے گا.....!“ اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”جنے جنے وتنی۔“ نکہت بولی۔

”نہیں..... گوری ٹوری۔“ سعیدہ نے کہا۔

”فی الحال جھاپ کا خیال سننے۔“ حمید داہنے کان پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ ”صوفی صاحب

بھی بالایجھے۔“

”صوفی صاحب کہئے۔“ سعیدہ نے تغیر آمیز لمحے میں کہا۔ ”وہ کسی درخت پر

گھبریاں پکڑ رہی ہو گی۔“

”تو چلنے اسی درخت کے نیچے کہی۔“

”نہیں سنیں گے۔“ نکہت نے کہا۔

”پاگل ہوئی ہے۔“ سعیدہ بولی۔ ”ڈیڈی دھر پت الاپنا شروع کر دیں گے۔“

وہ عقیقی پارک کے ایک درخت کے سامنے میں آییں۔ دن ڈھل رہا تھا اور دھوپ ا

اب زیادہ تمازت نہیں رہ گئی تھی۔

حمید نے چاروں طرف مجھس نظروں سے دیکھا مگر صوفیہ یہاں بھی کہیں نہ دکھائی۔

”چلنے دیپک سنائے۔“ نکہت نے کہا۔

”دیپک.....!“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”آپ میں سے کسی کو میگھ ملہار آتی ہے۔“

”کیا واقعی دیپک راگ سے چراغ جل اٹھتے تھے۔“ سعیدہ نے پوچھا۔

”بالکل.....“ حمید سنجیدگی سے سر ہلا کر بولا۔ ”محض اسی لئے ایک بار تان سینا کر

ریڈ یو ایشن میں ملازمت کرنی پڑی تھی۔“

”کیوں..... دہلی ریڈ یو.....!“ سعیدہ ہنسنے لگی۔

”جی ہاں..... ہوا یہ کہ ایک بار بیرمل کی حماقت سے دیا سلا یوں کی امپورٹ بندی۔“

سارے ملک میں اندر ہمرا چھا گیا۔ تب اکبر بادشاہ نے تان سین کو ریڈ یو ایشن میں ملا۔

”جی نہیں بہت شریف۔“ نکھلتے نے طڑا کہا۔ ”انتہے شریف کہ ایک ماہ سے گھروالوں ہیلی بیچے چل آئی۔ حمید کا سر میساختہ اور کی طرف اٹھ گیا۔ رسی اوپری منزل کی ایک کھڑکی پر چلنے لگی تھی۔ کھڑکی میں ایک چہرہ دکھائی دیا۔ وہ صوفیہ تھی جیسے ہی اس کی نظر حمید پر پڑی ان کی شکل نہیں دکھائی دی۔“

”حیرت ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ وہ شہر ہی میں ہیں۔ شاند چودہ پور اس نے رسی کو اپر کھینچ کر کھڑکی بند کر لی۔“

حمد پہلے تو یہ سمجھا کہ شاند صوفیہ بھی اسے چھیڑ رہی ہے لیکن پھر اسے اپنا خیال تبدیل کر دیا پڑا۔ کیونکہ اور پر سے چھکنی گئی رسی حقیقت ری نہیں تھی بلکہ نواڑ کوبٹ کرا سے رسی کی شکل دی گئی تھی اور پھر ایک دوسرے ہی خیال نے اس کے ذہن میں سرا جھارا۔۔۔۔۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا عمارت کے سرے تک آیا اور پھر وہیں سے ہندی کی باڑھ کی اوٹ پکڑ کر دوبارہ اسی کھڑکی کی رفتار پڑنے لگا۔ اس طرف ہندی کی باڑھ شاند عرصہ سے بے مرمت پڑی ہوئی تھی اس لئے ہند کو کچھ لئے جانے کا خدشہ نہیں تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد کھڑکی پھر کھلی۔ صوفیہ نے آدھے دھڑکے باہر لک کر چاروں طرف دیکھا اور پھر اس نے رسی پیچے پھیک دی۔

پھر حمید نے جو دیکھا وہ اس کے لئے حیرت انگیز بھی تھا اور وحشت ناک بھی۔ کھڑکی زمین سے پچھس یا تیس فٹ بلند تھی اور صوفیہ اس رسی کے سہارے در دیوار سے دونوں پیارے لائے اتنی بے خونی سے نیچے اتر رہی تھی جیسے وہ اس کے لئے محض ایک معمولی سی تفریخ ہو۔ لئے زمین تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔

فرار

حمد نے ایک بار پھر کھڑکی کی بلندی کا جائزہ لیا اور سنائے میں آگیا۔ صوفیہ نے اپنے بیتل پٹلوں کی جیب میں ٹھوں رکھے تھے اور انہیں جلدی سے پیروں میں ڈالا اور قریب اُنہب دوڑتی ہوئی گیراج کی طرف چل گئی۔ حمید چپ چاپ ہندی کی باڑھ کی اوٹ سے نکلا۔ ہتل کے کھڑکا کچھ سوچتا رہا پھر وہ بھی گیراج ہی کی طرف چلتا رہا۔

”اوہ..... مجھ نہیں معلوم تھا کہ وہ قرض دار بھی ہیں۔“ حمید نے ہمدردانہ لمحے میں کہا۔

”اوہ..... مجھ نہیں معلوم تھا کہ یہ حقیقت ہے یا یہ دونوں لاکیاں جان بوجھ کر اسے گمراہ کرنے کا کوشش کر رہی ہیں۔ حمید سوچتا رہا اور وہ دونوں چل گئیں۔“

”اوہ..... وہ سوچ رہا تھا کہ یہ حقیقت ہے یا یہ دونوں لاکیاں جان بوجھ کر اسے گمراہ کرنے کا دھوپ عمارت کی دیواروں پر چڑھنے لگی تھی۔“

”اوہ..... وہ سوچ رہا تھا کہ آہستہ آہستہ ہملا ہوا عمارت کے دامنے بازو کی طرف آیا۔ وہ یونہی بغیر مبتدا اُنکل آیا تھا اور بالکل دیوار کے نیچے چل رہا تھا۔ دفعتاً کوئی پیزار اس کے سر پر گری اور چھپا۔“

”شہر ہی میں ہیں۔“ سعیدہ نے حیرت سے کہا۔

”میں پندرہ دن قبل کی بات کر رہا ہوں۔“

”وہ ایک ماہ سے گھرنہیں آئے۔“ نکھلتے بولی۔ ”سنابے اب شراب بھی پینے لگے ہیں۔“

”اب کیا..... وہ پہلے بھی پینے تھے۔“ حمید نے کہا۔

”ہم لوگوں کو نہیں معلوم تھا۔“

”لیکن میں انہیں راہ راست پر لاسکتا ہوں۔“ حمید نے کہا۔

”وہ کس طرح۔“

”آپ مجھے بتائیے کہ وہ کہاں مل سکیں گے۔ میں آج ہی انہیں پکڑ لاؤں۔“

”یہی معلوم ہوتا تو ڈیڈی ہی نہ پکڑلاتے۔“ نکھلتے بولی۔ ”آپ تو ان کے دوست ہو۔“

”ہیں۔ آپ سے کیا پرده۔ وہ بیس بیس ہزار روپے کے مقروض ہو گئے ہیں اور قرض بھی بڑا۔“

”آدمیوں کا ہے۔ آج ہی شہر کا ایک مشہور بدمعاش صدر تقاضے کے لئے آیا تھا..... میرا خیال۔“

”کہ وہ قرض خواہوں کی وجہ سے کہیں چھپ گئے ہیں۔“

”اوہ..... مجھ نہیں معلوم تھا کہ وہ قرض دار بھی ہیں۔“ حمید نے ہمدردانہ لمحے میں کہا۔

”اوہ..... مجھ نہیں معلوم تھا کہ یہ حقیقت ہے یا یہ دونوں لاکیاں جان بوجھ کر اسے گمراہ کرنے کا کوشش کر رہی ہیں۔ حمید سوچتا رہا اور وہ دونوں چل گئیں۔“

”اوہ..... وہ سوچ رہا تھا کہ آہستہ آہستہ ہملا ہوا عمارت کے دامنے بازو کی طرف آیا۔ وہ یونہی بغیر مبتدا اُنکل آیا تھا اور بالکل دیوار کے نیچے چل رہا تھا۔ دفعتاً کوئی پیزار اس کے سر پر گری اور چھپا۔“

صوفیہ گیراج سے سرخ رنگ کی ٹوسمیز نکال پہنچی تھی وہ اسے کافی تیز رفتاری سے ہوئی پھانک سے گزرنگی۔

تاتی جرت انگز نہیں تھی جتنی کہ اس کی دوسری حرکت ہو سکتی تھی۔ اس نے ایک گزرتی ہوئی بسی کرنے کا اشارہ کیا۔

پھر حمید نے بڑی تیزی سے سڑک پار کی اور اس گلی میں پہنچا جہاں اس نے کیڈی کھڑکی کے لئے کافی تیز دوڑنا پڑا۔ اتفاق سے وہاں اور کوئی موجود نہیں تھا۔۔۔۔۔ ورنہ وہ اس تھی۔ دوسرے لمحے کیڈی بھی سڑک پر تھی۔

حرکت کو پاؤں پر محول کرتا۔

سڑک پر آ کر اس نے چاروں طرف نظر دوڑا۔ لیکن سرخ رنگ کی ٹوسمیز کاڑ ملا۔ جس رفتار سے صوفیہ اسے باہر لائی تھی اگر وہی رفتار سڑک پر بھی برقرار رکھی ہو گئی تو نہ جانے کہاں پہنچی ہو گی۔

حمد نے گیر بدے اور کیڈی فراٹے بھرنے لگی۔ دھند لا پھیلنے لگا تھا لیکن ابھی اُتر باتی تھی کہ وہ سرخ رنگ کی ٹوسمیز کو دور ہی سے دیکھ سکتا تھا۔ وہ برادر رفتار تیز کرتا رہا۔ آخر شہر پہنچتے پہنچتے اس نے سرخ رنگ کی ٹوسمیز کو جاہی لیا۔ اندھیرا پھیل چکا تھا۔

ایک جگہ صوفیہ کی گاڑی رک گئی۔ حمید نے صوفیہ کو اتر کر ملبوسات کی ایک بڑی دکا گھستے دیکھا۔ وہ اپنی کیڈی کو بیک کر کے ایک گلی میں لا لیا اور اجنب بند کر کے اس نے اس کا اس کی رہنمائی کرنے لگا۔

چھوڑ دیا۔

ٹوسمیز اب بھی وہیں کھڑی تھی جہاں چھوڑی گئی تھی۔ حمید سڑک کے دوسرے کے سے ملبوسات کی دوکان کی ٹگرانی کرتا رہا۔ شامندیں منٹ بعد صوفیہ برآمد ہوئی اور اسے دیکھتا رہا۔

یقیناً وہ یہاں قیام ہی کرنے کے لئے آئی تھی۔ کچھ دیر بعد حمید ہونل کے نیجہ کے کمرے میں تھا۔ اس نے اپنا ملا تاتی کارڈ نکال کر غیر ماننے رکھ دیا۔

”اوہ..... فرمائیے۔“ شجر کچھ ماضی سے سانظر آنے لگا۔

”تمہوڑی کی تکلیف دوں گا۔“ حمید بولا۔ ”پرسوں سے کل تک کے قیام کرنے والوں میں خود یکجا چاہتا ہوں۔“

صوفیہ تھوڑی دیر بعد ہاتھ میں چڑے کا ایک سوت کیس لٹکائے ہوئے باہر نکلی۔

”کوئی خاص بات۔“

”جی ہاں..... ہمیں ایک مشتبہ آدمی کی تلاش ہے جو شہر کے کسی ہوٹل میں مقیم ہے
فیجر نے رجسٹر اس کی طرف بڑھا دیا۔ رجسٹر کھلا ہوا تھا۔ شاید وہ صوفیہ کے دعویٰ
کے بعد سے اب تک بند نہیں کیا گیا تھا۔ حمید کی نظر سب سے پہلے آج کے آخری نام
جو صوفیہ کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اس کی بعد سے اب تک اور کوئی قیام
والا آیا نہیں تھا۔

صوفیہ نے اپنا نام مسزا شاورما لکھا تھا اور دستخط بھی اس نام کے کئے تھے
جلدی سے وہ صفحہ اٹھ کر دو دن قبل کی آمد و رفت کا صفحہ کھولا۔ اس کا مقصد تو حمل ہوئے
اب اُسے صرف فیجر کو دکھانے کے لئے پہچلنے والوں پر نظر ڈالنی پڑی تھی۔

”شکریہ.....!“ حمید نے تھوڑی دیر بعد رجسٹر بند کرتے ہوئے کہا۔
”کیا مل گیا.....!“ فیجر نے پوچھا۔
”نہیں..... یہاں نہیں ہے۔“

پھر فیجر کے چہرے سے فکر کے بادل چھٹ گئے اور اس نے بڑی خوشی دلی۔
اسے رخصت کیا۔

حمید نے باہر آ کر ایک پیک ٹیلی فون بوقتھ کا رخ کیا۔ اسے موقع تھی کہ فریدی
کی کوئی عی میں ہو گا۔ کیونکہ کیدی لے کر تو وہ چلا آیا تھا اور اس طرف یتکیاں بھی شاذ
جاتی تھیں۔ اس نے نمبر ڈائل کئے۔ کسی نے دوسرا طرف سے کال ریسیور کیا
فریدی کا نام لیا۔ پھر اسے کچھ دیر تک انتظار کرنا پڑا۔

”ہیلو..... کون ہے۔“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔
”میں حمید بول رہا ہوں۔ لیکن میں فریدی صاحب سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“

”اوہ معاف کیجئے گا.....“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔ ”تو کرو غلط بھی ہوں گے
ٹھہر جائیے۔“

حمد کے ہوتوں پر شرارت آئیز مسکرا ہٹ پھیل گئی۔ اگر وہ جلدی میں ہوتا اور اس نے
واز کے فرق کو نہ محسوس کیا ہوتا تو اس کی گفتگو فریدی کے بجائے کسی اور نہیں سنی ہوتی۔
جلدی اسے دوسری طرف سے فریدی کی آواز سنائی دی۔

”کہاں ہو تم.....!“ فریدی نے پوچھا۔
”پیک ٹیلی فون بوقتھ نمبر ستائیں میں..... آپ کے لئے ایک ولچ پ اطلاع ہے۔“
”میں فون پر کوئی اطلاع سننا پسند نہیں کروں گا..... سمجھے۔ تم کب واپس آؤ گے۔“
”خیر نہ سئے.....!“ حمید نے کہا۔ ”لیکن میں اپنے بھلکیے کسی آدمی سے کوئی مدد لے سکتا
لیاں ہیں۔“

”کیا موجودہ معاملات کے متعلق۔“
”جن ہاں۔“

”کس سلسلے میں۔“

”مشنگرانی کے لئے۔“

”اجازت ہے..... جلد واپس آنے کی کوشش کرنا۔“

”دوسری طرف سے سلسلہ مقطوع ہو جانے کے بعد حمید نے بھی ریسیور ٹک سے لگا دیا لیکن
یونہ سے باہر نہیں نکلا۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اس نے دوبارہ کسی نمبر کے ڈائل کئے
اپ وہ شاید اپنے بھلکے کے کسی آدمی سے گفتگو کر رہا تھا۔ اس نے اسے شیان ہوٹل میں
لگا دیا۔ ایک گورت مسزا شاورما کی گفرانی کرنے کو کہا تھا۔

یونہ سے ٹکل کر دہ کیدی میں آبیٹھا۔ اب وہ صوفیہ کی طرف سے مطمئن ہو چکا تھا۔ اس
اولیکی بڑی پر سکون تھی اور وہ راستے میں سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی نے فون پر گفتگو کیوں
ناکی۔ اپنک اسے یاد آیا کہ سرمندوم کی کوئی میں دو فون تھے ایک سرمندوم کے آفس میں
اور دوسرے الائبریری میں۔ ان میں سے کسی ایک پر دو فون کی گفتگو صاف سنی جا سکتی تھی۔ ہو سکتا
ہے فریدی نے اسی خیال کے تحت فون پر بات کرنا مناسب نہ سمجھا ہو۔

کوئی میں فریدی اس کا منتظر تھا۔ حمید نے جاتے ہی اپنا کارنامہ شروع کر دیا۔ فر
لا پروائی سے سن رہا تھا جیسے حمید یونیورسٹی تعلیم اوقات کرتا رہا ہو۔ گفتگو کے اختتام پر اس
کر کہا۔ ”میں سمجھا تھا شاہزادم نے اس سے کوئی کام کی بات معلوم کی ہے۔“

”کیا یہ واقعہ ہی بجائے خود ایک کام کی بات نہیں۔“ حمید نے جھلا کر کہا۔

”خدا جانے۔“ فریدی نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنش دی۔ کچھ دری خاموش
بولا۔ ”یہاں اس سلسلے میں کافی شور و غل ہو چکا ہے۔ ناصر اس لڑکی کی حرکت پر گز
چراگ پا ہو رہا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ وہ آئے دن اسی طرح کی حرکتیں کیا کرتی ہے۔“

”تو پھر شاید اس کا بھی دماغ خراب ہے۔“ حمید نے کہا۔

”کیوں.....؟“

”اڑے اس نے اپنی گاڑی سڑک کے کنارے چھوڑ دی ہے۔ شاید اسے اب
پولیس کے کسی آدمی نے کوتولی بھی پہنچا دیا ہو۔ لیکن کیا ہم اسے بھی پاگل بن سمجھیں کہ“
ہوئی میں سزا آشاد رہا کے نام سے مقیم ہے..... آخر کیوں؟“

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

”بعض لوگ خود نمائی کے لئے اس قسم کی حرکتیں کرتے ہیں۔ دوسروں کو جس
ڈالنے کے لئے اگر صوفیہ کا بھی یہی مقصد ہوتا تو پہلی بار مجھے دیکھ کر کھڑکی کیوں بند کر گئی
جب اس نے اطمینان کر لیا کہ میں جا پکا ہوں تو وہ چوروں کی طرح نیچے اتری..... کہا
جواب ہے آپ کے پاس۔“

”جواب.....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا مسکرا یا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔“

جواب یہ ہے کہ وہ کرہ باہر سے مقتول تھا۔“

”کون سا کرہ.....!“

”وہی، جس کی کھڑکی سے وہ زمین تک پہنچ چکی۔“

”آپ کو کیسے علم ہوا۔“

”بیب وہ لوگ کھڑکی کے نیچے کھڑے شور کر رہے تھے میں اور پری منزل پر چلا گیا۔ ناصر
چاہے تھا کہ غل چانے سے پہلے کمرے کا تالا کھوں لیتا۔“

”تو کیا اُس نے اُسے قید کر رکھا تھا۔“

”اس کے تلاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔“ فریدی سگار کیس نکالتا ہوا بولا۔

”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ صوفیہ کوئی اہم بات جانتی ہے۔“
”ہو سکتا ہے۔“

”اُخڑا آپ خلاف معمول اتنے غیر لینی انداز میں کیوں گفتگو کر رہے ہیں۔“ حمید جھنگھلا
بولا۔

”بیتھے معاملات خود میرے ذہن میں ابھی تک صاف نہیں ہیں..... اور پھر میں غیب
ہو گئیں کہ پیشین گوئیاں شروع کر دوں۔“

”کون سے معاملات آپ کے ذہن میں صاف نہیں۔“
”جتنے بھی ہیں۔“

”شاید پہلی بار آپ کی زبان سے اس قسم کی گفتگوں رہا ہوں۔“

”کیا پہلے بھی بھی اس قسم کے کیس سے سابقہ پڑا تھا۔“ فریدی نے اسے تیکھی نظر دوں
درکھتے ہوئے کہا۔

”حید پاپ میں تمبا کو بھرنے لگا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ اچانک اُس نے کہا۔
”رات والے آدمی کے لئے آپ نے کیا کیا۔“

”وہی تو مجھے الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔“
”الجھن میں کیوں؟“

”شاید اس وقت تمہارا ذہن سوچنے کیلئے موزوں نہیں ہے۔“ فریدی نے تلخ لمحہ میں کہا۔
”وہ بھی نہیں ہوتا..... علاوہ ان مواقع کے جب محدہ ٹھیک نہ ہو۔“
”اُس لڑکی سے ملے کیوں نہیں۔“ فریدی نے گفتگو کا موضوع بدل دیا۔

”میں فون پر آپ سے اسی کے متعلق پوچھنا چاہتا تھا۔“
”کب تک انگلی پکڑ کر پلتے رہو گے۔“

”جب تک جوان نہ ہو جاؤ۔“ حمید جھلا کر بولا۔

”جس دن میرا ہاتھ اٹھ گیا..... جوان بھی ہو جاؤ گے۔“

”اور یہ شعر پڑھتا ہوا جوان ہوں گا۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

انگڑائی لینے بھی نہ پائے تھے وہ اٹھا کے ہاتھ
دیکھا جو مجھ کو چھوڑ دیے مسکرا کے ہاتھ

”مت بکواس کرو۔“ فریدی دانت پیس کر اسے مکا دکھاتا ہوا بولا۔

حمدید پاپ کو دانتوں میں دبا کر چیب میں دیا سلامی ٹوٹ لے لگا۔

”تم ابھی جاؤ.....!“ فریدی نے کہا۔ صوفیہ سے معلوم کرنے کی کوشش کرو کر اے راتھ بترین وقت گذر سکتا تھا۔

”اوکیوں قید کیا تھا۔“

”لیکن والیکی کا ذمہ دار میں نہ ہوں گا۔“

”کیا مطلب.....!“

”معاف کجھے گا..... میں بار برداری کا خچر نہیں ہوں۔“

”پھر کیا ہو.....؟“

”بار برداری کا خچر.....!“ حمید ٹھنڈی سائنس لے کر بولا۔

”چلو وقت نہ ضائع کرو۔“

”لیکن میں اس وقت والپس نہ آسکوں گا۔“

”ضروری نہیں..... تم صحیح آسکتے ہو۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں دراصل فی الحال یہاں
ہٹانا نہیں چاہتا..... ورنہ خود می دیکھتا۔“

”اس کے بعد مجھے کیا کرنا ہوگا۔“ حمید نے پوچھا۔

”لڑکی کی گمراہی اور حفاظت کے لئے کسی کو مقرر کر کے گھر پلے جانا۔“

”آپ کا اطلاع کس طرح دی جائے۔“

”وابسی پر..... اس کی جلدی نہیں۔ فون پر کسی تم کی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ یہاں دوست
ہیں۔ ایک پر دوسرے کی گفتگو بہ آسانی سنی جاسکتی ہے۔“

”میرا خیال ہے کسی نے اس کی کوشش کی تھی۔“ حمید بولا۔ ”میں آپ کی آواز فون پر بھی
پہنچاں سکتا ہوں۔ ورنہ پوری روپورٹ کسی اور تک پہنچ چکی ہوتی۔“
”آواز کسی کی تھی۔“
”اندازہ نہیں لگاسکا۔“

تحوڑی دیر بعد حمید والپسی کے لئے تیار ہو گیا۔ اس نے کیڈی نکالی اور شہر کے راستے پر
بولا۔ مطلع غبار آسودہ ہونے کی وجہ سے تاریکی گھبری ہو گئی تھی۔

حمدید آئندہ کے لئے پروگرام سوچ رہا تھا۔ صوفیہ ایڈوپچر کی شائق تھی اس لئے اس کے
لئے اپنے بترین وقت گذر سکتا تھا۔

وختا اس نے محوس کیا کہ ایک کارکانی فاصلے سے اس کا تعاقب کر رہی ہے۔ تعاقب کا
ذیل اس وقت اور زیادہ پختہ ہو گیا جب میں نے بھی کیڈی کی رفتار کم کر دی اور اس کے باوجود
”نوں کاروں کے فاصلے میں کوئی فرق نہ آیا۔ دوسری طرف بھی شاکر رفتار کم کر دی گئی تھی۔ شہر
میں داخل ہونے کے بعد بھی حمید کا تعاقب جاری رہا۔

اور پھر حمید نے ہوٹل شیبان کی بجائے کیڈی کا رخ فریدی کی کوشش کی طرف کر دیا۔

دوسری شہادت

صوفیہ ہوٹل شیبان کے ایک کمرے میں آرام کری پر پڑی کوئی کتاب دیکھ رہی تھی۔ وختا
کی نے باہر سے دروازے پر بلکہ کسی دستک دی۔ صوفیہ نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا
اور دیکھ دینے والے کو ہوٹل کا کوئی ملازم سمجھ کر بولی۔ ”آ جاؤ۔“

ابن صاحب ریس کے بڑے شوپین ہیں اور ان کے کئی گھوڑے ریس میں حصہ لیتے ہیں۔ ان میں سچ لیس بڑا مشہور تھا۔ پچھلے دونوں میں نے انہیں بتایا کہ اگلی ریس میں سچ لیس کو گولی مار دی جائے گی۔ انہوں نے میرا مٹھکہ اڑا دیا۔ لیکن خاموش رہا۔ لیکن کیا ہوا..... سچ لیس دوڑا..... سو ممدوں توقع تھی کہ اول آئے گا اور وہ تھا بھی سب سے آگے لیکن اچانک ٹھوکر کھائی اور جا کی میت منہ کے ٹلی زمین پر آ رہا۔۔۔۔۔ اس کی ٹاگ ٹوٹ گئی۔ ظاہر ہے اس کے بعد طے سے گولی روئی گئی۔ اگر راجہ صاحب میرے کہنے پر عمل کرتے اور اسے اس دن ریس میں شامل نہ کرتے سچ لیس محفوظ ہوتا.....“

”لیکن میرے پاس کوئی گھوڑا نہیں ہے۔“ صوفیہ بُش پڑی۔

”لڑکی تم ہس طرح میرا مٹھکہ نہیں اڑا سکتیں۔“ بوڑھا بگڑ گیا۔ ”میں اپنے وقت کی عظیم زینتی ہوں۔ میں تمہاری پیشانی پر بر بادیوں کے ساتے دیکھ رہا ہوں۔ کیا آج تم ایک صیبت میں نہیں پھنسی تھیں۔ کیا اپنی جان پر کھلیل کرم اس سے نہیں لٹکیں۔“

صوفیہ چونکہ کر بوڑھے کو گھوڑے کی لگی۔

”اچھا باب میں چلا۔“ بوڑھا اٹھتا ہوا بولا۔

”ٹھہریے.....!“ صوفیہ نے کہا۔ ”تشریف رکھئے۔“

بوڑھا بیٹھ گیا۔

”لیکن.....!“ صوفیہ بولی۔ ”آپ نے جو کچھ کہا ہے اس کا پامسری سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ پامسری تو ہاتھ کی لیکر وہ پر منحصر ہے۔“

”میں صرف پامست ہی نہیں ہوں۔“ بوڑھے نے فخری انداز میں گردن اوپنچی کر کے کہا۔ ”جگہ میں روحانی تو تیں بھی ہیں۔ میں ایک بے سہارا لڑکی کو مصائب میں گھرا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ ایک لڑکی جو صرف مس ہے۔ ممزکسی طرح نہیں ہو سکتی۔“

”آپ بہت کچھ جانتے ہیں۔“ صوفیہ نے پر سکون انداز میں کہا۔

”لوگ مجھے شاہ بلوط کہتے ہیں۔“ بوڑھے نے فخریہ کہا۔

ہینڈل گھوما اور دروازہ کھل گیا۔ لیکن دستک دینے والا اندر آنے کی بجائے دروازے پر کھڑا رہا۔ صوفیہ نے آرام کرنی کے تھے پر جھک کر دروازے کی طرف جھانا کا اور پھر بولا کھڑی ہو گئی۔ آنے والا نہ تو ہوئیں کا کوئی ویژہ معلوم ہوتا تھا اور نہ اس کا شناسا۔ ہوئیں کا دو مری نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے ایک نہایت نیس قسم کا سوت پیمن رکھا تھا اور شناسا اس لئے نہیں ہے۔ تھا کہ وہ ایک کافی حمر آدمی تھا اور اس کے چہرے پر جی۔ بی۔ ایس ٹاپ کی سفید ڈاچی تھی۔ ”ایک سرز آشاور میری شناسا تھیں۔“ بوڑھا آدمی بڑا بڑا۔ ”میں سمجھا تھا شاہ کو وہ ہوں۔“

”شاند میں بھی آپ کو نہیں جانتی۔“ صوفیہ نے کہا۔

”قطعی.....!“ بوڑھے نے ہلاکا سا تھقہہ لگایا پھر سر ہلاکر بولا۔ ”لیکن میری موجودگی کے لئے تکلیف دہ نہیں ہو سکتی۔ اگر اجازت ہو تو میں دو منٹ بیٹھ کر دم لے لوں۔ مجھنا لوگوں کے لئے تیری منزل پر پہنچنا آسان کام نہیں۔“

”اوہ ہو.....!“ صوفیہ جلدی سے بولی اور بڑے تکلف سے آرام کرنی کے سربے پر گئی۔ بوڑھا بیٹھ کر تھوڑی دیر ہامپا رہا پھر صوفیہ کی طرف دیکھ کر مسکرا یا۔

”اگر آپ میری شناسا ہو تیں تو میری تھکن کے باوجود مجھے پریشان کر داتیں۔“

”اوہ.....“ صوفیہ بھی جواباً مسکرائی پھر منھل کر بولی۔ ”میں نہیں سمجھی کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“

”میں پامسٹ ہوں۔“ بوڑھے نے کہا۔

”لیکن مجھے پامسٹی سے کوئی دیپیچی نہیں۔“ صوفیہ نے بلکے سے قیقہے کے ساتھ کہا۔

وہ سوچنے لگی تو یہ حضرت اپنا الوسیدھا کرنے کے لئے اس طرح تعارف حاصل کر

ہیں۔ اس نے اکثر نہایت کا شہر کے بعض ہوٹلوں میں اس قسم کے لوگ قیام کرنے والا مستقبل کے حالات بتانے کے بہانے ٹھک لیا کرتے ہیں۔

”راجہ صاحب..... چند رنگ کا بھی یہی خیال تھا۔“ بوڑھے نے سنجیدگی سے سر ہلاکر کیا۔

”لیکن پھر انہیں ماننا ہی پڑا۔ بہت دلچسپ قصہ ہے..... یہ تو آپ جانتی ہی ہوں۔“

”شاہ بلوط۔“ صوفیہ ہنسنے لگی۔ ”یہ تو ایک درخت کا نام ہے۔“

”اوچا اور تناور درخت.....!“ بوڑھے نے سمجھی گی سے کہا۔

”میرے خیال سے اب آپ کی سانس درست ہو گئی ہو گی۔“ صوفیہ سرد لہجے میں بولے
”آں..... ہاں.....“ بوڑھا پہلچا کر بولا۔ ”کیا آپ اپنے مستقبل کے بارے میں
نہیں جانتا چاہتے؟“

”محض افسوس ہے مستقبل سے مجھے کوئی دلچسپ نہیں۔ ویسے آپ کی فیس کیا ہے۔“

”فیس.....!“ بوڑھا مسکرا کر بولا۔ ”کچھ بھی نہیں۔ فیس میں اس وقت لیتا ہوں جو
کوئی خود سے خواہش کرتا ہے اور جن کے ہاتھ میں اپنی مرضی سے دیکھتا ہوں ان سے کوئی فو
نہیں لیتا۔“

”تو آپ یونہی تفریح ہاتھ دیکھا کرتے ہیں۔“

”محض تجربات میں اضافہ کرنے کے لئے۔“

صوفیہ نے تمغرا آمیز انداز میں مسکرا کر اپنی ہاتھی اس کے سامنے کر دی۔

”ہاتھ تو بڑا اچھا ہے۔“ بوڑھے نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔ ”اں
میں ماضی سے شروع کرتا ہوں، تمہارے والدین بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے..... کیوں؟“
”ٹھیک ہے.....!“ صوفیہ سر ہلاک کر بولی۔

”لیکن پھر بھی تم نے اپنے دن اچھے گزارے۔ اب حال کی طرف آتا ہوں۔ تم آنکھ
کی قسم کی الجھنوں کا شکار ہو۔ تمہارے دل پر کسی بات کا بوجھ ہے تم اسے کہہ ڈالتا چاہتی ہو
لیکن کوئی ایسا ہمدرد نہیں ملتا..... کیوں؟“

”ٹھیک ہے.....! میں ایک بات اگل دینے کے لئے بڑی طرح بے ناب ہوں۔“

”لیکن کس سے کہوں۔“

”مجھ سے کہو..... ممکن ہے میں تمہاری مد کر سکوں۔“ بوڑھے نے کہا۔

”کہہ دوں.....!“ صوفیہ بولی۔

”کہہ دو.....!“

”تم مجھے اٹھ کے مخزے معلوم ہوتے ہو..... کیوں؟“ صوفیہ نے بوڑھے کے لجھے کی
نقش اندازی۔ تم نیں الحال ایک بہت بڑی مصیبت میں پڑ گئے ہو اور ایک لڑکی تمہاری ڈاڑھی
نوپنے کے امکانات پر غور کر رہی ہے لیکن تم بُرائیں مانو گے۔ یہی تمہارا مستقبل ہے۔“

پھر صوفیہ نے جھپٹ کر بوڑھے کی ڈاڑھی پکڑ لی جو روئی کے گالے کی طرح اکھڑتی چلی آئی۔
بوڑھا اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن اس کا گریبان صوفیہ کی گرفت میں آچکا تھا۔ صوفیہ نے
اسے آرام کریں دھکیل دیا۔

”تم لوگ مجھے کہیں بھی چیز سے نہیں رہنے دو گے۔“ صوفیہ ہانپتی ہوئی بولی پھر ہنسنے لگی۔
حمد نے پچھے کچھ بال بھی اپنے گالوں سے نوچ لئے اور شرپ نظروں سے صوفیہ کی طرف
یکھنے لگا۔

”تمہاری ہی وجہ سے وہاں سے بھاگی ہوں۔“ صوفیہ نے کہا۔

”اب زیادہ اڑنے کی کوشش نہ کرو..... بہت زیادہ چالاک نہیں ہو۔“ حمید مسکرا کر بولا۔

”کیا مطلب.....!“

”مطلوب صاف ہے۔ تم نے پلٹ کی نواڑ کھوئی اسے رسی کی طرح بٹ کر کھڑکی سے
چاڑیں۔ آخر اس کی کیا ضرورت تھی۔ دروازے سے نہیں فرار ہو سکتی تھیں۔ اور پھر تم ہماری
ہے بھاگی کیوں..... کیا آؤٹ باؤز میں تم نہیں آگ لگائی تھی۔“

صوفیہ کے چہرے پر زردی چاگنی اس نہیں جلدی سے کہا۔ ”ہرگز نہیں! یہ تو میں نے تم
ول کو پریشان کرنے کے لئے کیا تھا تا کہ تم لوٹک پکھ دیے بھاگ دوڑ کرو۔ میں نے تمہیں
ڑپی کے نیچے دیکھ کر رہی یہ حرکت کی تھی۔ میں یہ بھی جانتی تھی کہ تم میرا تعاقب کر رہے
کوئی سی رہی۔“

صوفیہ بے تباشہ ہنسنے لگی۔ لیکن حمید بیک یک سمجھیدہ ہو گیا۔

اں نے کہا۔ ”ناصر صاحب کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ تمہارا الیو چرخ تھا۔“

”گھر والے مجھے بچپن ہی سے جانتے ہیں۔“

”میں بھی تم سے اچھی طرح واقف ہوں۔“ حمید بولا۔ ”تم ان لوگوں میں سے اپنے دشمنوں کو بھی کسی قسم کا فحصان نہیں پہنچانا چاہتے۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

”اچھی طرح سمجھتی ہو۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”کیا ان لوگوں نے تمہیں کمرے میں قید کر دیا تھا۔“

ایک بار پھر صوفیہ کے چہرے کارنگ اڑ گیا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا پھر سمجھتی سے ہونٹ سمجھنے لا۔ ”وہ لوگ نہیں چاہتے کہ تم ہم سے ملو۔“ حمید کہتا رہا۔ ”بات حقیقتاً یہ ہے کہ تم داش متعلق کوئی اہم بات جانتی ہو۔“

”میرے خدا.....!“ صوفیہ کی آنکھیں حیرت اور خوف سے بیلیں گئیں۔

”ہم داش کے متعلق بہت سی معلومات فراہم کرچے ہیں اور ان کی روشنی میں ہم یہ پر محصور ہیں کہ یہ فعل داش کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔“

”کیوں..... نہیں یہ غلط ہے۔“ صوفیہ نے ہانپتے ہوئے کہا۔

”بالکل درست ہے۔“ حمید بولا۔ ”داش بچپن تیک ہزار کا قرض دار تھا اور ظاہر ہے اتنی رقم نہ داش کے بس کاروگ تھی اور نہ ناصر کے۔ البتہ سرمندوم کی موت ناصر کو دولت بنا سکتی تھی۔ پھر ناصر سے یہ کیسے ہوتا کہ داش کو قرض خواہوں میں گھرا ہوا دیکھتا۔“ صوفیہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر تھوک نگل گئی۔

”ہو سکتا ہے کہ تم داش کی موجودہ قیام گاہ سے واقف ہو۔“

”نہیں..... خدا کی قسم میں نہیں جانتی۔“

”پھر انہوں نے تمہیں کیوں قید کر دیا تھا۔“

صوفیہ کچھ نہ بولی۔ وہ فرش کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”تم سرمندوم کے قاتل کو بچانے کی کوشش کر رہی ہو۔“ حمید نے کہا۔

”نہیں یہ غلط ہے۔“ صوفیہ بھرا لی ہوئی آواز میں بولی۔

”پھر.....؟“

”داش بھی میرا چازاد بھائی ہے اور ناصر بیجا ہیں ان سے بھی وہی رشتہ ہے جو سرمندوم ہے تھا۔“

”تو تم قانون کی مدد نہیں کرو گی۔“

”م..... میں!“

”سرمندوم تمہارے گھن تھے۔“

”تم کیا پوچھتا چاہتے ہو۔“

”یہی کہ انہوں نے تمہیں قید کیوں کر دیا تھا۔“

”میں نے داش بھائی کو کپاڈ ٹھنڈی میں دیکھا تھا اسی رات کو جب آگ لگی تھی۔“

”کیا وقت رہا ہوگا۔“

”شاید ایک ہجاتھا۔“

”تم اس وقت کپاڈ ٹھنڈی میں کیا کر رہی تھیں۔“

”میں کپاڈ ٹھنڈی میں نہیں تھی۔ میری خواب گاہ اور پری منزل پر ہے اور اس کی ایک کھڑکی ڈھنکی طرف ہے۔ مجھے نیند نہیں آئی تھی۔ میں کمر سمجھنے میں بھل رہی تھی۔ کپاڈ ٹھنڈی میں اندر ہراں۔ لیکن ناروں کی چھاؤں میں مجھے ایک دھنلا سا انسانی سایہ دکھائی دیا۔ میں نے ٹاچ اس کی روشنی میں مجھے داش بھائی دکھائی دیئے جو آٹھ ہاؤز کی طرف جا رہے تھے۔“

”آگ جب لگی تم جاگ رہی تھیں۔“

”نہیں سوچ لی تھی۔“

”آگ لگنے پر آنکھ کھل گئی ہو گی۔“

”سب سی جاگ پڑے تھے۔“

”تو تمہارا خیال داش کی طرف گیا ہوگا۔ قدرتی بات ہے۔“

”نہیں..... میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔“

”پھر گھروالوں کو کیسے معلوم ہوا کہ تم نے دانش کو کپا و غم میں دیکھا تھا۔“

”یہ بات دوسرے دن سب سے پہلے دربان نے بتائی تھی جس پر ناصر پڑا گیا تھا۔ کہنے لگے کہ دربان نے خواب دیکھا ہوگا۔ پھر جب میں نے بھی انہیں رات کا واقعہ خاموش ہو گئے۔ آخر انہوں نے دربان کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ اس کا تذکرہ کر کرے گا۔ پھر انہوں نے مجھے سمجھایا کہ اس بیان پر پولیس خواہ گواہ شبہ کرے گی اور خاندان مصیبت میں پھنس جائے گا۔“

”تم نے پوچھا نہیں کہ ایسا کن بناء پر ہو سکتا ہے۔“

” وجہ میں خود ہی جانتی تھی۔ دانش بھائی شرابی اور جواری ہیں وہ کئی بار پیچا جان مرد؟ اس بناء پر لڑکے تھے کہ وہ ان کا قرض کیوں نہیں ادا کر دیتے اور اس کی عدم موجودگی میں ہمارے سامنے وہ یہ بات کہہ چکے تھے کہ وہ پیچا جان کو مار دالیں گے۔ لیکن ایسے موقعہ ہیشتر نہیں ہوتے تھے۔ ناصر پیچا کا خیال ہے کہ ممکن ہے دانش بھائی نے ہیکی جملہ باہ دوستوں میں بھی دہرا دیا ہو۔ اگر پولیس کو ذرا شبہ بھی ہو گیا تو پھر دانش بھائی پھنس جائیں۔“

”اچھا تھا۔ پھر وہ اس طرح غائب کیوں ہو گیا۔“ حمید نے پوچھا۔

”پتہ نہیں۔“ صوفیہ بولی۔ ”یہی تو میں سوچتی ہوں۔ وہ اکثر گھر سے کئی کئی ٹوٹا لئے غائب ہو جاتے ہیں لیکن وہ آج کل جہاں بھی ہوں گے انہیں اس حادثے کے متعلق معلوم ہوا ہوگا۔ کئی دن تک اخبارات میں اس کے متعلق پچھنچ کر آتا ہی رہا ہے۔ اتنا ضرور آنا چاہئے تھا۔“

حمدید پچھہ درستک خاموش رہا پھر بولا۔

”تم اب کیا کر دیں۔“

”میں خود بھی نہیں بھج سکتی۔“

”گھر کا کوئی آدمی تمہاری تلاش میں ہے اس نے میرا تعاقب کیا تھا لیکن میں اُنھے

، کر گھر چلا گیا..... اور وہاں سے بوڑھے کے میک اپ میں تم تک پہنچا۔“

”مجھے خوشی ہے کہ تم نے ایسا کیا اور نہ شاکنڈ زندگی بھرم سے ایسی مفید معلومات نہ حاصل ہاں کیتیں۔“

”تو آپ نے کیا نتیجہ نکالا ہے۔“

”بیتھے..... ظاہر ہے کہ آگ لگانے والا دانش ہی ہے اور ناصر صاحب اُس کی موجودہ گاہ سے ابھی طرح واقع ہیں۔“

”خرا جانے.....!“ صوفیہ نے کہا۔ ”دانش بھائی اتنے بڑے بھی نہیں تھے کہ کچھ بچا کر کر دیتے۔“

”پھر غائب کیوں ہو گیا۔ اسی بناء پر ناکہ وہ بہتیرے لوگوں کے سامنے سرمندوم کو قتل ریئے کا خیال ظاہر کر چکا تھا۔ اگر اس نے یہ حرکت نہ کی ہوتی تو ضرور سامنے آ جاتا اور اپنے شہادت رفع کرنے کی کوشش کرتا۔“

”ممکن ہے..... وہ قرض خواہوں کے ڈر سے روپوش ہو گئے ہوں۔“

”تو پھر ناصر صاحب اس بُری طرح پر دہ نیوٹی پر کیوں تلے ہوئے ہیں ورنہ یہ بات لمحی سوچتا ہوں کہ بظاہر دانش کے لئے اب کوئی خطرہ نہیں کیونکہ پولیس اسے اتفاقیہ حادثہ علی دے بھی ہے اور ہم لوگ تو نجی طور پر تحقیقات کر رہے ہیں۔“

”ناصر پیچا کی گھبراہٹ کے لئے بھی کیا کم ہے۔“ صوفیہ بولی۔

”مجھے تو سرمندوم کی عقل پر رونا آتا ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”جب وہ حضرت یہ بات سمجھے کہ ان کی زندگی خطرے میں ہے تو انہوں نے پولیس کو اطلاع کیوں دی۔“

ہا بھر بولا۔ ”کیا تم سمجھتے ہو کہ میں نے اسے انواع کیا ہے۔“

”میں کچھ نہیں سمجھتا۔ مجھے اس کا پتہ چاہئے۔“

”اس کے لئے ایک بہترین طریقہ ہے۔“ حمید نے زم لجھ میں سنجیدگی سے کہا۔

”کیا.....؟“

”اخبارات میں مشہر کراؤ..... جہاں ہو گی آجائے گی۔“

”میرا خیال ہے کہ تم جانتے ہو۔“

”لیکن اس خیال کی وجہ.....!“ حمید پھر اسے گھورنے لگا۔

”اوہ..... بس یونہی۔“ شمشاد نے کہا اور چڑھی ہوئی موچھوں کے باوجود بھی اس کے

دوسری صبح وہ سرمندوم کی کوٹھی کی طرف جانے کی تیاری کریں رہا تھا کہ نوکرنے لیا پرے پر زمی کے آثار نظر آنے لگے۔ حمید اس تقیر کو محبوں کے بغیر نہ رہ سکا۔

شمشاد چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ”میں نے سوچا ممکن ہے آپ کو علم ہو۔“

”میں پھر آپ سے ایسا سوچنے کی وجہ دریافت کروں گا۔“ حمید نے کہا۔

”قدرتی بات ہے۔“ شمشاد نے کھنکار کر کہا۔ ”آپ لوگ تو ہمارے خاندان والوں پر

کوئی نظریں رکھتے ہوں گے۔“

”اکھی تک تو کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔“ حمید بولا۔

”میں اسے قطعی فضول سمجھتا ہوں کہ یہ بات بار بار دہرائی جائے۔ ہم یہ سمجھ پکے ہیں کہ

شمشاد مضبوط جسم کا ایک لمبا تر ٹگا جوان تھا اور کچھ اس قسم کی موچھیں رکھتا ہے دنا

”مول جان کی وصیت پاگل پن کا نتیجہ نہیں تھی، انہیں گھر ہی کے کسی فرد پر شبہ تھا۔“

”اوہ..... تو آپ لوگ یہ سمجھتے ہیں۔“ حمید اسے معنی خیز نظر وہ سے دیکھنے لگا۔

”دیکھے! باتوں کا ڈھکا چھپا انداز مجھے پسند نہیں۔“ شمشاد نے حمید کی آنکھوں میں

سمجھتے ہوئے کہا۔

”میں نہیں سمجھا۔“

”آپ لوگ داش کے پیچھے ہیں۔“

”اور شاید آپ مجھے اس کا موجودہ پتہ ضرور بتائیں گے۔“ حمید مسکرا کر بولا۔

اپنی میل جوتا

حمدید نے وہ رات بے چینی سے گزاری۔ اُسے اس کیس کا کوئی پہلو نہیں پڑیا۔

تھا۔ بات ساری ہوتوں کی تھی۔ صوفیہ کے ہوتوں کی۔ دوران گفتگو میں جن کی جنہیں

دلاؤ ہر معلوم ہوتی تھی۔ حمید اس سے رخصت ہوتے وقت بہت اداں ہو گیا تھا۔

دوسری صبح وہ سرمندوم کی کوٹھی کی طرف جانے کی تیاری کریں رہا تھا کہ نوکرنے لیا

لا کر اُسے دیا۔ کارڈ کے نام پر نظر پڑتے ہی حمید چونک پڑا۔

”یہ یہاں کیسے؟“ وہ آہستہ سے بڑا ہوا۔ ”پھر نوکر سے پوچھا تھا ہے۔“

”جی ہاں.....!“

”اچھا میں آ رہا ہوں۔“

نوکر چلا گیا۔ حمید چند لمحے کھڑا سوچتا رہا پھر وہ ڈرائیگ روم کی طرف چل پڑا۔

”مخدوم کا بھانجا شمشاد اس کا انتظار کر رہا تھا۔“

شمشاد مضبوط جسم کا ایک لمبا تر ٹگا جوان تھا اور کچھ اس قسم کی موچھیں رکھتا ہے دنا

”صرف اسی کو موچھیں رکھنے کا حق ہو۔ حمید اس کے متعلق پہلے بھی کئی بار سوچ چکا تھا اور جو کجا

”نے سوچا تھا اگر اس کا اظہار کر دیتا تو کشت و خون تک کی نوبت آ جاتی۔ نہ جانے کیوں نہیں؟“

موچھیں دیکھ کر اس کا خون کھون لئے گتا تھا اس کا خیال تھا کہ اول تو موچھ رکھنے کی چیز ہی نہیں

اگر وہ کبھی بھی جائے تو اس کی نوکیں اوپر کی طرف اٹھا کر مسخروں کی سی شکل کیوں بنائی جائے

”صوفیہ کہاں ہے۔“ شمشاد نے حمید کو دیکھتے ہی سوال کیا۔

”حمدید کی مسکرا ہست ہوتوں کے تنفر آمیر کنچاڑ میں تبدیل ہو گئی۔ وہ چند لمحے شمشاد کا

وجانے کے بعد ناصر ماموں کو اپنی اس حرکت پر بڑا افسوس ہے۔ انہوں نے سارا واقعہ مجھے
ایا۔ وہ کل رات سے لٹکی کے لئے رور ہے ہیں۔“

”ناصر ماموں بہر حال باپ ہیں اور ان کی پریشانی یا احتیاط قدرتی چیز ہے لیکن مجرم
جید سوچ میں پڑ گیا۔ حقیقتاً ناصر کی حرکت بالکل قدرتی تھی۔ دنیا کا ہر باپ اپنی اولاد
کے عیوب کی پرده پوشی کرنا چاہتا ہے اور پھر داش پر تو قتل کا شہر کیا جا رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ
یا شمشاد کو صونیہ کا پتہ بتائیا دے۔“

”جیچ پوچھئے تو مجھے داش کی ذرہ برابر بھی فکر نہیں۔“ شمشاد نے کہا۔ ”مگر صوفیہ! وہ مفت
بین صاحب برداشت کر رہی ہے اور داش اپنی سزا کو پہنچھی گا۔“

”تو کیا ناصر ہی نے اسے قید کیا تھا۔“ حید نے پوچھا۔

”اوہ.....!“ شمشاد ہنسنے لگا۔ ”تو آپ اس کا پتہ جانتے ہیں۔“
”اگر جالات ایسے نہ ہوتے تو ناصر ماموں کے لئے پریشانی کی کوئی بات نہ تھی۔“ شمشاد
نے گلگیٹ سلاکتے ہوئے کہا۔

”کیا ناصر صاحب کو بھی اس کا یقین ہے۔“

”نہیں بظاہر تو نہیں..... وہ اس کی بے گناہی کے سلسلے میں سینکڑوں دلائل پیش کرتے ہیں۔“

”دلائل..... بھلاکس قسم کے؟“ حید نے اپنی پاپ میں تمباکو بھرتے ہوئے پوچھا۔

”سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ داش نیم فاتح اعقل قسم کا آدمی ہے۔ حد سے بڑھی
ہوئی شراب نوشی نے اس کے دماغ کی چولیں ہلا دی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ نش کی لہر اسے اس
رات کوئی نکل لائی ہو اور پھر وہ تھوڑی دریٹھل کروابیں چلا گیا ہو۔ اگر اس نے آگ لکائی بھی
بھوتی تو اس طرح غائب نہ ہو جاتا۔ دوسرے یا تیسرا دن ضرور وابیں آتا۔ کیونکہ پولیس اسے
اتفاقی حداثہ قرار رہی دے پکھی تھی۔“

”لیکن اب کیا وجہ ہے کہ آپ اسے اتفاقی حداثہ نہیں سمجھتے۔“ حید نے سوال کیا۔

صوفیہ نے ہمیں آؤٹ ہاؤز کے پیر و فی دروازوں کے متعلق بتایا تھا۔ ہم نے بھی انہیں
دیکھا۔ حقیقتاً وہ باہر کی طرف سے بھی بولٹ کر دیے گئے تھے اور پھر کوئی میں اس پر اسرار آدمی
کی موجودگی۔ آخر وہ کون تھا..... اور وہاں کیا کر رہا تھا

”مجھے معلوم ہوتا تو میں اتنی دیر خاموش نہ رہتا۔“ شمشاد نے کچھ سوچتے ہو
کے حوالے کر دیا ہر ایک کافر نہ ہونا چاہئے۔“

”میں آپ کے خیالات کی قدر کرتا ہوں۔“

”صوفیہ محض ناصر ماموں کی ناعاقبت اندیشی کی بناء پر کہیں فرار ہو گئی۔ میں اس
بہت پریشان ہوں بیجا ری یتیم بچی۔“

”تو کیا ناصر ہی نے اسے قید کیا تھا۔“ حید نے پوچھا۔

”اوہ.....!“ شمشاد ہنسنے لگا۔ ”تو آپ اس کا پتہ جانتے ہیں۔“

”ضروری نہیں..... اس کا قطعی یہ مطلب نہیں کہ میں نے یہ بات صوفیہ سے معلوم کر
پھر.....؟“

”تیس..... جس کمرے کی کھڑکی سے وہ فرار ہوئی تھی اس کا دروازہ باہر سے مقفلہ
شمشاد کچھ نہ بولا۔ وہ چند لمحے سر جھکائے بیٹھا رہا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔
”اگر آپ ناصر ماموں کی بلگہ ہوتے۔“

”کیا صوفیہ کو داش کا پتہ معلوم ہے۔“ حید نے جلدی سے پوچھا۔

”نہیں..... شائد اس نے واردات کی رات داش کو کمپاؤٹر میں دیکھا تھا اور
پراسر اڑ ریتے پر غائب ہو گیا اور محض اس طرح غائب ہو جانے ہی کی بناء پر ناصر ماموں
چاہئے کہ اس کا تذکرہ کیا جائے۔“

”ہوں.....!“ حید نے کری کا ہتھا انگلیوں سے لکھتا ہے ہوئے سر ہلایا۔

”کیا ناصر ماموں کی یہ حرکت قدرتی امر نہیں۔“

”قطعی ہے..... لیکن آپ تو داش کے باپ نہیں تھے۔“ حید نے تلخ لمحے:

”آپ کو قانون کی مدد کرنی چاہئے تھی۔“

”مجھے اس کا علم نہیں تھا۔“ شمشاد نے کہا۔ ”مجھے تو کل رات معلوم ہوا۔ صوفیہ کے

”کیا دانش بہت تیز دوڑ سکتا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔ ”اور اتنا پھر تیلا بھی ہے کہ“ جسے موس کیا کہ فریدی آج پہلے سے بھی زیادہ محتاط نظر آ رہا ہے۔“ دوڑتے دیواروں پر چڑھ سکے۔“

”ممکن ہے۔“ شمشاد کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”دانش بھی ایک اچھا اسپورٹس میں تھا۔ اونچنے لگا۔“

”تم نے بقیہ رات کہاں گزاری تھی۔“ فریدی اُسے گھور کر بولا۔“ شراب نے اُسے برپا کر دیا۔“

”کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید نے پوچھا۔“ اچھا وہ حالات کون سے ہو سکتے ہیں جن پر دانش ہی پر شبہ کیا جاسکے۔“

شمشاد نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ اس کے انداز سے پنچھا ہشت ظاہر ہو رہی تھی۔ اس کھنکھار کر کہا۔ ”دانش قریب قریب تیس ہزار کا قرض دار ہے غالباً جوئے میں ہارا ہو گا۔ جوئے کی بھی لنت ہے۔“

”رات بھر اس کس کی کڑیاں ملاتا رہا۔..... آخر اس نتیجے پر پہنچا۔.....!“ سرمندوم نے قرض ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔“ حمید نے کہا۔“

”جی ہاں..... لیکن شاید وہ ادائی کر دیتے۔“ دانش نے جلد بازی کی کام لیا۔“ کیا اس سے پہلے بھی وہ اس کا قرض ادا کر چکے تھے۔“

”کئی بار.....!“

”اچھا جناب.....!“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ”اب کہاں جائیں گے۔ میں تو آپ کو طرف جا رہا ہوں۔“

”میں بھی گھر ہی جاؤں گا لیکن آپ نے صوفیہ کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔“ یہ حقیقت ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ ”کیا پچھلی رات۔

ہی نے میرا تعاقب کیا تھا۔“

شمشاد ہنسنے لگا۔

”میں ہی تھا۔“

وہ دونوں باہر آئے۔ شمشاد کی کار کپاڈ غمیں کھڑی ہوئی تھی۔ حمید نے گیراج سے کیڈی لالہ خلمسے اور چکلے بادل پھسل رہے تھے اور وہ اوس سے بھیگی ہوئی گھاس پر گال رکھ کر سو جانا سرمندوم کی کٹھی میں فریدی حمید کا منتظر تھا۔ دونوں عقبی مارک کی امکان تھی میں آئندی۔

”کچھ دیر بعد تیسری اختیار کر لے گا۔“ حمید برا سامنہ بنا کر بولا۔ ”پھر چوتھی..... معاملہ

اٹلڑا آگے بڑھتا جائے گا..... اور ہو سکتا ہے کہ پھر کوئی ہماری ہی شکلیں نہ پیچان سکے۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ حمید پھر او نکھنے لگا۔ اس کے نیم عنودہ ذہن میں

سرمندوم کی کٹھی میں فریدی حمید کا منتظر تھا۔ دونوں عقبی مارک کی امکان تھی میں آئندی۔

”میں خود بھی اس پر غور کر رہا ہوں۔“

جید کے ذہن میں پھر ایک چھٹتا ہوا جملہ کلبلایا۔ لیکن فریدی کا بگڑا ہوا موڈ دیکھ کر بک

دینے کی بہت نہیں پڑی۔ آج نہ جانے کیوں فریدی بہت زیادہ چڑھا اپنے انتظار رہا تھا۔

”کیا آپ کی طبیعت کچھ خراب ہے۔“

”نہیں.....!“ فریدی اُسے خونخوار نظرؤں سے گھورنے لگا۔

”تو کیا میں چلا جاؤں۔“ جید نے پوچھا۔

”چلا جاؤ.....!“ میں اس وقت خاموش رہنا چاہتا ہوں۔“

جید کھڑا ہو گیا۔

”ٹھہر و.....!“ فریدی بولا۔ ”بیکار نہیں بیٹھو گے۔“

”ہرگز نہیں.....!“ میں جاتے ہی سو جاؤں گا.....“ جید نے بڑے خلوص سے کہا، اور فریدی

بے اختیار سکرا پڑا۔

”لیکن تم آج نہیں سوکو گے۔“ اس نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ ہم آج ہی کامیاب

ہو گئیں۔ اس کے بعد پھر تمہیں کم از کم ایک بفتے تک سوتے رہنے کی اجازت ہو گی۔“

”اچھا جتاب.....!“ جید مختذلی سانس لے کر بولا۔ ”کام بتائیے۔“

”بہت معمولی سا ہے.....!“ تمہیں یہاں کے ایک نوکر کی نگرانی کرنی ہے۔“

”کس نوکر کی.....!“

”سردار.....!“

”اوہ.....!“ بوجا جاؤ ہر وقت کچھ نہ کچھ بڑی بڑی اتنا ہی رہتا ہے۔“

”وہی.....!“ بس یہ سمجھ لو کہ اگر وہ جہنم میں بھی جائے تو اس کا پیچانہ چھوڑتا۔“

”بہتر ہے.....!“ لیکن اگر وہاں قلوپڑھہ سے ملاقات ہو گئی تو میری واپسی ناممکن ہو جائے گی۔“

”بس چلے جاؤ.....!“ فریدی اُسے دھکا دیتا ہوا بولا۔

جید کو اس نوکر کو تلاش کر لینے میں دشواری نہ ہوئی۔ وہ اصلیں کے قریب زمین پر بیٹھا

چاہتا تھا..... اس وقت اس کے ذہن میں نہ تو اس کیس کی کوئی گنجی تھی اور نہ صوفیہ کی دلاؤرین جنبشوں کا تصور۔“

”بچھلی رات آپ کیا کرتے رہے۔“ اس نے آگے پیچے جھولتے ہوئے فریدی سے ”دینے کی بہت نہیں پڑی۔ آج نہ جانے کیوں فریدی بہت زیادہ چڑھا اپنے انتظار رہا تھا۔“

”میں..... قبر کھو دتا رہا۔“

”کیا.....؟“ جید چونک کر بولا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے فریدی کو گھوڑہ پر کی نیند غائب ہو گئی تھی۔

”کیا سرخدم کی.....؟“ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔

”نہیں..... لاش اس میں بند ہے۔“ فریدی نے مسکرا کر ایک چھوٹے سے اپنی اطراف اشارہ کر کے کہا جسے وہ آج صحیح ہی سے ساتھ لے پھر رہا تھا۔

”مرغی کے پیچے کی لاش.....!“ جید نے تمثیر آمیز انداز میں ایک مخفی سانس فریدی نے ادھر ادھر دیکھ کر اپنی کیس کھولا..... اور جید نے اتنے زور سے تھہ بے بعد میں اسے کہانی آنے لگی۔

”اپنی کیس میں ایک ادھر جلا جوتا رکھا ہوا تھا۔“

جید کہانیوں کے باوجود بھی بہتارہا لیکن فریدی کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہ آئے۔ اپنی کیس کو بند کر کے دوبارہ مغلل کرتے ہوئے کہا۔ ”کیا میں پاگل ہوں۔“

جید کی نہیں رک گئی۔ فریدی کے تیور مار بیٹھنے والے تھے۔ جید نے سنجیدگی کا کرنے میں عاقبت سمجھی اور وہ معاملے کو برادر کرنے لگا۔

”بھی آپ تو خواہ خواہ ناراض ہو گئے.....!“ ہر ایک کو نہیں آئے گی اس بات پر۔

آپ نے اسے سرخدم کی قبر سے نکالا ہے۔“

”نہیں.....!“

جید سمجھا تھا کہ فریدی کچھ اور بھی کہے گا لیکن وہ خاموش ہی رہا۔

”آخر یہ ہے کیا بلا.....!“ جید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

سلبی سے انجام دیتا۔ کسی سے گفتگو کرتا تو پاگل بن کا شہر تک نہ ہوتا لیکن تہائی نصیب ہوتے تھے پھر بے بُنی بُرداہٹ کا سلسلہ جاری ہو جاتا۔ حیدری طرح نگ آ گیا تھا۔ مگر فریدی کا مودہ دیکھنے ہوئے حکم سے سرتالی کی ہمت نہیں پڑی۔ اگر وہ فریدی کو ایک بار بھی مسکراتے دیکھ لیتا تو پھر کسی نہ کسی طرح اس بور کرنے والی ڈیوٹی سے پیچا چھڑانے کی کوشش کرتا۔

رات کا کھانا دونوں نے الگ الگ کھایا۔ جب حید کھانے کے لئے گیا تو فریدی اس نوکری گرفتار کرتا رہا۔ حید کی الجھن بڑھتی گئی۔ آخر فریدی گھر کے درمرے افراد کو چھوڑ کر اس

بُوڑھا ملازم پاگل نہیں تھا۔ عادات و اطوار بالکل صحیح الدماغ آدمیوں کے سے تھے، ذکر سے کیوں چست گیا ہے۔ اُسے وہ ادھ جلا جتنا بھی یاد آ رہا تھا۔ آخر وہ کس قسم کا کھو تھا۔ وہ کھانا ختم کر کے فریدی کی تلاش میں نکلا ہی تھا کہ سعیدہ اور کہت سے مذکور ہو گئی۔ ”بُری خوبگھوار رات ہے۔“ سعیدہ بولی۔

”ہائے کتنی ٹھنڈک ہے۔“ کہتے نے مٹکا لگایا۔ ”آج تو آپ گانا سنائیں گے۔“ ”اور اگر آپ کے ڈیڈی نے بھی ایک آدھ بول سن لئے تو۔“ حید نے کہا۔ ”ہم پارک میں چل کر بیٹھیں گے..... ڈیڈی ذرا سی دیر میں سو جائیں گے۔“ ”اپنے آفیسر کو بھی بلاں لوں۔“

”اررر..... نہیں..... وہ تو بہت زیادہ نک چڑھے معلوم ہوتے ہیں۔“

”بہترین گاتے ہیں۔“ حید نے کہا۔

”جھوٹ.....!“ کہتے ہا تھا کر بولی۔

”تائیں..... الاقوم.....!“ حید جھنچھلاہٹ میں پلک کر بولا اور دونوں ہٹنے لگیں۔

اک وقت حید بچھان سے پیچا چھڑانا چاہتا تھا..... وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی بُری طرح خالا ہو گا۔ اس نے حید کو خلد سے جلد کھانا ختم کر لینے کی تاکید کی تھی۔

”اُسے تو آپ ناراض کیوں ہو رہے ہیں۔“ سعیدہ بولی۔

”آپ لوگ عجیب ہیں۔“ حید نے کہا۔

”کیوں.....؟“ دونوں بیک وقت بولیں۔

بُرداہٹ ارہا تھا۔ بُرداہٹ کے دوران میں وہ کبھی بھی گھوڑوں کو گھونسہ دکھانے لگتا تھا۔ حیدر پر نہیں آئی اور فریدی پر غصہ۔ آخر اس خبلی کے پیچے لگانے کی کیا ضرورت تھی۔

ملکے اور فائر

بُوڑھا ملازم پاگل نہیں تھا۔ عادات و اطوار بالکل صحیح الدماغ آدمیوں کے سے تھے، ذکر سے گفتگو کرتے وقت بہت بھی نہیں تھا۔ لیکن تہائی میں اس کی ذہنی رو بہک جاتی تھی وہ درد دیوار سے باقی کرنے لگتا تھا..... اور اگر ایسے میں کوئی اسے چھیڑ دیتا تو وہ چوک کر جی پنپی لہی کے ساتھ یا تو ادھر ادھر کی باقی شروع کر دیتا یا وہاں سے کھک جاتا تھا۔

حید اس سے ٹھوڑے ہی فاصلے پر کھڑا اسے گھوڑتا رہا۔ نوکر کی پشت حید کی طرف تھی وہ اس طرح اپنے خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ اُسے حید کی موجودگی کا علم ہی نہ ہوا۔ وہ بدہ بُرداہٹ اتار رہا۔

”سالو..... تھاں پر بندھے بندھے جگائی کرتے رہو۔“ وہ غالباً گھوڑوں سے کہہ رہا۔ آدمی ہوتے تو پتہ چلتا..... شادی کرنی پڑتی۔ بچے ہوتے..... اور وہ سالی دن بھر بچ کو اُمیں لے چلایا کرتی..... منی کے بابا آ جا..... بابا کے ڈبآ آ جا..... ڈبآ کے ڈبآ آ جا..... وہ تمہاری کی.....!“

اس نے پھر گھوڑوں کو گھونسہ دکھایا اور زمین سے گھاس کے بہت سے ٹکنے اکھاڑا چبانے لگا۔ حید کا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔ کیا فریدی نے اسے سزا دی تھی۔ آخر اس دل کے بودم کی گرفتاری کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ لیکن حکم حاکم مرگ مفاجا ت..... شام مکان اس کے پیچے لگا رہنا پڑا..... اس دوران میں اس سے کوئی ایسی حرکت سرزنشیں ہوئی جو مہما نے خلاف ہوتی۔ اگر اسے کوئی کام کرنے کو کہا جاتا تو وہ بے چوں و چرا تمیل کرنا اور اسے

”آپکے بھائی پر قتل کا الزام ہے اور اس پر بھی آپ زندہ دل کا ثبوت دے رہی
کیا.....؟“ سعیدہ سہی ہوئی آواز میں بولی۔ ”کس پر۔“
”دانش پر.....!“

”بکواس ہے۔“ عکھت گرم ہو گئی۔ ”تم لوگوں کو منہ کی کھانی پڑے گی۔ دانش بکاٹ گیا۔

فرض خواہوں بے بچنے کے لئے جھپپ گئے ہیں۔“

”کہاں چھپے ہوئے ہیں۔“

”ہم کیا جائیں..... لیکن یہ بکواس ہے۔“

”ہم بہت جلد اسے قانون کے حوالے کر دیں گے۔“ حمید نے کہا۔

دونوں حمید پر بُری طرح برس پڑیں اور اسے جان چھڑانی مشکل ہو گئی۔ پھر اس

اور کوئی چارہ نہ رہ گیا کہ حمید انہیں اور تیادہ غصہ دلانے والے حلقوں پر تسلیم چھڑکتا رہا اور
بھڑکتی رہیں۔ آخر جب وہ رو دینے کے قریب پہنچ گئیں تو حمید یکخت گئیں تو حمید یکخت اس کے ساتھ اس
لارڈن دوسرا طرف موڑ دی اور اسے موڑتا ہی رہا حتیٰ کہ شمشاد دھم سے دوسرا طرف الٹ
وہ پوری عمارت کا چکر لگا کر اصطبل کی طرف پہنچا۔ لیکن فریدی وہاں بھی نہ لایا حمید اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔

نوکروں کے کوارٹروں کی سن گن لیتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

کچھ دور چلنے کے بعد اسے اچانک رک جانا پڑا۔ لیکن ٹھوڑے ہی فاصلے سے ثانیہ لاموفی..... لے۔

اُسے مخاطب کیا تھا۔

”ہالٹ..... ہو کس دیز.....!“ آواز پھر آئی۔

حمدید کو پہنچ آگئی۔ کوئی فوجی پیڑہ داروں کی نقل کر رہا تھا۔ وہ تیزی سے آواز کی جان
اور پھر اس نے ایسا منظر دیکھا جس کی اسے توقع نہ تھی۔ شمشاد شراب کے نشے میں کھڑا
تھا۔ وہ شمشاد جو آج ہی صبح دانش کی شراب نوشی کا تذکرہ بہت بُرے لمحے میں کر چکا تھا۔

”تو مکاؤن ہو.....!“ وہ حمید کے سینے پر انگلی مار کر بولا۔

”ماں میں الوکا پاٹھا ہوں.....!“ حمید اس کی طرح الفاظ کو کھینچ کر بولا۔

شمشاد نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”تو م خود اگ بھاؤ.....!“ شمشاد اس سے لپٹ پڑا۔
حید نے اس کے منہ پر گھونسہ ٹڑ دیا۔ شمشاد نے گندی سی گالی دی اور کسی پاگل کتے کی
ریح حمید کا بازو بھینجوڑ ڈالا۔ حید نے باسیں ہاتھ سے اس کی ناک مرود دی اور وہ چیخ کر چھپے
”سالے..... پڑوں چھڑک کر آگ لگادوں گا.....“ شمشاد پھر اس کی طرف جھپٹا۔

اب اسے کچھ ہوش آ گیا تھا۔ اس پار حمید کا مرکا اس کی ٹھوڑی کے یچے بیٹھا۔ شمشاد پہلے
لارڈا کر یچھے ہٹا پھر اچانک اچکل کر حمید کی گردن دبوچ لی۔ حملہ قطعی غیر متوقع تھا۔ حمید
جل نہ سکا اور دوہ دو نوں گستہ ہوئے زمین پر آگرے۔

”مارڈالوں گا.....!“ شمشاد ہانپتا ہوا بولا۔ ”یہا صوفیہ کہاں ہے؟“

حمدید کو اب تجھے غصہ آ گیا تھا۔ اس نے پھر اس کی ناک دبا کر ایک جھٹکے کے ساتھ اس
لارڈن دوسرا طرف موڑ دی اور اسے موڑتا ہی رہا تھا کہ شمشاد دھم سے دوسرا طرف الٹ
وہ پوری عمارت کا چکر لگا کر اصطبل کی طرف پہنچا۔ لیکن فریدی وہاں بھی نہ لایا حمید اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔

”لے صوفیہ.....!“ اس نے اس کے منہ پر مکے مارتے ہوئے کہا۔ ”لے صوفیہ.....

”کون ہے..... کون ہے.....!“ چاروں طرف سے کئی لوگ دوڑ پڑے۔

حمدید بڑی بے دردی سے شمشاد کے منہ پر مکے جھاڑ رہا تھا۔ پھر اچانک اس کی
ہٹلی ہوئی موجھیں یاد آ گئیں اور اس نے انہیں مٹھیوں میں جکڑ لیا۔
شمشاد کسی رخصی ہنسنے کی طرح ڈکرانے لگا۔

اچانک حمید کے چہرے پر تاریخ کی روشنی پڑی۔
”یہ کیا ہو رہا ہے۔“ اُسے فریدی کی آواز سنائی دی۔

”خواہ جو اہل پٹ پڑا یہ وادہ۔“ حمید شمشاد کو چھوڑ کر ہٹتا ہوا بولا۔ ”نشے میں ہے۔“
نوکروں نے شمشاد کو پکڑ کر اٹھایا۔ خاندان کا کوئی آدمی وہاں موجود نہیں تھا۔ اس لئے

جید اپنا بازو سہلاتا ہوا پھانک کی طرف بڑھا۔
بوزھا خبطی دربان سے کسی مسئلے پر الجھا ہوا تھا۔

”ابے ہاں ہاں.....“ وہ دربان سے کہہ رہا تھا۔ ”ہمارے حضور نے انگلی کے ایک
ابنیوں سے چاند کے ٹکڑے کر دیئے تھے..... اور چاند کا دھبہ ان ٹکڑوں کا جوڑ ہے۔“

ربان نے آہستہ سے کچھ کہا جسے جید نہ سن سکا۔ وہ کافی دیر تک باتیں کرتے رہے اور
جید بوارے چپکا کھڑا اولگتارہا۔ پھر دور کے کسی گھریال نے گیارہ بجائے..... چاروں طرف
نما تھا۔ صرف ان دونوں کی سرگوشیاں سنائی دے رہی تھیں۔ کپاؤ ٹھیں میں کہے بھی نہیں بھونک
رہے تھے۔ شاید فریدی نے آج پھر ان کے لئے کوئی انتظام کر لیا تھا۔ سازھے گیارہ بجے اور
نلات کی کھڑکیوں میں نظر آنے والی روشنیاں بھی غائب ہو گئیں۔

”اب تو الو ہے۔“ بوزھے خبطی نے اوپھی آواز میں دربان سے کہا۔ ”بیٹا عشق ہے.....
مل گلی نہیں..... مرد ہونا چاہئے..... آگ میں کوڈ پڑنے کی ہمت ہونی چاہئے۔“

جید اپنا سر سہلانے لگا۔ اب اسے فریدی پر بڑے خلوص نیت سے غصہ آنے لگا تھا۔ لیکن
”پچ چاپ کھڑا رہا۔ بوزھے نے اپنی جوانی کی داستان چھپر دی تھی۔“

”مجھے دیکھو..... ایک لوٹیا تھی شکریا..... بھٹک لے گیا اُسے۔ کچھ دن رکھا..... پھر ڈھانی
وہ میں اسے نیچ کر اس کی چیز کو بھٹک لے گیا جو اسی کی عمر کی تھی۔ پھر وہ سالی کسی اور کے ساتھ
جید کچھ نہ بولا۔..... پھر فریدی اسے چکارنے لگا۔
”آخراں خبطی میں کون سی خاص بات ہے۔“ جید نے ٹھوڑی دیر بعد کہا۔ ”آپ نہ کہا۔“

جید کا دل چاہا کہ بوزھے کو پکڑ کر اس کی خاصی مرمت کر دے لیکن پھر خاموش رہا۔ ادھر
کھڑاں نے بارہ بجائے اور ادھر دربان کی چار پائی چڑچڑائی۔ بوزھا شامد جانے کے لئے کھڑا
”سالے کا کاثا لہر نہیں لیتا۔“ فریدی نے ٹھنڈا کہا۔ ”تم بہر حال خوش قسم ہو۔“

جید نے اطمینان کا سانس لیا۔ لیکن اُسے یہ سوچ کر اختلاف ہونے لگا کہ اب اگر اس
شیطان کے خالوں نے کسی جھولدار پلنگڑی میں لیٹ کر خراٹے یعنی شروع کر دیئے تو وہ کیا کرے

بات آگے نہ بڑھ سکی۔ شمشاد بالکل خاموش ہو گیا تھا۔ وہ چپ چاپ اٹھا اور پکڑے چلا
بغیر تیر کی طرح عمارت کی طرف چلا گیا۔

”جاوہ اپنا کام کرو۔“ فریدی نے توکروں سے کہا اور وہ چپ چاپ وہاں سے ٹکڑے
”کیا بات تھی۔“ وہ جید کی طرف مڑا۔

”کچھ بھی نہیں..... میں ادھر آ رہا تھا..... خواہ مخواہ سر ہو گیا۔“
”تمہیں بات بڑھانی ہی نہیں چاہئے تھی۔“ فریدی بولا۔

”خوب..... تو میں اس کے کے کھاتا۔“ جید نے جھلا کر کہا۔
”صرکرنا سکھو.....!“

”میں یتیم نہیں ہوں۔“
”اچھا بکواس بند کرو..... وہ فی الحال دربان کے پاس بیٹھا ہے۔“

”بیٹھا ہو گا..... میں گھر جا رہا ہوں۔“
”اے خر ملی دو شیرہ بس کر..... ورنہ اب میں مرمت شروع کر دوں گا۔“

”میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔“ جید بھنھنایا۔
”جب تم شراب پی لیتے ہو تو تمہاری حالت اس سے بھی بدتر ہو جاتی ہے۔ سمجھے بدھو۔“

”جید کچھ نہ بولا۔..... پھر فریدی اسے چکارنے لگا۔
آخراں خبطی میں کون سی خاص بات ہے۔“ جید نے ٹھوڑی دیر بعد کہا۔ ”آپ نہ کہا۔“

”خائع کر رہے ہیں۔“
”مجھے یقین ہے کہ میں ہمیابی سے قریب ہوں۔“

جید نے اپنا دہنبازو سہلا کر سکی لی اور منہ بنا کر بولا۔ ”کس زور سے کاتا ہے سالے۔“
”بیٹا تھا۔“ فریدی نے ٹھنڈا کہا۔ ”تم بہر حال خوش قسم ہو۔“

اچھا مذاق ختم کرو..... مجھے دوسرا کام سنبھالنا ہے۔“
پھر فریدی کچھ دور چل کر تاریکی میں غائب ہو گیا۔

بلندبر 13
چھوٹوں کی گھنی جھاڑیوں میں جھیگر "جھائیں جھائیں" کر رہے تھے اور جب ان کی گا۔ کیا اس حالت میں بھی اسے اس کی نگرانی کرنا پڑے گی۔ ایک بار پھر اسے فریدی پر ہ آگیا..... اگر وہ اسے اس نگرانی کا مقصد بتادیتا تو وہ مختلف حالات میں کوئی مناسب طریقہ آوازیں اچاک بند ہو جاتیں تو ایسا معلوم ہوتا جیسے سنائے میں ایک نظر نہ آنے والی لکیر دوڑتی اختیار کر سکتا تھا۔ اس طرح جھک مارنے سے کیا فائدہ۔

بوزھا اصلبل کی طرف جا رہا تھا۔ وہ کچھ اونچا بھی سنتا تھا اس لئے حمید کو تعاقب چلا۔ سلسلہ پھر شروع ہو جاتا۔
رکھنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی ورنہ اس کے جوتوں کے نیچے بھریاں کڑکڑا رہی تھیں۔ بیز
حید تارچ روشن کر کے آگے بڑھا..... اس نے قدموں کے نشانات کے لئے زمین پر ریٹی ڈالنی شروع کی لیکن اسے کامیاب نہیں ہوئی کیونکہ زمین بخت تھی۔

اصبل کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اگر حمید فوراً ہی دیوار کی اوٹ میں نہ ہو جاتا تو اس نے اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس طویل و عریض جھکل میں کہاں سرمارتا پھرے قریب پھر وہ اصلبل کے اندر چلا گیا۔ حمید نے دو تین منٹ تک انتقال کیا۔ پھر وہ بھی اصطاف کا کسے پھر فریدی پر غصہ آ جاتا..... تارچ اس کے ہاتھ میں کانپ کر بجھائی اور خود وہ لکھڑا کر ایک طرف لڑک گیا۔ نشانہ بازاں اچھا نہیں تھا ورنہ اس کا وہ ہاتھ تو ضرورتی زندگی ہو جاتا جس اندر ہر اونچائی کی وجہ سے اسے کچھ دکھائی نہ دیا۔ وہ بالکل دروازے کے سامنے کھڑے ہے۔ میں اس نے تارچ پکڑ کر کی تھی۔ گولی پشت کی دیوار سے کٹ رہی۔

ایک فائر پھر ہوا..... لیکن حمید نے اٹھنے کی بہت نہ کی کیونکہ وہ نہتا تھا۔ قریب ہی کہیں سے لگا ہوا رینگنے لگا۔

کیا مصیبت ہے..... وہ جلاہست میں سوچنے لگا۔ کیا جہنم کا راستہ اصلبل ہی سے گزرتا ہے۔ آخر یہ لوکا پٹھا اصلبل میں کیوں گھسا ہے۔ اس طرح کب تک یہاں کھڑا پڑے گا۔ حمید نے تارچ روشن کر لی۔ گھوڑوں نے چوک کر اپنے بیڑیز میں پر مارے اور پلٹ روشنی کی طرف دیکھنے لگے۔ لیکن بوزھا اصلبل میں نہیں تھا۔ حمید بوٹھلا گیا۔ روشنی کا دائرہ جلا جلدی ایک جگہ سے دوسری جگہ رینگتا رہا تھا۔ اصلبل میں گھس کر اس نے اوپری اوپری آخوند میں بھی روشنی ڈالی۔

بات سمجھ میں آگئی۔ لیکن ذرا دیر میں..... حمید نے ابھی تک اس چھوٹے دروازے طرف دھیان نہیں دیا تھا جو چھوٹوں کے جھکل کی طرف کھلتا تھا۔
وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔
دروازہ دوسری طرف سے بند نہیں تھا۔ صرف اس کے پاٹ بھیڑ دیئے گئے تھے۔
وسری طرف نکل گیا۔

ارے یہ کیا

فریدی نے دروازے کو دھکا دیا۔ وہ دوسری طرف سے بند تھا۔ وہ تین چار قدم پیچے ہٹا
چکل کر باہمی شانے سے دروازے میں نکر ماری۔ اندر گھوڑے بدک کر ہٹھنا لگے۔ اب
پاؤں سے بھی متعدد آدمیوں کی آوازیں آنے لگی تھیں۔
تیری نکر لگتے ہی دروازہ چڑھا کر دوسری طرف گر گیا۔
”مردی ہوئی لکڑی کا تھا.....!“ حمید نے کہا۔

”کام چور..... پھر مڈی.....!“ فریدی غرا کر حمید کی طرف پڑا۔
”شیشم..... شیشم..... دیوار کی لکڑی.....!“ حمید پوکھلا کر ہٹلانے لگا۔
فریدی نے اس کی گردان دبو چی اور دروازے میں دھکا دے دیا۔
وہ دونوں کپاٹوں میں داخل ہوئے۔ گیراج کے سامنے کئی آدمی کھڑے تھے۔ حمید کی
ہاتھی دیکھ کر وہ خاموش ہو گئے۔

وہ دونوں تیز قدموں سے چلتے ہوئے ان کے قریب پہنچ گئے۔ یہ کوارٹروں میں رہنے
لمازیں تھے۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر ان میں سے ایک نے کہا۔

”صاحب..... یہاں گیراج میں کوئی گھسا ہوا ہے۔“

فریدی نے آگے بڑھ کر گیراج کے دروازے کو دھکا دیا۔ وہ اندر سے بند تھا۔ فریدی
دل کی طرف مڑا۔

”کیا بات ہے؟“ کسی نے عمارت کی طرف سے پکار کر کہا۔ آواز ناصر کی تھی۔
فریدی نے ایک طویل سانس لی اور مسکرانے لگا۔ نوکروں کی لالثیوں کی مدد روشنی اس
پیچے پر پڑھی تھی۔

حمد کو اس کی مسکراتھ بڑی بھی ایک معلوم ہوئی۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور وہ
غول کی زرد زرد روشنی میں گوشت پوست کی بجائے تابنے کا ایک طویل القامت مجرم
لے گیا۔

”کون ہے.....!“ ناصر کی پکائی ہوئی آواز میں بولا۔

ارادہ کرنے والے کسی بھاگتے ہوئے آدمی کے قدموں کی آواز سنائی دی جو آہستہ آہستہ
ہوتی چلی گئی۔ کوئی دیوار کے دوسرے سرے کی طرف بھاگتا ہوا چلا گیا تھا۔
حمید مڑ کر دروازے کی طرف ریگنے لگا۔ اسے اگر اس قسم کے واقعات کا موقع ہوتے
وہ حالی ہاتھ بالکل نہ آتا۔ اس نے اسی میں عافیت سمجھی کہ چپ چاپ واپس جا کر فریدی
ٹلاش کرے۔

ٹھوڑی دیر قبل کا ہنگامہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے عجیب و غریب تھا۔ حمید نے محظی
کیا تھا کہ اس میں ایک سے زیادہ آدمیوں کا ہاتھ تھا۔ مگر وہ کون تھے! نوکر کہاں غائب ہو
تھا..... وہ بھاگتا ہوا آدمی کون تھا، جو اس کے قریب سے گزر کر اصطبل میں جا گھسا تھا۔
 غالباً اسی پر کسی نے فائز کیا تھا۔ کیا وہ یوڑھا تو کرتا ہے؟ مگر نہیں..... وہ اتنی تیزی سے نہ
دوڑ سکتا تھا..... پھر؟ کیا وہ داش تھا تو فائز کرنے والا فریدی ہی ہو
تھا.....؟ مگر وہ جیخ؟ وہ تو صریحاً کسی زخمی ہی کی جیخ ہو سکتی تھی۔“

حمد بڑی احتیاط سے دروازے کی طرف ریگلتا رہا۔ نیند کے خمار سے اس کا ذہن بچھا
ہو رہا تھا اور سونپنے سمجھنے کی صلاحیتیں جواب دے پچھلی تھیں۔
اس وقت تھنچ اتفاقات ہی نے اس کا ساتھ دیا تھا اور وہ دو میں سے ایک گولی ضرورات
دوسری دنیا کی سیر کر دیتی۔

وہ دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اور پھر جیسے ہی اس نے زمین سے اٹھنے کی کوشش
کی کسی نے پیچے سے اس پر حملہ کر دیا۔

”ارے خدا تھیں گارت کرے۔“ حمید دانت کچکا کر پلٹا۔
”لا جوں ولا قوۃ۔“ حملہ آور بڑی اکالگ ہٹ گیا۔
”نہیں..... مار ڈالئے۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔ اس نے فریدی کی آواز بیجانان لی۔
”خاموش رہو۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”کیا ادھر سے کوئی گذر اتھا۔“
”اصطبل میں گھس گیا۔“ حمید ہانپتا ہوا بولا۔

”سرخندوم.....!“ فریدی کے ہوت بھیجن گئے۔ ”سرخندوم جنہوں نے قانون سے مذاق

”لایا۔“
”گیراج کا دروازہ کھڑک را بھٹ کے ساتھ کھلا۔ لاٹینیں اور اٹھیں ان کے سامنے ایک

بلاپالا مگر مضبوط جسم کا بوڑھا کھڑا تھا۔

”ماں جان.....!“ شمشاد چینا۔

”پڑے سرکار.....!“ توکر چلانے۔

اور حمید اپنی کھوپڑی اس طرح سہلانے لگا جیسے گری چڑھ گئی ہو۔

توہڑی دیر بعد وہ ہاں میں بیٹھنے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے۔ ان میں ناصر ہی تھا لیکن اس کے ہاتھوں میں ہھکڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور اس نے اپنا سر میز پر اونڈھا رکھا

”میں چھپ کر تم لوگوں کی گفتگو سنانا کرتا تھا۔“ سرخندوم نے فریدی سے کہا۔ ”تم دونوں داشتیں کے بارے میں بتائیں کرتے تھے۔“

”کل رات سے میں نے اپنا چھلانظر یہ ترک کر دیا تھا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”کل رات گئے میں نے ناصر کو کوئی چیز عقیلی پارک میں فن کرتے دیکھا اور جب یہ حضرت وہاں سے چلے گئے تو میں نے اسے دوبارہ کھول کر نکال لیا۔ وہ ایک ادھ جلا جوتا تھا میں سے میرے ڈیلات نے پلانا کھایا۔ پھر کل ہی رات کو میں نے بوڑھے توکر کو جنگل میں گھستے دیکھا تھا۔ وہ اپنے بغل میں ایک پوٹلی دبائے ہوئے تھا۔ کیا اس میں تمہارے لئے کھانا نہیں تھا۔“

”نمیک ہے..... وہ بیچارہ اس راز سے واقف تھا..... اور اسی کی بدولت میں اب بھی نہ ہوں ورنہ.....“ سرخندوم نے ناصر پر قہر آلو دنظر ڈالی اور خاموش ہو گیا۔

پچھو دیر بعد اس نے کہا۔ ”یہ میرا اظر تھا کہ میں نے اس مردود کو خود ہی پولیس کے غار انہیں کیا۔ یہ پہلے بھی کئی بار میری جان لینے کی کوشش کر چکا تھا..... جب..... میں نے دیکھا کہ یہ کسی طرح بازنہ آئے گا تو میں نے وصیت مرتب کی۔ میں نے سوچا کہ اگر کبھی غفلت

”وہی جسے ہونا چاہئے۔“ فریدی کی آواز سنائی میں گوئی۔

”داش.....!“ شمشاد نے آگے بڑھ کر کہا۔

”داش.....!“ فریدی تھخرا میز انداز میں ہنسا۔

”اگر داش ہی ہے تو میں پولیس کو فون کرتا ہوں۔“ ناصر عمارت کی طرف جانے مرزا۔

”بھبھرو.....!“ فریدی نے سخت لمحہ میں کہا۔ ”پہلے اس لاش کو اٹھواؤ جو وہاں جنک پڑی ہے۔“

فریدی نے ریوالور نکال لیا تھا اور اس کا رخ ناصر کی طرف تھا۔

”کس کی لاش.....!“ شمشاد چینا۔

”بوڑھے توکر سردار کی..... ناصر چپ چاپ کھڑے رہو رہا اسی جگہ گولی ماروں بغیرہ زندگی جنم بن جائے گی۔“

”کیا یہودگی ہے۔“ ناصر سہی ہوئی آواز میں چینا۔

”حید.....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میری جیب سے ہھکڑیاں نکال کر ناصر کے لئے کیا بکواس ہے۔“ شمشاد طلق کے مل چینا۔

”اگر کسی نے مداخلت کی تو بے دریغ گولی مار دوں گا۔ مجھے سب جانتے ہیں۔“ حید نے فریدی کی جیب سے ہھکڑیاں نکالیں اور ناصر کی طرف بڑھا۔ ناصر ہم بجا گا لیکن شب خوابی کے لبادے نے اسے زیادہ دور نہیں جانے دیا۔ جیسے ہی وہ اسے گرامید نے اسے دبوچ لیا۔

ناصر کے ہھکڑیاں لگادی گئیں۔ وہ کسی تھکے ہوئے چیز کی طرح ہانپ رہا تھا۔

”باہر آؤ.....!“ فریدی نے گیراج کے دروازے پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”تم نے مجھے پریشان کیا ہے سرخندوم۔“

”سرخندوم.....!“ حید تھخرا میز آواز میں چینا۔

تھا۔ وہ بے دھڑک اندر چلا گیا اور وہیں پڑ کر سورہ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کی موت ہی اسے منتخب کیا۔ اس لئے کہ تم اس صدی کا بہترین دماغ ہو۔ جو نکوں والا معاملہ دراصل بخنوں کے لئے ایک قسم کا استعارہ تھا۔ یہ جو نکوں کی طرح مجھے چوتے رہتے ہیں آخراں ہوں نے میرا خاتمہ ہی کر دینے کی اسکم بنائی۔

”آپ سب کونہ کہیے۔“ شمشاد دبی ہوئی آواز میں بولا۔

”مجھے معلوم ہے کہ تمہیں کتنا رخ تھا میری موت پر۔“ سرمندوم نے طڑا امیر کہا۔ پھر فریدی سے بولا۔ ”میں آؤٹ ہاؤز میں محسن اس لئے سوتا تھا کہ اپنی حفاظت اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اسی رات کو میرے دل میں آگ کا خیال پیدا ہوا۔ میں نہ کہیں یہ کم بخت آگ نہ لگادے اور میں سوتا ہی بڑھا جاؤ۔ اس قدر الجھن ہوئی اگیراج میں جا کر سو گیا۔ پھر شادِ ڈھانی یا تمن بجے شور و غل کی وجہ سے آنکھ کھل گئی۔ باہم بچ آؤٹ ہاؤز جل رہا تھا۔ پھر میں غائب ہو گیا۔ میں نے سوچا وصیت محفوظ ہے تم اپنے لگاؤ گے۔ ہاں اس وقت تک مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ وہاں سے ایک جل بھنی لاش لگی ہو گی۔“

”بیچارہ دانش.....!“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”دانش کا معاملہ پہلے ہی میری کو نہیں آ رہا تھا۔ دربان کے خیال کے مطابق دانش حداثے والی رات کو آیا تھا.....!“ اگر ۱۰ کرنے کی نیت سے آتا تو نہ تو وہ اتنے زیادہ نہ میں ہوتا کہ خود سے چلنے لگتا اور نہ ۱۱ چھڑا دکھاتا۔ ظاہر ہے کہ اسے چلتا وہ بھر ہو رہا تھا۔ اسی لئے دربان اسے سہارا دے کر لے پہنچانا چاہتا تھا.....! لیکن اس پر دانش نے بگڑ کر چھرا نکال لیا۔ پھر صوفیہ نے اسے آؤٹ اس طرف جاتے دیکھا۔“

”صوفیہ کہاں ہے۔“ سرمندوم نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”وہ محفوظ ہے.....! آپ مطمئن رہئے۔“ فریدی نے بیان جاری رکھتے ہوئے ”میرا خیال ہے کہ دانش آپ کے جانے کے بعد آؤٹ ہاؤز کی طرف گیا۔ دروازہ کلاؤ۔“

ہی تلف کر دیتا یا میری نادانستگی میں اسے دفن کرتا تو شاید یہ اس وقت بھی چین کی نیز ہوتا..... ہاں تو اسے بہر حال آپ کی فکرگی ہوئی تھی۔ جس رات اسے یہ معلوم ہوا آدمی ملے کے ڈھیز کے قریب ہماری گنگلو سننے کی کوشش کر رہا تھا اور پھر وہ جنگل کی وہ بھاگ گیا تھا تو اسے یقین ہو گیا کہ آپ جنگل ہی میں کہیں پوشیدہ ہیں۔ اس نے کل سے جنگل کی خاک چھانی شروع کر دی تا کہ آپ کو تمکانے لگا کہ کہیں دفن کر دے اور انہیں دانش کی تلاش میں سرمادا کرے۔ کل رات شاید اس نے بھی بوڑھے ملازم کو جنگل میں دیکھ لیا تھا..... اور آج یہ بھی محبوس کر لیا تھا کہ میں بھی نوکر کی نگرانی کر رہا ہوں۔ لہذا نوکر کے جانے سے قبل ہی جنگل میں جا کر چھپ رہا۔ لیکن اس سے بے خبر تھا کہ میں تعاقب کر رہا ہوں۔ بیجا رہ نوکر حضیری غلط کی وجہ سے مارا گیا۔ میں یہ سمجھا تھا کہ کے ذریعے آپ تک پہنچنا چاہتا ہے لیکن اس نے نوکر کو دیکھتے ہی اس پر فائز کر دیا۔ نوکر گرا۔ میں نے ناصر پر فائز کیا۔ مگر وہ فتح گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پھر ایک فائز کیا۔ اس نے یہ فائز آپ پر کیا تھا۔

”ٹھیک کہتے ہو۔“ سرخنودم نے طولیں سانس لے کر کہا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر بولا۔ ”صوفیہ کا کیا قصد ہے..... وہ کہاں ہے۔ پورے خاندان میں صرف وہی ایک ناہے ہے میری دولت سے نہیں بلکہ مجھ سے محبت ہے۔“

فریدی نے اسے صوفیہ کے متعلق بتاتے ہوئے اطمینان دلایا کہ وہ حفظ ہے۔ ”تم بڑے اپنے دوست ثابت ہو سکتے ہو۔“ صوفیہ نے حمید سے کہا۔

”تم بہت ذہین اور اسماڑ لڑکی ہو..... میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔“ صوفیہ تھہبہ لگا کر بولی۔ ”میں بتاؤں تم کیا سوچ رہے تھے۔“ ” بتاؤ.....!“ حمید بڑے رومنٹک انداز میں بولا۔

”تم سوچ رہے تھے کہ اگر میں تم پر عاشق ہو گئی ہوئی تو تم شادی کی تجویز پیش کرتے۔“ بیداحقوں کی طرح اسے گھوننے لگا۔ صوفیہ پھر فرش پڑی۔

”ذہین سے ذہین مرد بھی جنسیت کے معاملے میں معمولی آدمیوں سے مختلف نہیں ہوتا۔“ ”سوچنے کہا۔“

اور حمید نے اسی وقت اس سے عشق کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

ختم شد

سرخنودم اثبات میں سرہا کر ناصر کی لڑکیوں کی طرف دیکھنے لگا..... جو ایک گوٹ پیٹھی ہوئی طرح روری تھیں۔ ”لیکن سرخنودم..... آپ اپنے لئے کیا کیجھ گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”کیوں.....!“ آپ نے پولیس کو اب تک دھوکے میں رکھا ہے..... اور یہ قانوناً جرم ہے۔ آhadاث کے بعد ہی ظاہر ہو کہ غلط فہمی رفع کرنی چاہئے تھی۔ آپ پر فریب دہی کا مقدمہ تو ہی چلے گا۔“ ”دیکھا جائے گا..... مجھے اس حال میں بھی یہ گوارا نہیں تھا کہ میں خود اپنے ہاتھوں اسے قانون کے حوالے کرتا اور اس وقت بھی میرا دل دکھ رہا ہے۔“ ”حرام خوری آدمی کو سنگ دل بنادیتی ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اگر ناصر اپنی روزا

جاسوسی دنیا نمبر 41

موت کی چنان

”موت کی چنان“ ملاحظہ فرمائیے۔ یہ بتانا دشوار ہے کہ یہ اس کتاب کا کونسا ایڈیشن ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے کئی بار چوری چھپے دوسروں نے بھی اسے غیر قانونی طور پر چھاپا ہے۔ جیرالد شاستری کی پہلی کہانی ”بنگل کی آگ“ بہت زیادہ پسند کی گئی تھی اور نئے پڑھنے والے آج بھی اس کی تلاش میں رہتے ہیں۔

اولوں کا اصرار کہ پیشرس بھی ”لذیذ“ ہوتا چاہئے۔ مگر پیشرس میں تو میں خود ہی ”مرغا“ بن کر دکھاؤں تو آپ کوئی آئے گی۔ کیونکہ پیشرس میں میرے علاوہ اور کون ہوتا ہے!

تو اب میری سنئے.....آج کل اس دشواری سے دوچار ہوں کہ ”تصویری“ سے تو ان کی شکل نہیں ملتی۔

گزارش ہے کہ تصویر سفید کاغذ پر چھپتی ہے اور جب میں اس کے بر عکس نظر آتا ہوں تو آپ کو میری شکل ہی نہیں بھائی

(مکمل ناول)

دیتی۔“

ایک صاحب نے مشورہ دیا تھا ریوالوں کا کرٹکلا کیجئے۔ اس طرح آپ کم از کم جاسوسی ادیب تو معلوم ہو سکیں گے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اس مشورے کی روشنی میں غیر جاسوسی ادیبوں کو کان پر قلم رکھ کر گھر سے باہر نکلنا چاہئے۔

بھائی کیا یہ ضروری ہے کہ روزانہ زندگی میں بھی آدمی ادیب معلوم ہو۔ یقین کیجئے ایسے لوگ سب کچھ ہو جاتے ہیں لیکن آدمی بالکل نہیں رہتے۔ لہذا مجھے اس مشورے سے معاف رکھئے میں تو عام حالات میں عام آدمیوں جیسی زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔

مجھے میری کتابوں میں تلاش کرنے کی عادت ڈالئے.....

وہیں ملوں گا..... بالمشافہ قسم کی ملاقات پر آپ یقیناً مالیوں ہوں گے۔

والسلام

ابن حسین

ہالی سرکل نائنٹ کلب میں حسب معمول کافی روتھ تھی۔ یہ شہر کے اوپرے طبقے کے لوگوں کا نائنٹ کلب تھا۔ لیکن کرامہ رپورٹر انور جیسے لوگوں پر بھی کوئی پابندی نہیں تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ شہر کے سارے اخباروں کے رپورٹروں کی وہاں تک رسائی تھی۔ انور کا معاملہ دوسرا تھا۔ اس کلب کا نیجر اس سے اس درجہ خائف رہتا تھا کہ اس نے آج تک اس کی مجرم شپ کی بھی پیدائش کی تھی۔ اور خوف کی وجہ یہ تھی کہ انور کے ہاتھ میں اس کی بعض دھکتی ریگیں تھیں جنہیں اتنا چھپیتی رہتا تھا۔ مگر اس حد تک بھی نہیں کہ معاملہ پولیس کے ہاتھوں جای پہنچتا۔

انور دوز مردہ کے آنے والوں میں سے نہیں تھا لیکن جب بھی وہ کلب میں دھکائی دیتا نیجر کے اوسان خطا ہو جاتے تھے۔ وہ بھی کم از کم انور کے عادات و اطوار سے تو واقف ہی تھا۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ انور کو نائنٹ کلب کی تفریحات سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ لہذا آج جب اس نے انور اور رشیدہ کو ہال میں داخل ہوتے دیکھا تو اس کے ہاتھ پر پھول گئے اور وہ چکے سے ال کرسے میں گھس گیا جہاں ناجائز طور پر نہایت اعلیٰ پیانا نے پر جوا ہوتا تھا۔ اس نے وہاں کے فتحم کو فروری ہدایات دیں اور پھر ہال میں آگیا۔ انور اور رشیدہ ایک خالی میز پر بیٹھے چکے

تھے۔ وہ ان کی طرف بڑھا۔

”جاو..... جاو.....!“ انور ہاتھ ہلاکر بولا۔ ”ہم تھک کر یہاں آبیٹھے ہیں..... تم کا

مشغول ہو گے۔“

”پھر بھی! میرے لائق کوئی خدمت..... بقول شاعر.....!“

لیکن انور نے اسے شعر نہیں پڑھنے دیا۔

”آج کل شعر سنتے ہی مجھے غصہ آ جاتا ہے۔“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔

”آپ کی مرضی.....!“ فیجر مسکرا کر تکھیوں سے رشیدہ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ پھر جیسا

ہوئی ہنسی کے ساتھ کاؤٹر کی طرف واپس چلا گیا۔

”تم کیوں آئے ہو یہاں؟“ رشیدہ نے انور سے پوچھا۔

”بُنس.....!“ انور مسکرا کر بولا۔ ”مجھے نائٹ کلبون سے کوئی دلچسپی نہیں۔“

”دُکس قسم کا بُنس.....!“

”کان تھ کھاؤ.....!“ انور جھنچھلا کر بولا۔ ”آج کل میں مفلس ہو رہا ہوں۔“

”لیکن میں تمہیں کوئی ایسی حرکت نہ کرنے دوں گی۔“

”کیسی حرمت.....!“ انور اس کی بات کاٹ کر تیزی سے بولا۔

”دیکھو!“ مجھے اس طرح آنکھیں نکال کرندے دیکھا کرو..... سمجھے۔ ”رشیدہ بھی گرم ہو گئی۔“

خلاف توقع انور نے بات نہیں بڑھائی۔ وہ چند لمحے خاموش بیٹھا رہا پھر مسکرا کر بولا۔

”میں نے تمہیر کر لیا ہے کہاب اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کروں گا۔“

”بہت خوب..... لیکن کیوں؟“

”اس لئے کہ میں تم سے قرض لے کر واپس نہیں کرتا..... اور یہ بہت بُری بات

ہے.....“ انور نے سخیدگی سے کہا اور رشیدہ ہٹنے لگی۔

”لیکن یہاں تم کیا کرو گے۔“ اس نے پوچھا۔

”اس آدمی کو پیچانی ہو۔“ انور نے ایک بوڑھے اور نحیف الجثہ آدمی کی طرف اشارہ کیا

ڈھا بیٹھا ہوا شامیں کی چکیاں لے رہا تھا۔

”انہیں.....!“ رشیدہ سر ہلاکر بولی۔ ”یہ مشہور کروڑپی صمدانی ہے۔“

”ٹھک ہے۔“ انور نے سگریٹ سلاکتے ہوئے کہا۔ ”پچھلے سال میں نے اس کے لئے

ام کیا تھا اور اس سے مجھے ایک بھاری رقم معاوضے میں مل تھی۔“

وہ چند لمحے کے لئے خاموش ہو گیا پھر مسکرا کر بولا۔ ”آخر ب محض سے کوئی کام کیوں

نہ۔“

”انہیں امتحانہ سوال ہے؟“ رشیدہ نے منہ بنا کر کہا۔ ”کیا یہ ضروری ہے کہ اسے ہمیشہ

کی ضرورت میں پیش آتی رہیں۔“

”آنی پڑیں گی۔“ انور میز پر گھونسہ مار کر بولا۔ ”اسے مجھ سے کام لینا ہی پڑے گا۔ اگر

لگا تو کیا پھر میں فائدے کروں گا؟“

”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“

”نہیں وہ آج کل ایورسٹ کی بلندیوں کو چھوڑ رہا ہے۔ تم بکواس بند کرو۔ جو کچھ میں کہہ

اُسے سنو۔ پچھلے سال مجھے اس سے اتنی رقم مل تھی کہ میں نے چھ ماہ تک عیش کئے تھے۔“

”مجھے یاد ہے.....“ رشیدہ نے کہا۔ ”لیکن تم کرو گے کیا؟“

”دریمان میں بولومت..... سختی جاؤ..... صمدانی بڑا ذرپوک آدمی ہے۔ اگر ہم تھوڑی سی

میں تو بہت کچھ پیدا کر سکتے ہیں۔“

”بلکہ میلنگ.....!“ رشیدہ نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔

”ہرگز نہیں..... میں شریف آدمی ہوں۔ بُس اسے تھوڑا سا خائف کرنے کی ضرورت

کیوں حاصل ہے پاس دوڑا چلا آئے گا۔“

”آخر کس طرح.....!“

”بہت آسانی سے.....“ انور ختم ہوتے ہوئے سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلاکر بولا۔

”لگنونک چہرہ دکھایا جائے۔“

13۔ ”بوجہ تم میں اتنی اخلاقی جرأت ہوئی چاہئے کہ تم حکومت کی توجہ اس طرف مبذول کرواؤ۔“
”بین میں خود اپنے ہھکڑیاں لگواؤں۔“ انور برا سامنہ بنا کر بولا۔ ”کیا تمہیں اس ریگروٹ سب انسپکٹر کا واقعہ یاد نہیں جس نے سینٹھر رنگوں کو دواؤں کی بلیک مارکینگ نیک پکڑا تھا۔ کیا تجھے ہوا..... اس بے چارے پر رشوت ستانی کا مقدمہ چل گیا۔ حالانکہ وہ اندراز آدمی تھا۔ دیسے اس نے ایک بہت بڑا جرم کیا تھا کہ بیہاں کے ایک حاکم کے منظور پھر رنگوں کو بلیک مارکینگ کرتے پکڑ لیا۔“

”کچھ بھی ہو..... میں تمہیں اس کی رائے نہیں دوں گی۔“

”تم میں رائے دیتے کی صلاحیت نہیں۔ میں تو تم سے صرف ایک کام لینا چاہتا ہوں۔“

”تجھ سے.....؟“ رشیدہ نے حیرت سے کہا۔

”میں تمہیں اس کا تعاقب کرنے کو نہیں کہوں گا۔“

”پھر.....؟“

”تم کم کو چھانسو.....!“

”تعاقب کے لئے کہیں کج جنم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو۔ میرا خیال ہے کہ صمدانی

بچا ہو گا۔ وہ بھی تو شہر کے ایک بڑے سرمایہ دار کا لڑکا ہے۔“

”میں جانتا ہوں..... لیکن صمدانی اُسے بچان نہیں سکے گا۔“

”کے.....؟“

”میک اپ..... اگر وہ اسے بچان جائے تو میں ڈاڑھی رکھ لوں گا۔“

”قائم اس کے لئے ہرگز تیار نہ ہو گا۔“

”ہو جائے گا۔“ انور خود اعتمادانہ اندراز میں سرہلا کر بولا۔ ”تم اس سے کہہ کر بھی تو دیکھو

انہیں ذرا سا اُس کے سر پر ہاتھ پھیرنا پڑے گا۔“

”نہیں میں نہیں کر سکتی۔“

”تم کرو گی۔“ انور کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”سازھے سات

”شاید تم نئے میں ہو۔“ رشیدہ پہنچنے لگی۔

”تم بازنہیں آؤ گی۔“ انور جھلا کر بولا۔ ”میں کہتا ہوں چب چاپ سنو۔“

”سناو.....!“ رشیدہ نے شانوں کو جھکھا دے کر کہا۔

”کوئی آدمی مستقل طور سے اس کا تعاقب شروع کر دے۔ بس وہ بوکھلا کر

کرے گا۔“

”تم نے کوئی بہت عی گھلیا قسم کا نشہ پیا ہے۔“ رشیدہ پھر پہنچنے لگی۔ ”بھنگ یا چڑ پی گئے۔“

”تمہارا خون پیوں گا۔“ انور دانت پیس کر بولا۔

”ایک الو اور تم میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔“ رشیدہ نے مسجدی سے کہا۔ ”ایک

میں وہ پولیس کی مدد حاصل کرے گا۔ تمہارے پاس دوڑا آئے گا۔“

”تم اسے نہیں سمجھ سکتیں..... وہ پولیس سے دور عی رہے گا۔“

”آخر کیوں؟ کوئی وجہ؟“

”پچھلے سال والا معاملہ سو فیصدی پولیس کیس تھا۔ لیکن اس نے پولیس کو اس کی

نہ لگنے دی۔ اس کی بجائے میری خدمات حاصل کی تھیں۔“

”میں وجہ پوچھ رہی ہوں اور تم واقعہ دہرا رہے ہو۔“

”اس کے آدمی سونے کی اسمگنگ کرتے ہیں۔ اس لئے وہ پولیس سے“

ہے۔ اسی اسمگنگ کے سلسلے میں اس کے کئی حریف ہیں جو اسے زک دینے کی کوشش

رہتے ہیں۔ اگر کسی پر اسرار آدمی نے اس کا تعاقب کیا تو وہ اسے اپنے کسی حریف علی کی

سمجھے گا۔ ظاہر ہے کہ وہ پولیس کو اس کی اطلاع نہیں دے سکتا۔“

”لیکن یہ تو اسرار اسے دھوکا دے کر لوٹا ہو گا۔“ رشیدہ نے کہا۔

”پھر تمہیں اخلاقیات کا ہیضہ ہوا۔“ انور چڑھ کر بولا۔ ”یہ بتاؤ کہ اب تک اس

کو لوٹا ہو گا۔ یہی نہیں اسمگنگ کا مطلب تو حکومت کو دھوکہ دینا ہے۔“

بجے ہیں۔ صمدانی یہاں عموماً گیارہ بجے تک بیٹھتا ہے۔ قاسم تمہیں آرچو میں مل جائے وہ تیار ہو جائے تو مجھے فون کر دینا..... اور پھر اسے ساتھ لے کر گھر چلی جانا۔ میں وہ جاؤں گا۔ لیکن ہاں اس کا خیال رکھنا کہ اس کی بہک بھی حمید کے کان میں نہ پڑنے مطلب یہ کہ اگر اس کے ساتھ حمید بھی ہو تو تم چپ چاپ واپس چل آتا۔“

”دیکھو..... مجھے پریشان مت کرو۔“ رشیدہ نے اتنا ہے، ہوئے مجھے میں کہا۔ ”میں اس چکر میں پڑنا پسند نہ کروں گی۔ لیکن تم نے اس کام کے لئے قاسم عناً منتخب کیا ہے۔“

”قاسم کے علاوہ اور کون تیار ہو گا۔“

”تمہیں یقین ہے کہ وہ تیار ہو جائے گا۔“

”ضرور.....!“ انور نے مسکرا کر ایک آنکھ دبای۔ ”محض اس لئے تیار ہو جائے اس سے کہو گی۔“

”میں سمجھی..... تمہیں شرم نہیں آتی۔“

”نہ تم میری بیوی ہو اور نہ محظوظ! ہم صرف دوست ہیں۔ پھر شرم کس بات کی۔ میر مدد بخشتا ہوں..... سمجھیں۔“

”ہزار بار دہرا چکے ہو.....“ رشیدہ نیز اسی سے بولی۔ ”میں یہ نہیں کر سکتی۔“

انور اور رشیدہ میں بحث چھڑ گئی۔ دونوں ساتھ رہے تھے اور انور اس پر پوری طرح تھا لیکن دونوں کے تعلقات ایسے نہیں تھے جن پر جنسی تعلقات کا اطلاق ہو سکتا۔ رشیدہ جا کہ انور جس بات پر اڑ جاتا ہے اسے کریں کے چھوڑتا ہے۔ وہ ایک الگ نلفہ زندگی رک جس میں اخلاقیات کی کوئی بجلگہ نہیں تھی۔ وہ اپنے کسی فعل کو توڑ مرورد کر اخلاقیات کے ذہ میں ڈھالنے کی کوشش بھی نہیں کرتا تھا۔“

دل پندرہ منٹ تک دونوں ایک دوسرے سے انجھے رہے پھر رشیدہ کچھ نرم پڑ گئی۔

بہر حال اسی کی ہوئی تھی۔

”لیکن قاسم حید سے اس کا تذکرہ ضرور کرے گا۔ دونوں گھرے دوست ہیں۔“ رشیدہ

لما۔ ”ہرگز نہیں..... اگر تم اسے منع کر دو گی تو ملک الموت بھی اُسے اس کے تذکرے پر آمادہ ہے گا۔ اُس کے ناپ سے بخوبی واقف ہوں۔“

تموزی دیر بعد رشیدہ باہر نکلی، اس نے ایک ٹکسی روکائی اور آرچو کی طرف روانہ ہو گئی۔ اس دوران میں قاسم نے بڑی شدت سے ہوٹل بازی شروع کر کھی تھی اور خاص طور آرچو میں بیٹھا کرتا تھا۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ ایک دن آرچو کی کاؤنٹری لکر اس کی کسی اپر زندہ تھاگر کسی دن کوئی لڑکی اس کا ہاتھ پکڑ کر کہے گی۔

”پیارے مجھے تم سے پریم ہو گیا ہے۔“

لیکن آج وہ بہت اداں تھا..... کیونکہ کاؤنٹری لکر غیر حاضر تھی۔ وہ ایک میز پر تھا بیٹھا غم میں ایک مرغ مسلم کی مرمت کر رہا تھا۔ وہ اس کی مخصوص میز تھی۔ ہوٹل کے سارے اسے اچھی طرح پہچان گئے تھے۔ کیونکہ وہ بے تکاشہ کھاتا تھا اور رخصت ہوتے وقت اسی کرنے والے دیہ کو بھاری شپ دیتا تھا۔

قاسم نے رشیدہ کو ہال میں داخل ہوتے دیکھا۔ لیکن اُسے بھول کر بھی یہ خیال نہیں آسکتا کہ وہ اس کی طرف آئے گی۔ کیونکہ ان دونوں میں محض رکی سا تعارف تھا۔ لہذا جب اس نے اسے اپنی میز کی طرف بڑھتے دیکھا تو اس کا دل ایک ہزار میل فی گھنٹے کی رفتار سے ٹڑکنے لگا۔ ہوٹل خیکھ ہو گئے اور علاق میں پھندا سا پڑ گیا۔

رشیدہ اس کی میز کے قریب بیچھے کر مسکرا آئی۔ قاسم بھی جواباً مسکرا یا لیکن ایسا معلوم ہوا جیسے

”میں اکثر آپ کے متعلق سوچتی ہوں۔“
”ہم کے حلق میں کوئی چیز انک گئی۔ اس نے کوشش کی کہ وہ بھی کچھ کہے لیکن ہونٹ سکے نہیں سکے۔“

”مچ جب کہ میں اور انور ایک دلچسپ کھیل کا پروگرام بنا رہے تھے تو معاشرہ ذہن ہوا تھا۔ ہاتھ بھی ملوث تھے اس بیت کذائی میں۔ رشیدہ پھر خاموش ہو کر قاسم کی طرف دیکھنے لگی۔ قاسم آپ کی طرف گیا۔ قدرتی بات تھی۔“ رشیدہ پھر خاموش ہو کر قاسم کی طرف دیکھنے لگی۔

”بلکہ رپلیکس جھپکانے لگا تھا۔ بہت تیزی سے۔“
”بڑا دلچسپ کھیل ہے۔“ رشیدہ پھر بولی۔ ”صرف تین آدمی اس میں حصہ لیں گے۔“
”میں..... انور اور آپ۔“

”خیال..... خیل ہے۔“ قاسم اپنا طبق صاف کرنے کی کوشش کرتا ہوا بدققت بولا۔
”بہت دلچسپ۔“ رشیدہ مکرا کر بولی۔ ”ایک آدمی کو ڈرانا ہے۔“

”رشیدہ تکلف کر رہی تھی۔“
”ارے..... نہیں نہیں۔“ رشیدہ ویٹر کو روکتی ہوئی بولی۔ ”میرے لئے صرف کافی لاڑ۔“
”کون ڈرانے گا۔“ اس نے پوچھا۔

”آپ.....“
”قاسم نے پھر قہقہہ لگایا اور بولا۔ ”ڈرانا کر مازد الون گاسالے کو..... کون ہے۔“
”سینہ صمدانی.....!“ رشیدہ آہستہ سے بولی۔

”ارے باب رے۔“ قاسم نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔
”کیوں..... کیا بات ہے۔“

”ارے وہ تو والد صاحب کا دوست ہے۔“ قاسم نے آگے کی طرف جک کر رازدارانہ لجھ میں کہا۔ ”میری شامت آجائے گی۔“

”وہ آپ کو پہچان نہیں سکے گا۔“
”نہیں..... وہ مجھے اچھی طرح پہچاتا ہے۔“
”کہتی تو ہوں کہ نہیں پہچان سکے گا۔“

”کسی نے اس کے دہانے کے گوشوں میں انگلیاں ڈال کر کھینچ دیا ہو۔“
”ترر..... ترشیف..... تشریف رکھئے۔“ قاسم نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے
”بیٹھئے..... بیٹھئے.....“ رشیدہ نے بیٹھتے ہوئے کہا اور قاسم بے چینی سے پبلو بولنے کا
”نے مرغ مسلم کو اب بھی دونوں ہاتھوں سے پکڑ کھا تھا اور اس کے ہونتوں اور ٹھوڑی میں سر
ہوا تھا۔ ہاتھ بھی ملوث تھے اس بیت کذائی میں۔ دیکھ کر رشیدہ نے بدققت اپنی ہنپی مختبل کی
”اے.....!“ قاسم نے بوکھلا کر ویٹر سے کہا۔ ”ایک مرغ مسلم اور لاڑ۔“
”کیا میرے لئے.....!“ رشیدہ جلدی سے بولی۔

”جی ہاں..... جی ہاں.....!“

”میرے قریبے بھی پورا مرغ ہضم نہ کر سکیں گے۔“

”کر لیں گے..... سب چلتا ہے۔“ قاسم نے لاپرواہی سے کہا۔ اس کی دانت

”رشیدہ تکلف کر رہی تھی۔“

”ارے..... نہیں نہیں۔“ رشیدہ ویٹر کو روکتی ہوئی بولی۔ ”میرے لئے صرف کافی لاڑ۔“

”پھر کیا کھائیے گا۔“ قاسم نے پوچھا۔

”پکج بھی نہیں۔“

”ارے وہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“ قاسم نے ویٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”گرلہ چکن لے آؤ..... چار.....!“

”قاسم صاحب! مجھے مرنانیں ہے۔“ رشیدہ نے کہا اور پھر ویٹر سے بولی۔ ”صرف کافی جاؤ۔“

”آپ کی مرضی.....!“ قاسم مضمضہ ہو گیا۔

”میں کئی دنوں سے سوچ رہی تھی کہ آپ سے ملوں۔“ رشیدہ نے کہا۔

”اوہ..... بھنا ہیں ہی۔“

”آپ کی شخصیت بڑی پکشش ہے۔“ رشیدہ اس کی حماقت انگیز ہنپی کو نظر انداز کر کے
بولی اور قاسم کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ سانس تیز ہو گئی اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

”بیج..... جی.....!“ قاسم چونک پڑا۔ ”کچھ تو نہیں..... ہی ہی ہی..... ارے میں سوچ

”آپ کا بھیں بدلا دیا جائے گا۔“

”میک اپ.....!“ قاسم خوش ہو کر بولا۔ ”القاسم میں تیار ہوں۔ حید کو اپنے

”آپ بہت اچھے ہیں۔“

کرنے پر بڑا ناز ہے۔“
کام پھر بوكھلا گیا۔ ابے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ابھی رشیدہ کے بازو آہستہ اس

”مگر خہریے..... آپ کبھی کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کریں گے۔ حید سے ہی بہت اگر ان کی طرف آئیں گے اور وہ ہٹلا کر دم توڑ دے گا۔ اسے اپنی اس کمزوری پر غصہ

نہ لگا۔ شدید غصہ۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے جیزوں پر خود عی مکوں کی بارش کر دے۔

”بس یونہی..... وعدہ کیجئے کہ آپ تذکرہ نہیں کریں گے۔“

”نہیں کروں گا..... بالکل نہیں۔“

بانکھ لے جاوے موقوع پر لا کھڑانے لگتی تھی۔

وہ اپنارہا اور تیکسی فرائٹ بھرتی رہی۔

پھر قاسم نے اس سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ اس کھیل کا مقصد کیا تھا۔ رشیدہ اسے
کے لئے تھا چھوڑ کر انور کو فون کرنے چل گئی اور قاسم بیٹھا احمقوں کی طرح خود بخوبی
مسکراتا رہا۔ اس کے ذہن میں رہ رہ کر رشیدہ کے دو جملے گونج رہے تھے جو اس نے
تعریف میں کہے تھے۔

رشیدہ کی واپسی پر وہ حد درجہ سنجیدہ اور سلیم الطبع نظر آنے کی کوشش کرنے لگا۔

”آئیے اب چلیں۔“ رشیدہ نے اس سے کہا۔

قاسم نے مل کے دام ادا کئے اور وہ باہر آگئے۔ قاسم نے ایک گذرتی ہوئی ٹیکسی

اور وہ انور کے فلیٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ بیچھی سیٹ پر برابر بیٹھے ہوئے تھے اور اتنا

سانس پھول رہی تھی۔ یہ پہلا اتفاق تھا کہ کوئی غیر عورت اس سے اتنی قریب تھی۔

رشیدہ اسے آہستہ آہستہ بتاتی جا رہی تھی کہ اسے کیا کرنا ہے۔ لیکن شاید ہی تا۔

پوری بات سمجھی ہو۔ وہ بکھی تو دل ہی دل میں اپنی دلی پتی اور کسن بیوی کو گالیاں دینے اور کبھی اس بات پر خوش ہونے لگتا تھا کہ رشیدہ نے اس کے لئے چند تعریفی جملے کہے تھے

اس پر اتنا اعتماد کیا تھا کہ اسے اپنے ایک کھیل میں شریک کرنے جا رہی تھی۔

”آپ کیا سوچ رہے ہیں۔“ رشیدہ نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

سرماڑھے نوچ بچ کر تھے..... اور ایک پلک ملی فون بوتھ میں داخل ہوا جو ہائی سرکل نائٹ

لب سے زیادہ فالے پر نہیں تھا۔ اس نے کلب کے نمبر ڈائیل کئے اور ماکوتھ چیزیں میں بولا۔

”بیلو..... فیجر کیا صدمانی صاحب موجود ہیں۔“

”جی ہاں.....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”وزرا نہیں فون پر بلا دیجھے۔“ انور نے کہا۔

”بھریے.....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر آواز آئی۔

”بیلو..... صدمانی اسیکلگ.....!“

جواب میں انور نے ہلاکا ساق تھبہ لگایا اور فون کا سلسلہ منقطع کر کے بیوچھ سے باہر نکل آیا۔

”دوسری طرف صدمانی نے اس تھبہ کو حیرت سے سنا اور پھر وہ شاہزاد میں سینئنڈ تک ”بیلو بیلو“

کرتا رہا۔ لیکن جواب ندارد.....

بائی ہاول یاد آنے لگے جنمیں وہ اب تک پڑھ چکا تھا..... اور وہ خود کو انہیں میں سے ایک کا پس ار جاؤں سمجھ رہا تھا۔

صدمنی کی کارخنے سرکوں پر دوڑتی رہی اور قاسم اس کا تعاقب کرتا رہا۔ انور نے اسے سمجھا دیا تھا اور جو کچھ اس نے کہا تھا اسی کے مطابق اسے عمل کرنا تھا۔ انور نے کہا تھا کہ جب تک وہ کہیں رک کر اترنے پڑے اس کا تعاقب جاری رکھنا چاہئے..... غالباً اس کا مطلب یہ تھا کہ صدمانی بھی اس تعاقب سے آگاہ ہو جائے۔

تحوڑی دیر بعد کار اس سڑک پر ہوئی جو پلو گراڈ کی طرف جاتی تھی۔ سڑک سنان تھی اور قاسم کی موڑ سائیکل کا شورستاٹ میں انتشار برپا کئے ہوئے تھے۔ کار کی رفتار خاصی تیز تھی اور قاسم نے رفتار کا تناسب اتنا کر کھا تھا کہ موڑ سائیکل اس سے کافی فاصلے پر رہے۔ اچانک کار کی پچھلی سرخ روشنی اس کی نظریوں سے غائب ہو گئی۔ اس نے اس خیال سے موڑ سائیکل کی رفتار تیز کر دی کہ کہیں الگی کار کسی طرف گھوم نہ گئی ہو۔

کار کی قریب پہنچنے کر قاسم نے موڑ سائیکل روک دی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ صدمانی کو ایک بار پھر ڈرایا جائے۔ اسے یقین تھا کہ صدمانی کار کے اندر رہی ہو گا کیونکہ قرب و جوار میں کوئی عمارت بھی نہ تھی۔

ابھی تک وہ خود کو ایک فلی ہیر و تصور کر کے صدمانی کا تعاقب کر رہا تھا اور اس نے اسے ڈرائیکی دیا تھا۔ اس نے اس کے حوصلے پڑھے ہوئے تھے۔ وہ موڑ سائیکل کا انجن بند کر کے کار کی طرف یہ سوچتا ہوا بڑھا کر صدمانی ایک خوفزدہ چوہے کی طرح کار میں دیکا ہوا ہو گا۔ کار میں اندر ہر اٹھا۔ قاسم نے جیب سے تاریخ نکالی۔

روشنی کا دائرہ صدمانی پر پڑا۔ جو کچھلی سیٹ کی پشت سے نیک لگائے بیٹھا تھا لیکن چہرے پر روشنی پڑنے کے باوجود بھی اس نے اپنا چہرہ قاسم کی طرف نہیں گھمایا۔

”اتنا خوفزدہ ہے۔“ قاسم نے آہستہ سے بڑی بڑی کرکٹ کی کے اندر سر ڈال دیا۔ اور پھر جب اس نے قریب سے دیکھا تو اسے صدمانی کی بائیں آنکھ کی جگہ ایک بڑا سا

”پتہ نہیں کون گدھا تھا..... ہنس کر ڈس کنکٹ کر دیا۔“ صدمانی نے بیجرنگ کی طرز کہا اور سیور اسٹینڈ پر رکھ کر کچھ سوچنے لگا۔

وہ کمزور اعصاب کا دبلہ پڑا بڑھا تھا۔ اکثر معمولی معمولی باتیں بھی اسے اختلاج کر دیتی تھیں لہذا اس وقت بھی یہی ہوا۔ میز کی طرف واپس آتے وقت اس کے پیور کا زیر اس نے گلاس میں شراب اٹھ لی اور پیشانی سے پینہ پوچھنے لگا۔

اچانک اس کی نظریں ایک انتہائی گرانٹیل آدمی کی طرف اٹھ گئیں جو قریب فراہمیز پر بیٹھا اسے گھور رہا تھا۔ وہ انتہائی طویل القامت اور اسی حد تک موٹا آدمی تھا۔

گھنی ڈاڑھی اور موچھیں اتنی گنجان تھیں کہ ہوتے بھی چھپ کر رہے گئے تھے۔ جسم پر انگریز کا بیش قیمت لباس تھا۔ اس کا چہرہ یوں بھی خوفناک تھا اور پھر غصہ سے گھورتی ہوئی آنکھ صدمانی کے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ وہ ہاتھ کا پنچے لگا جس میں اس نے شراب

سنjal رکھا تھا۔ اس نے گلاس میز پر رکھ دیا اور اس خوفناک آدمی کے چہرے سے اپنا ہٹالیں۔ لیکن وہ زیادہ درستک اسے دیکھے بغیر رہ بھی نہ سکا اس نے بھکھیوں سے اسے دیکھا خوفناک آدمی اب بھی اسے گھور رہا تھا۔

صدمنی کی بدحواسی بڑھ گئی۔ شہر میں اس کے کئی حریف اور دشمن تھے۔ یوں بھی بڑا اس پر اختلاج کا دورہ پڑتا تھا تو اسے ایسا محسوس ہونے لگتا تھا جیسے یہ بیک اس پر بڑا

چھت آگرے گئی یا کوئی دوسرا اچانک حادثہ سے موت کے گھاث اتار دے گا۔ بہر حال بدحواسی اتنی بڑھ گئی کہ وہ گلاس کی بقیہ شراب ختم کے بغیر ہی اٹھ گیا۔

قاسم اپنی گھنی موچھوں پر ہو لے ہوئے انکی پیچہ رکھ رہا تھا۔ جب صدمانی باہر نکل گیا۔ اٹھا۔ صدمانی کی کار کپاڈ غسل سے نکھل رہی تھی۔ قاسم نے انور کی موڑ سائیکل سنjal جو پڑا کے مطابق ناٹ کلب کی کپاڈ غسل میں موجود تھی۔

اب قاسم با قاعدہ طور پر صدمانی کا تعاقب کر رہا تھا اور دل ہی دل میں پھر لانہیں ہے۔ کہ اب وہ بھی کم از کم سرجنٹ جنید سے نکر لے ہی سکتا تھا۔ ایک ایک کر کے اسے دیا۔

می اندر فرش پر جا گرا۔

”کیا ہوا.....؟“ انور کرنی سے اٹھ کر اس کی طرف چھپنا۔ رشیدہ بھی بڑھی۔ دروازہ اسی نے کھلا تھا۔ قاسم کی تھکے ہوئے ہیمنے کی طرح فرش پر پڑا ہانپ رہا تھا۔ وہ اب چپ ہو گیا تھا اور اس کی آنکھیں چھپت پر جمی ہوئی تھیں۔

”کیا ہوا.....!“ انور اسے چھبھوڑ نہ لگا۔ لیکن قاسم کی آنکھیں چھپت پر جمی رہیں اور وہ

کچھ بولنے کی بجائے صرف ہانپا رہا۔

انور نے رشیدہ کی طرف دیکھ کر بُرا سامنہ بنایا۔

یک بیک قاسم اچھل کر بیٹھ گیا۔

”تم نے میرا بیڑا غرق کر دیا۔“ وہ دھماڑ کر بولا۔

”ہوا کیا.....؟“

”اب مجھے چھانی۔ ارے باب پرے۔“ قاسم خوفزدہ آواز میں بولا اور اس طرح اپنی

گردن مٹ لئے لگا جیسے سچھ چھانی کا پھنڈا پڑ گیا ہو۔

”کیا.....؟“ انور حیرت سے بولا۔ ”کیا تم نے اسے مار ڈالا۔“

”میں نے.....!“ قاسم حلق پھاڑ کر چینا۔

”ذرا آہستہ پیارے..... شور نہ چاؤ۔“ انور نے اس کا شانہ سہلا کر کیا۔

قاسم نے کسی کنواری لڑکی کے سے انداز میں اس کا ہاتھ چھٹک دیا اور بولا۔

”تم نے مجھے پھانس کرائے ختم کر دیا۔“

”کیا کہہ رہے ہو۔“ انور بوكھلا گیا۔

”ہاں اب اسی طرح بون گے..... میں جا رہا ہوں پولیس کو اطلاع دینے۔ نہیں تو کیا میں

چانپ کی پرچھوں گا۔“

قاسم نہ جانے اور کیا اول فول بکتا رہا۔ بدقت تمام انور نے اس سے پوری بات معلوم کی۔

”میری موڑ سائکل کہاں ہے؟“ انور نے پوچھا۔

سوراخ نظر آیا جس سے وافر مقدار میں خون بکل کر اس کے باہمیں گال پر پھیل گیا تھا وہ چند لمحے چپ چاپ کھڑا رہا۔ پھر دوبارہ ”ارے باب رے“ کا نغمہ مارا۔ نے اپنی پوری قوت سے شہر کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ بدحواسی میں وہ یہ بھی بھول گیا تھا اور اسی پر آیا تھا اور اسی پر واپس بھی جا سکتا تھا۔ دیو جیسے ڈیل ڈول باوجود بھی وہ کافی تیز دوڑ رہا تھا۔

لیکن پولوگر اوٹ کے قریب پہنچتے پہنچتے اس کی طاقت جواب دے گئی اور وہ بھلی کے سے پٹ کر ہائپنے لگا۔ اس کے ذہن میں صرف صدائی کا خوفناک چیرہ تھا اور اب اسے یا رہا تھا کہ وہ یہاں کس لئے آیا تھا۔

کچھ ذرا سانس ٹھہری تو اس نے پھر بھاگنا شروع کر دیا۔ لیکن اب اس میں دوڑ سکت نہیں رہ گئی تھی۔ شاید آدھے ہی منت بعد وہ لڑکنے والی چال سے چلنے لگا اور پھر اس منہ سے منہائی ہوئی کی آواز نکلنے لگی۔ وہ دراصل انور اور رشیدہ کو گالیاں دے رہا تھا۔ پھر ایک اپنی مصنوعی ڈاڑھی کا خیال آ گیا اور وہ اسے بوکھلاہٹ میں نوچنے لگا۔ ایک بال مجن لیا۔

پھر یہ اس کی خوش قسمتی ہی تھی کہ پاور ہاؤز کے قریب اسے ایک خالی ٹیکسی مل گئی۔ اس انور کے قلیٹ کی طرف جا رہا تھا۔ اسے کچھ پتہ ہی نہ چلا کہ اس نے بقیرہ راستہ کس طرح کیا۔ وہ ایک بھرے ہوئے بورے کی طرح ٹیکسی کی پیچھی تیٹ پر پڑا ہوا تھا۔

اور ٹیکسی ڈرائیور ہی نے اسے چھبھوڑ کر بتایا کہ وہ اپنی منزل مقصود پر پہنچ چکا ہے۔ پہنچنے کے تھیر آمیز انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے کرائے سے بہت زیادہ دے دیا ہو۔ چند لمحے کھڑا قاسم کو جاتے دیکھتا رہا پھر بڑی بڑی ہوا ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ ”ایے ہی روز کریں..... تو.....!“

قاسم نے انور کے قلیٹ کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھلا اور وہ دھم سے منہ۔

”ے پی لو۔“ انور نے قاسم سے کہا۔ ”پانچ منٹ میں جوڑ جوڑ کا درد نکل جائے گا۔“
قاسم نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا۔ وہ پھر باتیں کرنے لگے قاسم کی آنکھیں
بے پھل ہوتی جا رہی تھیں۔ آخر اس نے مسکرا کر کہا۔ ”میں تو..... بلی کا بچ ہوں نہ حاصل
کر سکتا۔“

اور پھر کرسی پر بیٹھے ہی بیٹھے وہ گہری نیند سو گیا۔

”یہ کیا..... یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“ رشیدہ خونزدہ آواز میں بولی۔

”اگر میں اسے بے ہوش نہ کرتا تو..... اسی وقت یہ کسی مصیبت میں پھنس جاتا۔“ انور

لہلہ

”مجھے کچھ بتاؤ۔۔۔ تم کیا کر رہے ہو۔“

”وہی جو پہلے بتا چکا ہوں..... صمدانی کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں۔۔۔ شاید کوئی پہلے

سے اس کی گھاتتی میں تھا۔“

”لیکن اب تمہارا کیا بنے گا۔ موثر سائکل بھی وہیں رہ گئی۔“

”دیکھا جائے گا۔۔۔ میں تو جواری ہوں۔۔۔ ہاں موثر سائکل کا معاملہ ضرور تشویش

ہے۔ لیکن میں اس کا بھی انتظام کئے لیتا ہوں۔“

”کیا انتظام کرو گے۔“

”موثر سائکل کی گشتدگی کی روٹ لکھوانے جا رہا ہوں۔ میں موثر سائکل سڑک کے
سے چھوڑ کر ایک دوکان میں چلا گیا تھا۔ واپسی پر موثر سائکل غائب تھی۔ نائٹ کلب کے
بیرونی کوئی دوکان لکھوا دوں گا۔“

لاش کھاں تھی

”اوری صبح.....

پلوگر اور مٹ والی سڑک پر ایک راہ گیر نے ایک کار کھڑی دیکھی جس کے اندر نظر پڑتے تھے

”ہو گی سالی کہیں۔۔۔ میں کیا جانوں۔۔۔؟“

”کیوں۔۔۔؟ کیا تم موثر سائکل پر نہیں گئے تھے۔“

”گیا تھا۔۔۔!“ قاسم جھلا کر بولا۔ ”شاید وہ وہیں رہ گئی۔“

”کہاں۔۔۔؟“

”کار کے پاس۔“

انور بوکھلا کر اپنا سر سہلانے لگا اور رشیدہ کے چہرے پر بھی ہو ایسا اڑنے لگیں
چند لمحے خاموش رہا پھر تھس کر بولا۔ ”انچھا لو بنایا تمہیں صمدانی ہے۔“

”کیوں۔۔۔؟“ قاسم چونٹ پڑا۔

”تم ابے ڈرانے پلے تھی۔۔۔ النا اسی نے تمہیں ڈرایا۔ وہ بھی اپنا چہرہ بنا۔

بگاڑنے پر قادر ہے۔“

”تو کیا وہ سب بنادی تھا۔۔۔!“ قاسم نے جیرت سے پوچھا۔

”یقیناً۔۔۔ ورنہ اس طرح اچانک۔۔۔ مر جانے کا کیا مقصود ہے۔۔۔ خوب
اب۔۔۔ بھی ذاہد۔“

”تب تو میں اس۔۔۔ ماری ڈالوں گا۔ ہی میں بھی سوچ رہا تھا کہ آخر اتنی جلد
کیسے سرگیا۔“

”تم بہت تھک ہے۔۔۔ نیت تم۔۔۔ یہ دیکھ رے۔۔۔“ انور نے کہا اور پھر رشیدہ

بولا۔ ”ڈرام اس کے لئے طاقت نی دو بنا لالا۔۔۔ وہ نیلی شیشی والی۔۔۔ ورنہ ہنقوں ان
جسم میں درد ہو گا۔“

”ضرور ضرور۔۔۔!“ قاسم سر ہلا کر بڑا۔ ”اگر تم میں تھک کر چور پہنچ جائے
رشیدہ انور کو گھورتی ہوئی دوسرے کرے میں چلی گئی۔ اس دوسرے کرے میں

باتیں کرنے لگا جس سے قاسم کو یقین آجائے کہ صمدانی نے اسے تھیں یہ تھے۔۔۔“

رشیدہ گلاس میں دو دھیار گلک کا کوئی سیال لے کر واپس آئی۔

وہ اپنی بھی کسی طرح نہ روک سکا۔ پھر اس نے اچھی طرح کار کے اندر کا جائزہ لیا۔ اس میں وہ برابر ہستار ہے۔ کار کے پیچے ایک موڑ سائکل بھی کھڑی تھی۔

راہ گیر نے اپنی راہ لی۔ شاید اسے جلدی تھی ورنہ وہ وہاں رک کر دوسرا رائیگر بھی ردعمل دیکھتا۔

ٹھوڑی دیر بعد وہاں خاصی بھیڑ ہو گئی۔ لوگ بے تحاش قیچیہ لگا رہے تھے اور انہیں کہ آخ رکار کا مالک کہاں گیا۔

پھر ایک پولیس میں بھی ادھر آنکلا۔ قہقہہ تو اس نے بھی لگایا لیکن پھر لوگوں سے پوچھ کرنے لگا۔ کار کا مالک اب بھی غائب تھا۔

آخر پولیس میں نے پاور ہاؤز سے کوتولی کے لئے فون کیا۔ تشویش کی بات ایک لاک ایک موڑ سائکل جن کا کوئی مالک نہ تھا۔

اسی شام کو اخبارات میں ایک دلچسپ خبر دکھائی دی جس پر سب نے ایک سرفی جمال اور وہ سرفی تھی۔ ”کار میں گدھا۔“

خبر یہ تھی

آج صبح پولو گراؤڈ کے قریب ایک کار پائی گئی جس پر ایک گدھا سوار تھا۔ کار کھڑکیاں بند تھیں اور گدھا باہر نکلنے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ جنہوں نے یہ منظر دیکھا ہے اور

خیال ہے کہ آئندہ شاند بھی انہیں اتنا دلچسپ منظر نہ دکھائی دے۔ کار کے ساتھ ایک سائکل بھی تھی۔ بعد کی اطلاعات اور زیادہ دلچسپ ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ کار شہر کے مشہور پتی مسٹر صدماںی کی تھی اور موڑ سائکل روز نامہ اشاد کے کرامہ رپورٹر مسٹر انور کی۔

انور نے پچھلی رات کوتولی میں اپنی موڑ سائکل کی گم شدگی کی رپورٹ درج کرائی تھی۔

رپورٹ کے مطابق مسٹر انور اپنی موڑ سائکل سڑک کے کنارے کھڑی کر کے ایک دوکان میں گئے اور واپسی پر انہیں معلوم ہوا کہ اسے کوئی چالے گیا۔ پولیس ابھی تک مسٹر صدماںی کے ملاقات کرنے میں ناکام رہی ہے۔ ورنہ کار کے متعلق بھی یقیناً کوئی سننی خیز ایکشان ہے۔

سٹریمن کے موڑ ڈرائیور نے آج صبح ایک جیرت انگیز رپورٹ درج کرائی ہے۔ اس کا بیان ہے کہ پچھلی رات مسٹر صدماںی کو لے کر ہائی سرکل نائنٹ کلب گیا تھا۔ مسٹر صدماںی اندر چلے گئے اور وہ باہر کپڑا وغیرہ میں ان کا انتظار کرتا رہا۔ اس کا بیان ہے کہ ایک آدمی اسے باتوں میں لگا رک پکاڑنے کے ایک سنان حصے میں لے گیا جہاں کسی نے پیچے سے اس کے سر پر کوئی وزنی نہیں رکھا۔ اور وہ چکرا کر گر پڑا۔ پھر اس نے آج صبح خود کو کلب کے گیراج میں پایا۔ اس کے سر میں گہر ارخ میں آیا ہے..... مسٹر صدماںی کے متعلق نہیں معلوم ہوا کہ وہ کہاں ہیں۔“

انور خود بھی دن بھر خبروں کی فرمائی کے سلسلے میں دوڑ دھوپ کرتا رہا تھا۔ اس نے صدائیں کوئی کے بھی کئی چکر لگائے لیکن کوئی اہم بات نہ معلوم ہو گئی۔ جب شام کا اخبار تکلیف چکا تو لے قاسم کے گھر کی راہ لی۔

جس وقت قاسم کے پاس انور کا ملاقاتی کارڈ پہنچا تو وہ اپنی بیوی پر تاؤ کھارہا تھا۔ بات بھولی تھی کہ قاسم کے منہ میں پان تھا اور وہ صوفے پر چت پڑا ہوا اپنے منہ میں پیک اکٹھا رہا تھا۔ وہ جان بوجھ کر ایسا نہیں کر رہا تھا بلکہ بڑی دیر سے سوچ رہا تھا کہ اسے اٹھ کر ہالدان میں تھوکنا چاہیے۔ وہ اٹھنے کا ارادہ کرتا رہا اور پیک کی زیادتی کی وجہ سے اس کے گال دلتے رہے۔ اتنے میں اس کی بیوی نے آ کر کوئی ایسی بات کہی جس پر قاسم کو غصہ آ گیا اور جست جواب دینے کے سلسلے میں اسے خیال نہ رہا کہ اس کا منہ پیک سے بھرا ہوا ہے۔ نتیجہ یہ تاکساری پیک اچھل کر اس کے سینے پر پڑی۔

”خداحشیں غارت کرے۔“ قاسم اسے مکا دکھا کر بولا۔

”میں نے کیا کیا ہے۔“ اس کی بیوی بھی پڑی۔

”تم نے کیوں مخاطب کیا مجھے..... جب جانتی تھیں کہ میرے منہ میں پیک ہے۔“

”تم تھوک کر بولے ہوتے۔“

”کیوں تھوک کر بولا ہوتا۔ تم مجھ سے بولی ہی کیوں۔“

”واہ یہ اچھی رہی..... گندے کہیں کے۔“

”صاحب وہ انور صاحب ہیں..... ضروری کام ہے۔“ اس نے کہا۔
 ہم سوچ میں پڑ گیا۔ وہ تھوڑی دیر قتل شام کا اخبار دیکھ کر کافی قیفہ لگا چکا تھا لیکن
 ایساں کی بھیج میں نہیں آ رہا تھا۔
 زرائیں روم میں انور اس کا منتظر تھا۔
 ”تم نے اخبار دیکھا۔“
 ”ہم دیکھا..... واقعی سالا بڑا مسخرہ معلوم ہوتا ہے۔“
 ”ہو سکتا ہے۔“ انور نے کہا۔ ”لیکن میں تمہیں ایک خاص بات بتانے آیا ہوں۔“
 ”کیا.....!“
 ”صدمنی نے مذاق ضرور کیا ہے لیکن خطرناک قدم کا۔ اگر اپنی گردن سلامت رکھنا چاہتے
 پہلی رات کے سارے واقعات کے متعلق کسی سے ایک لفظ بھی نہ کہتا۔“
 ”کیوں..... کیا بات ہے..... صاف صاف بتاؤ۔“
 ”تمہیں کئی آدمیوں نے نائنٹ کلب میں دیکھا تھا..... انہوں نے پولیس کو بتایا ہے کہ تم
 لی کو گھور رہے تھے اور شائد وہ تم سے ڈر کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ اس کے پیچے ہی پیچے تم
 نائنٹ کلب سے نکلے تھے۔“
 ”تو اس سے کیا ہوا..... وہ مذاق تھا..... اور اس نے بھی مذاق کیا تھا۔ کار میں گدھا۔“
 انہوں نے کہا کہ میں لگا۔
 ”کیا تم نے اس کے ڈرائیور کا بیان نہیں پڑھا“ انور نے اسے گھور کر کہا۔
 ”وہ تمہاری حرکت تھی۔“ قاسم مجید گی سے بولا۔ ”خواہ تو وہ بیچارے کا سر چھاڑ دیا۔“
 ”چلو میری ہی حرکت کی۔“ لیکن تم بھی اس میں شریک تھے۔ اگر کسی سے تذکرہ کیا تو
 اُمر حکم پیش جاؤ گے۔“
 ”میں کیوں کرنے لگا تذکرہ، ہرگز نہیں کروں گا لیکن سالے صدمانی کی تاک میں ضرور ہوں گا۔“
 ”میں اب تم اس واقعے کو بالکل ہی بھول جاؤ۔“

”کیا کہا..... میں گندہ ہوں۔“ قاسم حق پھاڑ کر چینا۔
 ”نہیں بڑے صفائی پسند ہو..... قمیض بر باد کر لی۔“
 ”تم سے مطلب..... میری قمیض ہے یا تم اپنے باوا کے گھر سے لائی تھیں۔“
 ”دیکھئے..... باپ دادا تک نہ چڑھے گا..... ورنہ اچھا نہ ہوگا۔“ وہ بھی تیز ہو گئی۔
 ”کیا نہ اچھا ہوگا..... چڑھوں گا باپ دادا..... تمہارے باپ تمہارے دادا سے
 تمہارے باپ دادا بلکہ ان کے بھی دادا کے دادا۔“
 ”دیکھتی ہوں اب کیسے گھر میں پان آتا ہے۔“
 ”دیکھتا ہوں کون روکے گا..... پان ہی نہیں..... اب براٹڈی کی بولیں بھی آئیں۔“
 ”چچا جان کا ہنتر شاہنہ بھول گئے۔“
 ”نکل جاؤ.....!“ قاسم حق پھاڑ کر چینا۔ اتنے میں نوکر انور کا کارڈ لے آیا۔
 ”تم بھی دفان ہو جاؤ۔“ قاسم نے کارڈ دیکھے بغیر تو کرسے کہا۔ ”میں کسی سے نہیں ملوں۔“
 ”مگر سر کار میں تو کہہ چکا ہوں کہ آپ گھر پر موجود ہیں۔“
 ”جاوے کہہ دو..... صاحب مر گئے..... جاؤ.....!“
 ”نہیں کہہ دو..... صاحب اپنی قمیض پر تھوک کر بیٹھے ہیں۔“ قاسم کی بیوی نے کہا۔
 نوکر جانے لگا۔
 ”رک جا بے.....!“ قاسم نے اس کی گردن پکڑ لی۔ ”کیا کہے گا۔“
 ”صاحب..... قمیض.....!“
 ”گلا گھونٹ دوں گا۔“ قاسم دانت بیٹھ کر بولا۔ ”اس گھر پر میرا حکم چلتا ہے۔“ سمجھے
 ”جی صاحب.....!“
 ”جا کر کہہ دے کہ صاحب مر گئے۔“
 نوکر چلا گیا..... قاسم قمیض بدلنے کی فکر کرنے لگا۔
 تھوڑی دیر بعد نوکر واپس آ گیا۔

”بھول گیا۔“ قاسم نے سرہلا کر کر کہا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولار ”ای رشیدہ تمہاری بیوی ہے۔“

”کیوں.....؟“ انور مسکرا کر بولا۔ ”یار اس کے چکر میں نہ پڑنا۔ بڑی خطرناک عورت۔“

”اوہ.....اسی لئے تو میں ان سےان کو.....بہت اچھا سمجھتا ہوں۔“

”خیر اچھا تو میں اب چلوں گا..... خیال رہے کے.....!“

”میں سب سمجھتا ہوں..... فکر نہ کرو۔ کل شام کو میں تمہارے گھر آؤں گا۔“ قاسم نے

”شاندہم لوگ نہ ملیں۔“ انور نے کہا اور وہاں سے چل پڑا۔ اس کا ذہن اب تک

واقعے میں الجھا ہوا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق قاسم نے کچھ صوانی کی لاش میں

تھی۔ ورنہ اتنی بدحواسی میں کہی نہ بھاگتا۔ اس نے یہاں تک تو تیامبا کر کے اس کی بائیں آؤ

جگہ ایک بڑا سا سوراخ تھا جس سے خون بہہ رہا تھا پھر آخر لاش کی بجائے ایک زندہ

کیوں؟ قاتل ظریف ہی نہیں بلکہ تم ظریف تھے اور انہوں نے اس کی موثر سائیکل بھی

جوں کی توں رہنے دی تھی۔

نوعیت کے اعتبار سے واقعات عجیب تھیں..... انور سوچ رہا تھا کہ کہیں آگے ہیں

معاملات اور زیادہ پیچیدہ نہ ہو جائیں۔ پولیس والے موثر سائیکل کی چوری کے متعلق اسے

کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ انور کو اپنی موثر سائیکل کی وجہ سے بڑی پریشانی تھی اور وہ ابھی

پولیس ہی کے قبضے میں تھی۔ انور نے سوچا کہ اسے ایسے موقع پر انپکٹ فریدی سے ضرر

چاہئے۔ دوسروں کی بات تو الگ روی خود رشیدہ بھی اس کی طرف سے مشکوک تھی۔ وہی

خیال تھا کہ گدھے والی حرکت انور ہی کی تھی اس نے لاش غائب کر کے کار میں ایک عدالت

ٹھوٹس دیا تھا۔

لیکن انور کے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہیں تھا۔ قاسم کو بیہوں کرنے کے بعد وہ سہا

کو تو ای گیا تھا اور موثر سائیکل کی گشادگی کی رپورٹ درج کر کے پھر گھر واپس آگئا تھا۔

بیرون غروب ہوتے ہوتے انور فریدی کی کوئی میں پہنچ گیا۔ فریدی ابھی ابھی کہیں سے
تباہ تھا اور کیوں کیوں میں ڈال کر باہر نکلا تھا کہ انور سے سامنا ہو گیا۔ فریدی اپنے
بیان میں مسکرا کر رک گیا۔

”خوب.....!“ اس نے کہا۔ ”تو تم آگئے۔“

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بتو فریدی کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ جس پر تھوڑی
تفکر کے آثار نظر آ رہے تھے اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی لمبی مسافت طے
کرے گیا۔

”آؤ..... اندر چلو.....!“ فریدی نے کہا۔ ”کار والے گدھے نے میرے گدھے حمید کو
رف متوجہ کر لیا ہے اور وہ اس وقت غالباً مسٹر صدماں کی سیکریٹری مس اورین سے غپ لڑا
گا۔“

”غول اندر آئے اور فریدی ایک صوفے پر گرتا ہوا بولا۔ ”شاید تم صحیح واقعہ بتانے آئے ہو۔“
”کیا صحیح واقعہ.....!“ انور گز بڑا کر بولا۔ ”میں نہیں سمجھا۔“

”فرزند..... میں آصف نہیں ہوں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”موثر سائیکل کی بھی کہاں
رکا ہے کیونکہ اب معاملہ بہت زیادہ الجھ گیا ہے۔“

”موثر سائیکل..... وہ تو چوری۔“

”نہیں.....!“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”وقت نہ برپا کرو..... موثر سائیکل ناٹ کلب
اپنی فاصلے پر تھی۔ تم نے جس دوکان کا حوالہ رپورٹ میں دیا ہے وہ اول تو کلب سے ڈیڑھ
لے کے فاصلے پر واقع ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ آٹھ بجے ہی بند ہو چکی تھی اور تم نے
ٹھیڈھ میں سازھے نوکا وقت لکھوایا ہے۔ قل اس کے کہ پولیس دوکاندار سے پوچھ چکھ کر تی^ہ
ہاں پہنچ گیا۔ لہذا اب وہ کسی دوسرے کو دوکان بند ہونے کا وقت آٹھ کی بجائے گیا رہ

اور کا چڑہ پھیکا پڑ گیا۔ فریدی مسکرا رہا تھا۔

”اگر معاملہ تمہاری موڑ سائیکل کا نہ ہوتا تو میں اتنی زحمت مول نہ لیتا۔“ اس نے
”پھر میں کسی دوسری دوکان میں گیا ہوں گا،“ انور ڈھنائی سے بولا۔
”اور یکواں بند کرو۔ میں ابھی صمدانی کی لاش دیکھ کر آ رہا ہوں۔“
”کیا.....؟“ انور اچھل پڑا۔

”لاش آج صح اس کے سر ہاؤز میں پائی گئی ہے جو جھرمیالی کے مضائقات میں ہے
نے اس کی بائیں آنکھ میں گولی ماری ہے۔ ذاکر کی روپرٹ ہے یہ قتل پیچھلی رات کو در
کے بعد کسی وقت ہوا تھا۔“
انور سنائے میں آ گیا۔

فریدی چند لمحے انور کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا پھر بولا۔ ”لیکن قتل سر ہاؤز میں
ہوا۔ صمدانی کے جسم پر پورا لباس تھا اور اس نے جوتے بھی نہیں اتنا رے تھے۔ پھر بھی ا
لاش بستر پر پائی گئی۔ لیکن بستر پر خون کا ایک دھمہ بھی نہیں ملا۔ ریو اور کی نال آنکھ پر
گولی چلانی گئی تھی کیونکہ حلکے کے گرد بارود کی کھڑڑ پائی گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ
کار میں ہی قتل کیا گیا تھا۔ اور اسی جگہ جہاں کار ملی ہے۔“

وہ پھر خاموش ہو کر انور کو گھورنے لگا۔ انور کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کہنا پا۔
”لیکن تمہاری ہی موڑ سائیکل کیوں۔“ فریدی پھر بولا۔ ”ظاہر ہے کہ صمدانی کے ڈا
کو یہوش کر کے وہاں اسی لئے ڈال دیا گیا تھا کہ اس کی جگہ کوئی اور سنبھالے۔ خیر تو
پر اسرار آدمی نے اس کے ڈرائیور کی جگہ لی اور صمدانی اسے نہیں پیچان سکا۔ راستے میں اس
کار روک دی۔ پیچھی سیٹ پر بیٹھے ہوئے صمدانی نے کار روکنے کی وجہ پوچھی اور وہ پر اسرار آ
نہایت اطمینان سے مڑا اور اس کی بائیں آنکھ پر ریوالور کھکھڑا گیر دبا دیا۔ یہ سب تو ہوا۔
تمہاری موڑ سائیکل کا وہاں کیا کام۔۔۔ ایسی حالت میں جب کوہ چرانی بھی نہیں گئی تھی۔“
”آپ کہہ رہے ہیں کہ قتل کار میں ہوا۔۔۔ تو پھر لاش کو وہاں اتنی دور سر ہاؤز میں
جانے کی کیا ضرورت تھی۔“ انور نے کہا۔

”ہم..... اور تم نے یہ کیوں نہیں پوچھا کہ کار میں گدھا ٹھو نہیں کی کیا ضرورت تھی۔ سو
ہم اس موڑ سائیکل پر کوئی ایسا آدمی تھا جو قاتلوں میں سے نہیں تھا..... اور وہ صمدانی کی کار کا
ب کر رہا تھا۔ محض اسی کی وجہ سے قاتلوں کو یہ دونوں حرکتیں کرنی پڑیں۔ غالباً وہ کسی بناء پر
پوکے لئے یہ نہیں ظاہر ہونے دینا چاہتے تھے کہ صمدانی قتل کر دیا گیا۔ کیا اس گدھے نے
لے جانے کے بجائے کہیں اور لے جائے۔“

”کیا آپ سمجھتے ہیں کہ موڑ سائیکل پر میں تھا۔“ انور نے کہا۔

”نہیں..... مجھے تم سے اس کی توقع نہیں کرتم کسی ایسی جگہ اپنی موڑ سائیکل چھوڑ جاؤ
لیکن اس پر جو کوئی تھا تم اس سے واقف ہو اور تم قتل کی واردات سے بھی واقف ہو گئے
ف..... اسی لئے تم نے چوری والی کہانی گزہ جی۔“

”آپ سے کوئی کچھ چھپا نہیں سکتا۔“ انور مری ہوئی آواز میں بولا اور پھر اسے پوری
بادوں ہر انی پڑی۔ فریدی کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا اور صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ضبط
لنے کی انتہائی کوشش کر رہا ہے۔ انور خاموش ہو کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت فریدی
عنظر مانے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔

”یہ ایک قطعی غیر قانونی حرکت تھی۔“ اسے فریدی کی سپاٹ اور سردا آواز سنائی دی۔

”اب میں اس دوکان دار کو مجبور کروں گا کہ وہ صحیح بیان دے۔“

”میں پھنس جاؤں گا.....!“ انور بوكھلا گیا۔

”جہنم میں جاؤ..... میں بے ایمانی کسی کی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ میں نے تمہیں
یہکروں بار سمجھایا ہے کہ قانون سے کھینٹے کی کوشش نہ کیا کرو۔۔۔ نہیں نہیں..... میں مجبور
ہوں۔ تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا اور پھر تم نے اس گدھے قاسم کو اس میں شریک کیا تھا۔۔۔ تم
اثق بھی ہو۔“

فریدی کے دلائل

انور خاموش بیٹھا رہا۔

فریدی بھی خاموش ہو گیا تھا اور اس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ اس نے سلاکیا اور کمرے میں ٹھہرنے لگا۔ انور نے ایک غیر قانونی حرکت ضرور کی تھی لیکن قتل میں ہاتھ نہیں تھا۔ اگر وہ یہ حرکت نہ کرتا تب بھی صمدانی قتل کر دیا جاتا کیونکہ واقعات کے اعتبار وہ ایک سوچی سمجھی ایکیم معلوم ہوتی تھی۔

”تو کیا بچھرواقعی میرا غرور ٹوٹ جائے گا۔“ انور بڑا یا اور فریدی رک رک اسے گھومنے انور کہتا رہا۔ ”دیکھئے..... یہ تو قریب قریب ناممکن ہے کہ میں حالات کی شکل دیکھنے میں جو بھی آیا اس کی خیر نہیں۔“

”کیا یہ تم مجھ سے کہہ رہے ہو۔“

”نہیں..... مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ آپ کو چیلچھ کر سکوں۔ لیکن پولیس کی دش ضرور بڑھ جائیں گی۔ آسانی سے کوئی مجھ پر ہاتھ نہ ڈال سکے گا۔“

”لوٹے ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”تم اگر اتنے ہی ذہین ہو تے تو قاسم جیہے اس کام میں شرکیک کرتے۔“

”جودل چاہے کہئے..... اب تو جو ہونا تھا ہو ہی گیا۔ اگر صمدانی قتل نہ کر دیا گیا ہوا وقت ایک سونے کی چڑیا میری مٹھی میں ہوتی۔“

”تمہیں اب بھی اپنے فعل پر نہامت نہیں ہے۔“ فریدی بنے کہا۔

”قطیعی نہیں..... آپ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ میری پوری زندگی سے واقع کیا لوگوں نے قانون ہی کی مدد سے مجھے نہیں کپلا ہے۔ کیا اخلاقیات کے مقدس ہاتھ گردن تک نہیں پہنچے۔ میری نظروں میں ان دونوں کے لئے کوئی احترام نہیں۔ میں خودا

”بلیں قانون ہوں۔“
”جیہیں فی الحال ایک گاں ٹھنڈے پانی کی ضرورت ہے۔“ اچانک برآمدے سے آواز آئی۔
پر جنٹ حمید تھا اور اس کے ساتھ ایک بکرا بھی تھا جس کے سر پر ایک پرانی فلت ہیبت
اور گلے میں تائی نلک رہی تھی۔

”تم اس وقت بالکل سہراب مودی کی طرح ڈائیلاگ بول رہے تھے۔“ حمید نے سمجھ دی
کہا پھر بکرے کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”برخوردار بغرا خال پہلے بھی تمہاری تعریف سن چکا ہے۔“
”کوئی خبر.....!“ فریدی اس کی بکواس کو نظر انداز کر کے بولا۔
”لورین بڑی پیاری لڑکی ہے۔“

”کیوں.....؟“ فریدی انور کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”میں نے تم سے کہا تھا کہ حمید
لی بہت اہم خبر لے کر آئے گا۔“
”لپکن یہ کیا فرماتے ہیں درباب اپنی مودڑ سائکل کے۔“ حمید نے چک کر کہا۔
”ڈی۔ ایس۔ پی صاحب پکھا اور سوچ رہے ہیں۔“

”کیا سوچ رہے ہیں؟“
”لاش ملنے کے بعد سے نئی دوز دھوپ شروع ہو گئی ہے اور اب انہیں اس دیوبھیل آدمی
لی خلاش ہے جو کلب میں صمدانی کو گھوڑ رہا تھا۔ نیجگر سے ایک نئی بات بھی معلوم ہوئی ہے کہ
ماڑھنے نو بیجے صمدانی کے لئے کسی کی نون کاں آئی تھی اور صمدانی نے کاں رسیو کرنے کے بعد
نیجگر سے کہا تھا کہ ایک قتھہ لگا کر کسی نے دوسرا طرف سے سلسہ منقطع کر دیا۔“

فریدی نے سوالیہ انداز میں انور کی طرف دیکھا اور انور اثبات میں سرہلا کر انپی جیب میں
ٹکریت کا پیکٹ ٹوٹنے لگا۔

”کیا مطلب.....؟“ حمید باری باری سے دونوں کو گھوڑتا ہوا بولا۔
”میں اب چلوں گا۔“ انور اٹھ چکے ہوئے بولا۔ فریدی نے اسے روکا نہیں۔ حمید بھی چپ
چاپ سے جاتے دیکھتا رہا۔

"یہ کس لئے آیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"بیٹھ جاؤ..... اس گدھے نے ایک حماقت کی ہے۔" فریدی نے کہا اور پھر اس

واقعات دہرا دیے جوانور سے نئے تھے۔

"قاسم.....!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "مجھے حیرت ہے..... مگر نہیں چونکہ اور نے

رشیدہ کے ذریعہ پھولیا تھا اس لئے اس کا پھنس جانا ناممکنات میں سے بھی نہیں۔"

"اب سوال یہ ہے کہ قاسم اپنی زبان بند بھی رکھے گایا نہیں۔"

"اگر رکھتا بھی ہے تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔" حمید نے کہا۔ "وہ دو کاندار....."

"اس کا انتظام میں پہلے ہی کرچکا ہوں..... وہ ہرگز یہ نہ کہے گا کہ اس کی دوکان آئی دیا۔ حالانکہ کئی تو کروں کی زبانی میں یہ سن چکا تھا کہ صمدانی دو تین دن سے بہت زیادہ بجے بند ہو گئی تھی۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ انور کا ہاتھ اس قتل میں بھی ہے تو میں اس کی خواہ پیشان تھا۔ اکثر راتوں کو انھوں کر ٹھہلتا تھا۔ کچھ خوفزدہ بھی تھا۔ سوتے وقت اپنے کروں کی کرمیاں خود ہی بند کرتا تھا۔.... اگر وہ بند ہوتی تھیں تو سونے سے قبل ایک بار ان کے بولٹ نہ سمجھتا۔"

"بہر حال وہ صمدانی کو دھوکہ دینے جا رہا تھا۔"

"لیکن اس کی اتنی زیادہ سزا بھی نہ ہوئی چاہئے کہ اس پر قتل کا الزام عائد کر دیا جا۔" "تو تم اس لوگی کے پیچھے پڑنے کے لئے زبردستی کوئی جواز ڈھونڈ رہے ہو۔"

اصل مجرم تو پولیس کے ہاتھ لگنے سے رہے۔ وہ مجرم جس میں مزاح کی حس بھی ہوا نہیں۔ فریدی مسکرا کر بولا۔

خطرناک ہوتے ہیں۔ مقتول کی کار میں گلہاٹھونسنا ان کے اطمینان اور دیدہ ولیری کی دلیل ہے۔ "ہاں وہ اٹپے دیتی ہے نا.....!" حمید جھنچھلا گیا۔

"اس کے ورثاء کے متعلق کیا معلومات حاصل کیں۔"

"قاسم کے سلسلے میں کچھ کرنا چاہئے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ وہ احمق بھی مفت ہی مٹا جائے گا۔" "لاؤ ارٹ..... یعنی کوئی اولاد نہیں..... پتے نہیں یہ سالے زیادہ تر لاولد کیوں ہوتے ہیں۔ یہوی عرصہ ہوا مرچکی۔ ایک بھتیجا ہے۔۔۔ وہ خود بھی بڑا سرمایہ دار ہے۔"

"اُسے ٹھیک کرلوں گا۔" حمید نے کہا۔ "لیکن انور کو بھی کچھ نہ پکھہ سزا ملنی ہی چاہئے۔"

"اس پر پھر غور کریں گے۔"

"اچھا تو میں چلا..... قاسم کو سیندھا کرنے۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"کیا کرو گے؟"

"کچھ نہ کچھ کرہیں لوں گا..... ہاں..... وہ لوگی لورین..... صمدانی کی ہے۔"

"جی ہاں..... لیکن میرا خیال ہے کہ وہ قاتل نہ ہوگا۔"

بکری..... مجھے اس پر شہر ہے۔"

"مس بات کا۔"

"قتل میں اس کا بھی ہاتھ ہو سکتا ہے۔ یا پھر وہ اس کے متعلق کچھ جانتی ہے۔"

"وہ کس طرح..... بیٹھ جاؤ۔"

"گفگو کے دوران میں اس نے کئی غلط بیانیاں کیں۔ ظاہر ہے کہ وہ صمدانی کی پرائیویٹ

بکری تھی بذا اسے جتنا داخل صمدانی کے مزاج میں رہا ہو گا کسی اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ میں نے اس

"اپ کرتا بھی ہے تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔" حمید نے کہا۔ "وہ دو کاندار....."

"اس کا انتظام میں پہلے ہی کرچکا ہوں..... وہ ہرگز یہ نہ کہے گا کہ اس کی دوکان آئی دیا۔"

"اکثر راتوں کو انھوں کر ٹھہلتا تھا۔ کچھ خوفزدہ بھی تھا۔ سوتے وقت اپنے کروں کی

کرمیاں خود ہی بند کرتا تھا۔.... اگر وہ بند ہوتی تھیں تو سونے سے قبل ایک بار ان کے بولٹ

فرور ٹول لیتا تھا۔"

"تم اس لوگی کے پیچھے پڑنے کے لئے زبردستی کوئی جواز ڈھونڈ رہے ہو۔"

"اصل مجرم تو پولیس کے ہاتھ لگنے سے رہے۔ وہ مجرم جس میں مزاح کی حس بھی ہوا نہیں۔"

خطرناک ہوتے ہیں۔ مقتول کی کار میں گلہاٹھونسنا ان کے اطمینان اور دیدہ ولیری کی دلیل ہے۔

"ہاں وہ اٹپے دیتی ہے نا.....!" حمید جھنچھلا گیا۔

"پھر آپ کیا کریں گے؟"

"قاسم کے سلسلے میں کچھ کرنا چاہئے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ وہ احمق بھی مفت ہی مٹا جائے گا۔"

"لاؤ ارٹ..... یعنی کوئی اولاد نہیں..... پتے نہیں یہ سالے زیادہ تر لاولد کیوں ہوتے

ہیں۔ یہوی عرصہ ہوا مرچکی۔ ایک بھتیجا ہے۔۔۔ وہ خود بھی بڑا سرمایہ دار ہے۔"

"کون.....؟"

"سجاد صمدانی..... اور وہ تین سال سے یورپ میں ہے۔ یہاں اس کی کافی بڑی تجارت

بے جسے اس کے میجر کٹرول کرتے ہیں۔"

"تو بس وہی ایک بھتیجا ہے۔"

"جی ہاں..... لیکن میرا خیال ہے کہ وہ قاتل نہ ہوگا۔"

”میں فی الحال تمہارا خیال نہیں دریافت کر رہا ہوں..... اور کوئی خبر۔“

”برخوردار بغراخاں آج کچھست ہے۔“ حمید نے بکرے کی طرف دیکھ کر کہا۔

”اسے بیہاں سے ہٹالے جاؤ ورنہ میں تمہیں پیشون گا۔“

”چلا جائے گاجناب..... کیا آپ نے اسے تینم سمجھ لیا ہے۔“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔

”جلد قاسم کے پاس پہنچ کر اس کی مرمت کرنا چاہتا تھا۔“

لیکن اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی کیونکہ اس وقت نوکر نے ڈی۔ ایس۔ پی نے اس کی اطلاع دی اور اس کی آمد دیکھی سے خالی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے حمید نے فی الملا جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ آج کل اس سے فریدی کے تعلقات ہیں۔ کبھی ان دونوں میں کھنک جاتی تھی اور وہ ایک دوسرے کی راہ میں روانگی کرنے لگتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ دونوں شانہ بشانہ کام کرتے نظر آتے تھے۔

فریدی نے ڈرائیکٹ روم میں ڈی۔ ایس۔ پی کا استقبال کیا۔

ڈی۔ ایس۔ پی کے چہرے سے ٹھکن کے آثار ظاہر ہو رہے تھے اور وہ تمہارا تھا۔

”اس کیس نے تو چکرا کر رکھ دیا ہے۔“ وہ پیٹھتا ہوا بولا۔

”بات تو کچھ ایسی ہتھی ہے۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

”اور آپ خلاف معمول بہت زیادہ غاموش نظر آ رہے ہیں۔ میں نے آپ کو اس میں کبھی نہیں دیکھا۔“

”کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے..... بعض سیدھے سادے معاملات کی تھے تک پہنچ دشوار معلوم ہونے لگتا ہے۔“

”گھما پھرا کر سوچنے کی عادت ہی بُری ہوتی ہے۔“ ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

حمد مسکرانے لگا۔ وہ اس کی گفتگو کا مقصد اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس طرح ڈی۔ ایس۔ فریدی سے معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن فریدی نے اس جملے کا کوئی جواب نہ دیا۔

”سگار.....!“ وہ ڈی۔ ایس۔ پی کی طرف سگار بڑھاتا ہوا بولا۔

ڈی۔ ایس۔ پی نے سگار لے کر سلگایا۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر اس نے کہا۔

”لیکن اس کرائم پورٹ کی موڑ سائیکل مجھے الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔ وہ کوئی نیک آدمی نہیں۔“

” الجھن میں ڈالنے کے لئے صرف موڑ سائیکل ہی نہیں ہے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ اس گدھے کے متعلق آپ کیا کہیں گے اور وہ لاش جو سر ہاؤز میں پائی گئی۔ میں یہ پہلے ہی ڈیت کر چکا ہوں کہ قتل سر ہاؤز میں نہیں ہوا تھا۔“

”ٹھیک ہے پورا کیس ہی الجھا ہوا ہے۔ صدائی کی کاز میں بھی دو ایک جگہ خون کے دھنے لئے ہیں جن پر شاید مجرموں کی نظر نہیں پڑی تھی..... حالانکہ انہوں نے حتی الامکان صفائی کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ لیکن موڑ سائیکل کا معاملہ..... بھی وہ دوکان جہاں اس نے موڑ سائیکل کھڑی کی تھی نہ صرف کلب سے دور ہے بلکہ ایک دوسری سڑک کے موڑ پر واقع ہے۔“

”میں آپ کا مطلب سمجھتا ہوں۔“ فریدی نے سنجیدگی سی کہا۔ ”لیکن آپ کو یہ تسلیم ہے کہ مجرموں نے کیس کو پیچیدہ بنانے کی کوشش کی ہے۔“

”قطیعی.....!“

”تو پھر وہ موڑ سائیکل بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی معلوم ہوتی ہے۔ انور کوئی گمان آدمی نہیں، اور بیتیرے آدمیوں کو یہ بات بھی معلوم ہو گی کہ وہ اکثر پولیس سے امتحان رہتا ہے، ہو سکتا ہے کہ مجرموں نے اسی سے فائدہ اٹھا کر اسے پھنسانے کی کوشش کی ہو۔ ورنہ موڑ سائیکل لے ہلا گئے کا کوئی جواب سمجھ میں نہیں آتا۔ بلکہ مجرموں کے پاس ایک کار اور بھی تھی۔ کار نہیں بلکہ ٹرک کہئے۔“

”کیوں..... ٹرک کیوں.....؟“

”اوہو..... تو کیا آپ نے سر ہاؤز کے سامنے دو ہرے سے بیہوں کے نشانات نہیں دیکھے۔“ اہر سے پہلے صرف ٹرک یا بس میں لگائے جاتے ہیں۔ کار میں نہیں..... وہ غالباً اسی ٹرک پر لاش ہاں لے گئے تھے۔ ہاں تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مجرم گاڑیوں کی چوری اسی وقت کرتے

نہ آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتا تھا۔ ورنہ یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ انور اتنا حق نہیں ہو سکتا۔“
فریدی پسچھہ سہ بولا۔ وہ فرش پر نظریں جمائے سگار کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔
”میں صد امنی کے ورثاء کے متعلق چھان مین کر رہا ہوں۔“ ذی۔ ایس۔ پی نے پچھہ دیر
دیکھا۔

ہیں جب ان کے پاس کوئی گاڑی نہ ہو۔ ورنہ وہ اس قسم کا خطرہ نہیں مول لیتے۔ خصوصاً
معاملہ قتل کا ہو۔ میرا خیال ہے کہ یہ حرکت انور کو پھنسانے ہی کے لئے کی گئی تھی۔“
”اچھا اگر میں صاف صاف یہ کہوں کہ انور بھی اس جرم میں شریک ہے تو۔“ ذی۔ ایس۔ پی
بول۔

”شائد اس کے ایک بھتیجا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”ہاں سجاد صد امنی..... اس کا بھی کافی برا کاروبار ہے۔ لیکن وہ تین سال سے نہیں
..... اور نہ اس کے کسی آدمی سے اس کی ملاقات ہوئی۔“

”ملاقات سے کیا مراد ہے۔“ فریدی نے فرش سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔

”پہلے سال اس کا جزیل شیخربال گلینڈ گیا تھا۔ اسے ایک ضروری مشورہ لینا تھا۔ جب وہ
گلینڈ پہنچا تو اسے سجاد صد امنی کا ایک تار ملا جو فراؤں سے آیا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ وہ بعض
خواجات کی بناء پر اگلینڈ نہیں پہنچ سکتا۔ جزیل شیخربال میں پہنچا لیکن وہاں بھی اسے ایک تار ملا
جو نہیں سے بھیجا گیا تھا اور اس میں تحریر تھا کہ سجاد ایک ضروری کام کے سلسلے میں جرمی چلا گیا
ہے۔ اس طرح ان دونوں کی ملاقات نہ ہو گئی اور وہ معاملہ خط و کتابت ہی کے ذریعے طے ہو گیا تھا
۔ اس نے جزیل شیخربال بنا رکھا ہے اور وہی اس کی طرف سے سارے کام انجام دیتا ہے۔“

”یہ اطلاع دلچسپ ہے۔“ فریدی ذی۔ ایس۔ پی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔
”کیوں.....؟“

”کیا آپ کو یہ بات دلچسپ نہیں معلوم ہوتی کہ اس کے کسی آدمی نے اسے تین سال
انہیں دیکھا۔“

”ہے تو..... لیکن اس کیس سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔“

”ابھی اتنی جلدی تعلق کے بارے میں تو پچھے نہیں کہا جاسکتا۔“ فریدی نے پچھہ سوچتے
ہے کہا۔ پھر پچھہ دیر خاموش رہ کر بولا۔ ”صد امنی کی مالی پوزیشن کیا تھی۔“

”کروڑوں کا بینک بینس..... کروڑوں تجارت میں لگے ہوئے ہیں اور وہ جنوبی حصے کی

”میں اسے ہرگز نہ تعلیم کروں گا۔“

”انور آپ کا دوست ہے نا..... اور شام کو خود کو آپ کا شاگرد بھی کہتا ہے۔“

”دلیل! ذی۔ ایس۔ پی صاحب۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میں کوئی بات بغیر دلیل

کہتا۔ کیا آپ انور کو اتحاد سمجھتے ہیں۔“

”ہرگز نہیں..... وہ شیطان کا بھی پہچاہے۔“

”یعنی کافی ذہین ہے۔“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”کیا کوئی ذہین آدمی..... آدمی نہیں

صاف صاف مجرم کہتے..... کیا کوئی ذہین مجرم کسی ایسی جگہ کوئی اس قسم کا سراغ چھوڑ سکتا
جس سے اس کی گردن پھنس جائے۔“

”جلد بازی اور گھبراہٹ میں ایسا ممکن ہے۔“ ذی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

فریدی نے ہلکا ساقہ پھر لگایا پھر بولا۔ ”کیا اسے آپ جلد بازی کہیں گے۔ صد امنی کو
میں قتل کیا گیا پھر سیٹ پر سے خون کے دھبے مٹائے گئے۔ لاش ایک ٹرک میں لادی گئی۔

کار میں گدھا ٹھونسا گیا۔ کون اسے جلدی اور گھبراہٹ کا کام کہے گا۔ پھر پولیس کو اطلاع
ہے دوسرے دن صبح۔ کیارات بھر میں موڑ سائیکل وہاں سے ہٹائی نہیں جاسکتی تھی۔“

ڈی۔ ایس۔ پی ایک گہری سانس لے کر صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ اس کے پہر
حشکن کے آثار اور زیادہ گہرے ہو گئے تھے۔

حمدید فریدی کی ذہانت پر عش عش کر رہا تھا کہ اس نے کتنی صفائی سے انور کو اس معا
سے الگ کر دیا۔

”میں تو محض.....“ ذی۔ ایس۔ پی تھوڑی دیر بعد پھیک مسکراہٹ کیسا تھ بولا۔ ”اس معا۔

آنے میں اس کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔ یہ ایک کافی کشادہ کرہ تھا اور یہاں کئی

بی بڑی میزیں تھیں جن پر فائیلوں کے ذمہ تھے۔ عمارت میں یہی ایک ایسا کرہ تھا جسے کہ کیا یہ سب معاملات بھی جزو نجی بھی کے ذریعہ طے ہوتے ہیں یادہ خود آتا ہے۔
پہلے نے مقفل نہیں کیا تھا۔ اسے اس لئے مقفل نہیں کیا تھا کہ پولیس صدائی کے کاغذات کی پہنچ کر رہی تھی اور کچھ ہی دیر قبیل کچھ آفسر یہاں سے رخصت ہوئے تھے۔ ابھی کاغذات پہنچانے میں کوئی بھی ریکارڈ بھی رکھے جاتے تھے۔
”یہ بھی بعد کی چیز ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”ویسے اس قتل کا مقصد کچھ نہ کچھ ضرور ہو گا۔“
”کیا آپ سجاد پر شرب کر رہے ہیں۔“

لورین نے دروازے پر سیاہ پردے کھینچ دیے۔ پھر وہ ایک گوشے کی طرف بڑھی جہاں

لبھوٹی سی گول میز رکھی تھی۔ شائد ہی آج تک کسی کو اس گول میز سی اصل حقیقت معلوم کرنے کا خالی آیا ہو۔ اور آتا بھی کیسے..... کیونکہ وہ بظاہر اخوٹ کی لکڑی کی ایک معمولی سی لول میز تھی۔ کسی کو کیا معلوم کہ اس کا اور پری تختہ اتنا موٹا کیون ہے اور وہ اپنی جگہ سے جنبش مانا پڑے گا کہ قتل کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔“

”مگر یہ تو سیدھی سی بات ہے۔“ ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔ ”اور میں آپ سے گھماو پر ٹھیک کی توقع رکھتا ہوں۔“

لورین نے زمین پر بیٹھ کر اور پری تختے کو نیچے سے ٹھوٹا۔ ایک ہلکی سی آواز آئی اور ساتھ میں ایک پتی کی تختی باہر نکل پڑی۔ پھر لورین نے تختی کی چھوڑی ہوئی جگہ میں ہاتھ ڈال کر بجلی کا بل پلگ نکالا جس کے سرے سے تار نسلک تھا۔ دوسرے لمحے میں وہ اس پلگ کو دیوار سے لے ہوئے سوچ بورڈ میں لگا رہی تھی۔ پلگ لگتے ہی کھٹا کے کے ساتھ قریب ہی کی بڑی میز کے پہنچ کا فائز ایک طرف کھک گیا۔

لورین نے اپنے بیگ سے تارچ نکالی اور تہہ خانے میں اتر گئی۔ نیچے تک پہنچنے کے لئے اسکی میڑ ہیاں طے کرنی پڑیں۔

یہ جگہ بھی اور پری کرے ہی کی طرح کشادہ تھی اور یہاں صرف ایک بڑی آہنی الماری گل ہوئی تھی۔ لورین بے تابی سے آگے بڑھی۔ الماری میں کوئی قفل نہیں نظر آ رہا تھا۔ پھر بھی ہندگی۔ لورین نے ہینڈل پر اپنی قوت صرف کر دی لیکن اس کا دروازہ ہلاکت نہیں۔ پھر وہ غریباً آدھے گھنٹے تک چاروں طرف سے الماری کا جائزہ لیتی رہی۔ لیکن اسے کہیں کوئی اسی مقفل کر کے چند لمحے کھڑی رہی۔

ایک سونے کی کان کا مالک تھا۔“

”خوب..... تو اب یہ سجاد صدائی کا سب کچھ ہے۔“ فریدی سرہلا کر بولا۔ ”لیکن اسے کہ کیا یہ سب معاملات بھی جزو نجی بھی کے ذریعہ طے ہوتے ہیں یادہ خود آتا ہے۔“

”لیکن اس سے ہماری تفیش پر کیا اثر پڑے گا۔“

”یہ بھی بعد کی چیز ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”ویسے اس قتل کا مقصد کچھ نہ کچھ ضرور ہو گا۔“
”کیا آپ سجاد پر شرب کر رہے ہیں۔“

”نہ کرنے کی بھی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔“

”لیکن وہ تو تین سال سے انگلینڈ میں ہے۔“ ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔ ”اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ویسے میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔“ لیکن آپ کو کرنے کا خالی آیا ہو۔ اور آتا بھی کیسے..... کیونکہ وہ بظاہر اخوٹ کی لکڑی کی ایک معمولی سی ماننا پڑے گا کہ قتل کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔“

”مگر یہ تو سیدھی سی بات ہے۔“ ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔ ”اور میں آپ سے گھماو پر ٹھیک کی توقع رکھتا ہوں۔“

”کون جانتا ہے کہ اس میں گھماو پکراو نہ ہو گا۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔

پراسرار ہمسٹر براؤن

دوسرے دن سہ پہر کو صدائی کی پرائیویٹ بیکری ٹری ٹری لورین آفس سے باہر نکلی۔ چند کھڑی ادھر ادھر دیکھتی رہی پھر اس نے دروازہ بند کر کے اسے باہر سے مقفل کیا۔ ایک بارہ اس نے چاروں طرف نظریں دوڑا کیں اور جب یہ اطمینان ہو گیا کہ آس پاس کوئی موجود نہ ہے تو اس نے دوسرے دروازے کو دھکا دیا اور پھر آفس کے اندر داخل ہوئی اور دروازے میں مقفل کر کے چند لمحے کھڑی رہی۔

چیز نہ دکھانی دی جسے وہ الماری کھونے اور بند کرنے کا ذریعہ سمجھ سکتی۔ آخر وہ تمکہ ہاڑ کرے ہے۔^{نمبر 13} فریدی نے اپنی نوٹ بک نکال کر دونوں پتے تحریر کئے۔ واپس آگئی۔

سونچ بوزڈ سے پلگ بٹاتے ہی فرش پھر اپنی اصلی حالت پر آگیا۔

ہرام گڑھ میں کسی مسٹر براؤن کو بھیجا گیا تھا جو شیزان ہوٹل کے کمرہ نمبر ۲۸ میں مقام تھا۔

اس ناٹر کو کم از کم چھ گھنٹے کے لئے روک لیا جائے۔“ فریدی نے پوست ماشر سے کہا۔

چھ سات منٹ بعد وہ آفس سے نکلی..... باہر اب بھی سناتا تھا۔ قرب وجہ ایک تشریف میں فسوس ہے مسٹر فریدی..... یہ صرف پوست ماشر جزل کے حکم سے ہی ہو سکتا ہے۔“

”تو پھر مجھے فون کرنے کی اجازت دی جائے۔“

بھی دکھانی نہیں دیا۔

پھر اس نے گیراج سے ایک چھوٹی سی کار نکالی۔

تار گھر کے قریب اس نے کار روک دی۔ کاؤنٹر پر پہنچ کر اس نے ایک فارم طلب کیا۔ فریدی نے ریسیور اٹھا کر اپنے آئی۔ جی کے نمبر ڈائل کے اور اس سے تار کو نے سے پھر اس پر جلدی جلدی کچھ لکھنے لگی۔ میک سے نکٹ نکال کر فارم پر چھپاں کئے اور اسے کلکر نہ لگو کرنا رہا..... پھر اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ کے حوالے کر کے رسید کا انتظار کرتی رہی۔

”میں پوست ماشر جزل کو اپنوج کر رہا ہوں۔“ فریدی نے پوست ماشر سے کہا۔

پھر جیسے ہی وہ کمرے سے باہر نکلی..... دوسرے دروازے سے فریدی اندر آیا۔ اور ”بہر ہے۔“ پوست ماشر نے کہا اور اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

نے رک کر اس کھڑکی کی طرف دیکھا جس پر لوڑین نے تار دیا تھا..... پھر وہ پوست ماشر کے شاید دس منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی۔ پوست ماشر ریسیور اٹھا کر سنتا رہا۔ پھر اس نے کمرے کی طرف گیا۔

”ووکھا کر ایک طویل سانس لی اور فریدی سے بولا۔“ بہت اچھا جناب..... لیکن آپ مجھے اس نے اپنا کارڈ پوست ماشر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”تمہوڑی تکلیف دوں گا۔“ نہیں ایک تحریر دے دیجئے کہ آپ اسے چھ گھنٹے کے لئے روکا رہے ہیں۔“

”فرمائے۔!“ پوست ماشر ہاتھ ملتے ہو ابولا۔

”کھڑکی نمبر تین پر ابھی ایک لڑکی نے تار دیا ہے..... میں ذرا وہ فارم دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”یلو..... آپ پریٹ..... لاگ ڈمنس پلیز..... رام گڑھ۔!“

پوست ماشر نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر چپڑا کی کے لئے گھنٹی بجائی۔

”تمہوڑی دیر بعد لوڑین کا لکھا ہوا فارم فریدی کے سامنے تھا۔

تار کا مضمون تھا۔

”میں وہاں تک پہنچ گئی..... لیکن کچھ نہیں سمجھ سکتی..... کسی ایک پرٹ ملکیں کو سمجھو۔“

”نمبر اٹھائیں شیزان ہوٹل..... میں اس کی گرانی بھی چاہتا ہوں..... مجھے گھر ہی پر فون کر جانا۔“

تار بھینجنے والے کا پتہ بھی خلاف توقع ہی نکلا۔ لوڑین صدائی کی کوئی کے ایک حصے میں وہاں تک پہنچ گئی..... لیکن کچھ نہیں سمجھ سکتی۔ اچھا۔

”فریدی نے ہلاکا ساق قہرہ لگایا۔“ تاکہ آپ کا ل کے پیے مجھے سے وصول کر سکیں۔ اچھا۔

”رہتی تھی لیکن فارم پر تار بھینجنے والے کا پتہ وہاں کا نہیں تھا۔“

اس نے ریسیور رکھ کر کال کی قیمت ادا کی۔

”جاؤ بکواس نہیں۔“

سرجنٹ حمید تار گھر کے باہر کھڑا تھا۔ جیسے ہی اس نے لورین کو باہر آتے دیکھ دیں کہ میں چند لمحے خاموش رہا..... پھر رہا سامنہ بنائے ہوئے چلا گیا۔

طرف پشت کر کے کھڑا ہو گیا۔ لورین نے کار ایجاد کرنی چاہی لیکن انہیں بھر بھراز فریڈی باہر آیا..... لورین ابھی تک انہیں پر جھکی ہوئی تھی۔ کبھی بھی وہ سراخا کر بے بسی حمید وہاں اس کی پریشانی دیکھنے کے لئے تھہرنا۔ یہ حرکت اسی کی تھی۔ فریڈی نے اپنے ادھر دیکھنے لگتی تھی۔ فریڈی چپ چاپ جا کر اپنی کیڈی لاک میں بیٹھ گیا۔ اسے شاید کہا تھا کہ وہ اس کا انتظار کرے۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ لورین سے بھی انتظار کر لیا۔ لورین کی روائی کا انتظار تھا۔

جب تک وہ کار سنبھالے گی فریڈی خود بھی باہر آجائے گا۔ وہ اسے کار کے انہیں میں اپنے آخرا کار پکھ دیر بعد ایک میکسی ڈریسیور نے لورین کی مدد کی۔ انہیں اسٹارٹ ہو گیا۔

چھوڑ کر تار گھر میں چلا گیا۔ حمید پچھلی رات سے شراتیں کرتا رہا تھا۔ اس نے قاسم کی تیوہ گت بیانی تھی کہ لورین یونہی ادھر ادھر پکڑ لگا رہی ہے۔ آخر پکھ دیر بعد اس نے اپنی پناہ۔ اس نے اسے دھمکی دی کہ وہ اسے قتل کی سازش میں پھنسوادے گا۔ قاسم کے ہاتھ میں ڈی فرانس کے سامنے زوک دی۔

پھول گئے۔ نوبت پر ایں جاریہ کر حمید نے اسے مرغابا دیا اور جب وہ مرغابا ہوا۔ جب وہ اندر چل گئی تو فریڈی بھی کیڈی لاک سے اترے۔ بولی بول رہا تھا تو حمید نے چکے سے اس کی بیوی کو بالا لیا..... پھر جو اس کی بیوی پر لٹا۔ لورین ایک کین میں بیٹھ چکی تھی۔ فریڈی اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر کھلے ہال نہیں پڑا ہے تو قاسم اسی وقت پھانسی پا جانے پر آمدہ نظر آنے لگا اور بدقت تمام حمید اسے الیا بیا گیا۔

لورین نے کھانا منگوایا اور فریڈی کافی کی چکیاں لیتا رہا۔

فریڈی باہر جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ اس کی نظر حمید پر پڑی جو برآمدے ہیں۔ لورین ابھی کھانے سے فارغ نہیں ہوئی تھی کہ ویٹر نے اسے ایک لفانہ لا کر دیا اس نے جگہ سر جھکائے کھڑا تھا۔

”تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟“ فریڈی اسے گھوڑ کر بولا۔

”میں اتنا بے درد نہیں ہوں کہ کسی عورت کو پریشان دیکھ سکوں۔“

”کیا فضول بکواس ہے۔“

”آپ خود چل کر دیکھ لجئے..... اس کی کار میں پکھ گھٹالا ہو گیا ہے۔“

”خیر میں دیکھ اوں گا۔“ فریڈی نے خلک لجھ میں کہا۔ ”تم آفس کے آپریشن رہا۔“ جا کر میری ایک کال کا انتظار کرنا۔“

فریڈی کو فوراً ایاد آ گیا کہ اس نے تار کے فارم پر اپنے پتے میں اسی بلڈنگ کا نام لکھا تھا۔ لورین کار سے اُتر کر اوپر جانے کے لئے زینے طے کرنے لگی۔ فریڈی اطمینان سے کیوں میں بیٹھا رہا۔ تار والے پتے کے قلیٹ کا نمبر اس کی نوٹ بک میں موجود تھا اور پھر اسے

”دیکھئے..... مجھ سے اس قسم کے کھی مار کام نہ لیا کیجئے۔“

ٹھنڈے میں تمن کرے تھے لیکن کہیں بھی اسے اس قسم کے کوئی نشانات نہ ملے جن سے
لی دوسرے آدمی کی موجودگی ثابت ہوتی۔

انجھ میں پولیس میں بھی فریدی کی ہدایت کے مطابق وہاں پہنچ گیا۔ اگر فریدی اسے
پہنچنے والوں پر چکرا کر گئی پڑتا۔

”جاؤ..... جلدی.....!“ فریدی اس کا شانہ چکتا ہوا بولا۔ ”کوتوالی فون کرو..... کہہ دینا
نہیں میں موجود ہوں۔“

کاشیل لڑکھراتے ہوئے قدموں سے واپس گیا۔

اب پھر فریدی لاش کی طرف متوجہ ہوا۔ قریب ہی لورین کا بیگ کھلا ہوا پڑا تھا اور ایک
مال جس پر خون کا دھبہ تھا فریدی نے اسے اٹھا کر دیکھا۔ رومال لورین ہی کا تھا کیونکہ
یہی نے اسے ہوش میں اس سے پینہ خٹک کرتے دیکھا تھا اور شاید قاتل نے اس سے چھرا
کیا تھا۔

فریدی نے قاتل کے لئے بھاگ دوڑ بے کار سمجھی کیونکہ یہاں آتے وقت ہی اس نے
ہوش کیا تھا کہ دوسری طرف بھی زینے موجود ہیں جو عمارت کی پشت کی طرف جاتے ہیں۔

اڑکے لئے قاتل کو کافی وقت ملا ہوگا۔ اور اس نے پچھلے ہی زینے استعمال کے ہوں گے۔
فریدی نے اس کا ہینڈ بیک فرش پر الٹ دیا۔ اس میں صرف آرائشی مصنوعات تھیں۔۔۔
ایک لفاف نہ۔ غالباً یہ وہی لفاف تھا جو ہوش ڈی فرانس کے ایک دیور نے لورین کو دیا تھا۔

فریدی نے مضطربانہ انداز میں اس کے اندر رکھا ہوا خط کھینچ لیا جس پر تحریر تھا۔

”ایک جا سوں تھا را پیچھا کر رہا تھا..... تم فوراً تھارن ہل بلڈنگ پہنچو۔“

ساری حقیقت فریدی پر روشن ہو گئی۔ مجرم انہائی ہوشیار ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ ان کا کوئی
ثبوتگردی نہ رہے۔ انہوں نے اس بھانے سے لڑکی کو یہاں بلا کر ختم کر دیا۔

تمہوری دیر بعد پولیس آگئی اور پوری عمارت کا محاصرہ کر لیا گیا۔ حالانکہ یہ فشوں سی
کارروائی تھی۔ لیکن روز ناچے کی خانہ پری کے لئے نہایت ہی اہم۔

اطمینان تھا کہ لورین ابھی پھر وابس آئے گی کیونکہ جہاں اس نے اپنی کار پر چھوڑی
وہ حقیقت کار پارک کرنے کی جگہ نہیں تھی اور کسی وقت بھی ٹریفک پولیس کا آدمی کار کے
سے باز پس کر سکتا تھا۔

فریدی انتظار کرتا رہا۔ پندرہ منٹ گزر گئے۔ اس دوران میں ایک کاشیل نے لور
کار کا ہارن بجایا۔ پھر وہ فریدی کی کار کی طرف پلتا۔

”آپ جانتے ہیں کہ یہاں کار پارک کرنا منع ہے۔“ اس نے فریدی سے کہا۔ جو
میں تھا۔

”جانتا ہوں دوست.....!“ فریدی باہر نکلتا ہوا بولا۔ کاشیل چونکہ کیچھے ہٹ
اس نے گز بڑا کر فریدی کو سلویٹ کیا۔ شاید وہ اسے پہچانا تھا۔

”میں اوپر جا رہا ہوں.....“ فریدی نے عمارت کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”اگر
پانچ منٹ سے زیادہ لگیں تو تم فلیٹ نمبر چھیا لیں میں آسکتے ہو..... دونوں گاڑیوں کو
رہنے دیتا..... سمجھے۔“

پھر وہ اسے تھیر چھوڑ کر زینوں کی طرف بڑھا۔

تیری منزل کی راہداری تاریک تھی۔ حالانکہ ابھی صرف نو ہی بجے تھے لیکن کسی نا
کے دروازے یا کھڑکی میں روشنی نہیں آرہی تھی۔ فریدی نے نارچ روشن کی۔ پھر وہ چھیا لیو
فلیٹ کے دروازے پر رک گیا۔ دروازے کے شیشتوں میں روشنی نہیں نظر آرہی تھی۔

فریدی نے آہستہ سے دستک دی۔ جواب ندارد۔۔۔ تین بار دستک دینے کے بعد
نے آخر کار ہینڈ گھما کر دروازہ کھولا۔۔۔ لیکن فوراً ہی نارچ روشن کی۔۔۔ کمرے
اندر ہیرے اور ستائے کا راجح تھا۔

اس نے نارچ روشن کی اور جہاں تھا وہیں جم گیا۔ روشنی کا دائرہ فرش پر پڑی ہوئی لورین کا
لاش پر ٹھم گیا۔۔۔ فرش پر تازہ خون پھیلا ہوا تھا اور لڑکی کی آنسیں پیٹ کے باہر نکل آئی تھیں۔
فریدی نے سوچ بورڈ تلاش کر کے روشنی کی۔

وائپسی میں فریدی نے پچھلے زینے استعمال کئے۔ اس کی تاریخ روزن تھی اور وہ خدا میں ڈوبا ہوا آہستہ آہستہ زینے طے کر رہا تھا۔ اچانک وہ رک گیا۔ تاریخ کی روشنی ایک لڑتے کاغذ پر پڑ رہی تھی جس پر خون کے دھبے تھے۔ فریدی نے جھک کر اسے انھالا۔ خون دھبؤں کے علاوہ اس پر کچھ نشانات تھے جو پتل سے بنائے گئے تھے۔ ایک گول نشان پر کلمہ تھا۔ ”گول میز“ اور اس پر تھوڑے فاصلے پر ”سوچ بورو“ تحریر تھا۔ پھر ایک چوکور نشان پر ”میز“ لکھا ہوا تھا۔ فریدی نے کاغذ کا نکٹا جیب میں ڈال لیا اس پر خون میں ڈوبی ہوئی اپنے کے نشانات بالکل صاف تھے۔

”بھی وہ جیز الدل شاستری والے بن مانس آج تک میری سمجھ میں نہ آسکے“۔ ایک پر فریدی کے کارناموں کے متعلق باقی چھڑ گئیں۔
”بھی وہ جیز الدل شاستری والے بن کی سمجھ میں بھی نہیں آئے“۔ فریدی نے کہا۔ ”بہترے تو ان کی بیدائش کے درانِ گفتگو میں بولا۔“

کار آمد نہیں تھیں۔ اس نے بتایا کہ وہ خط اسے ایک انگریز نے دیا تھا اور اتنے سے کام ”وہ کسی کی سمجھ میں بھی نہیں آئے“۔ فریدی نے کہا۔ ”بہترے تو ان کی بیدائش کے اجرت میں اس نے پانچ روپے وصول کئے تھے۔ ویژہ انگریز کا حلیہ نہیں بتا سکا اور اس نے یہ بتایا تھا کہ وہ انگریز کم از کم روزانہ کے گا کوں میں سے تو نہیں ہو سکتا تھا۔“

آج شاید ناکامیوں کا دن تھا۔ گھر بیٹھ کر فریدی نے حمید کو اپنا منتظر پایا اور اس نے اطلاع دی وہ جیرت ایگز بھی تھی اور مایوس کن بھی۔
”میجر نفرت کا پیغام ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”شیران ہوٹل کا کمرہ نمبر اٹھائیں پچھلے؛ پھر اس سے بندرا کامنثوں میں ایک گراغنیل بن مانس کی شکل میں تبدیل ہو جانا سمجھ میں سے خالی ہے اور مسٹر براؤن نام کا کوئی آدمی وہاں کبھی تھا ہی نہیں۔“

”بھرے سمجھ میں آجائیں تو انہیں مجرم کوں کہے گا۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔
”می تو غپ ہی سمجھوں گا..... آدمی کے نئے سے بچے کو بڑھنے کے لئے میں سال درکار تھیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”پانی کو جنے کے لئے سٹھ سمندر سے ایک مخصوص کارکارہ ہوتی ہے۔ خط استواء سے ایک مخصوص فاصلہ درکار ہوتا ہے۔ لیکن آپ یہاں مگر تائید یہ گرفتی میں برف استعمال کرتے ہیں۔ کیا وہ برف ہمایہ کی پوٹی سے حاصل کی جاتی ہے؟“

”بگل کی آگ“ جلد نمبر 12 ملاحظہ فرمائے۔

دوسرے دن فریدی اور حمید چند دوسرے آفسروں کے ساتھ صہانی کے بھی دفتر میں کاغذات کا جائزہ لے رہے تھے اور پچھلی رات والا قائم موضوع گفتگو بنا ہوا تھا۔

ہے یا اندر کے میدانوں سے؟ کیا برف جمانے والی مشین منٹوں میں پانی کو نکالا جائے گا؟ ڈالنے ہے اور وہ سالہا سال کی نشوونما کے عمل کو ایک جست میں طے کر لیتا ہے۔ پہنچا دیتی۔“

”لیکن کوئی مشین پانی کے بغیر برف نہیں مہیا کر سکتی۔“ آفسر بولا۔ ”بندرا اور آدمی کی ذمہ داری ہے۔ بھلا بندرا کا جسمانی نظام آدمی کے جسم سے حاصل کی ہوئی غذا کیسے قبول ذمہ داری ہے۔“

”ٹھیک ہے..... لیکن شاید آپ یہ بھول گئے کہ جیر اللہ کی مشینوں کے ذریعے ”آدمی کو کام کر لے گا۔“

کے جسم اس بندرا کے جزو بدن ہوتے تھے وہ ایک بن مانس کی شکل اختیار کرتا تھا۔“

”بالکل اسی طرح جناب جیسے آپ کا جسمانی نظام بندرا کے غدوں کا آپ پیش نہیں قبول کر لیتا ہے۔“

”تب تو اس طرح آدمی کا بچہ بھی منٹوں میں جوان ہو سکتا ہے۔“

”قطعی ہو سکتا ہے لیکن ذہنی حالات پچوں کی سی ہوگی۔ کیونکہ ذہنی نشوونما کا تعلق تم زیادی سے پاؤں میں جیت نہیں سکتے۔ ہم جیسے مشغول آدمیوں کو اتنی فرصت کہاں کہ دنیا بھر سے ہے۔ اس کے لئے کم از کم میں ہی سال درکار ہوں گے۔ خیر اسے چھوڑیے یہ ایکا

کے خصائص چاٹتے پھریں۔“

”فرصت پیدا کی جاتی ہے۔“ فریدی نے نہیں کہا۔ ”آپ لوگوں کے تو صرف چند عدد پوئی بچے ہوں گے۔ میرے پاس ساختہ کتے ہیں۔ سائز ہے تین سو کے قریب سانپ ہیں

”اللہ کی مرضی! ہم کون ہوتے ہیں دخل دینے والے۔“ حمید آہستہ سے بڑی بڑی اور جوں پر نہیں ہیں۔“

ایک زور دار قہقهہ پڑا، لیکن جلد ہی ماحول نے پھر سنجیدگی اختیار کر لی۔

”لیکن افسوس ایک بیوی نہیں پائی جاتی۔“ حمید آہستہ سے بولا۔ اور پھر سب ہنسنے لگے۔ فریدی کا قہقهہ سب پر حاوی تھا۔

”اچھا بس بس.....!“ ایک بوڑھا آفسر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”یہاں کی کنوارے بھی

ہیں..... انہیں بد ظن نہ کرو۔“

”میں تو برا باد ہو ہی چکا۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

پھر سب ہنسنے لگا۔

”یار کام نپاٹا۔!“ بوڑھے نے کہا۔ ”میں تو اس کھنچی مارکام سے عاجز ہو چکا ہوں۔“

فریدی ایک دوسری الماری کھولنے کے لئے اٹھا اور جلدی میں اس کا پیاراں گول میز سے

بلکر ایسا جو ایک گوشے میں رکھی ہوئی تھی۔ فریدی نے الماری میں کنجی لگائی اور اسے گھماتے

گھماتے چک کر رہ گیا۔ وہ حیرت سے اس گول میز کو دیکھ رہا تھا جو ٹھوکر لگنے کے باوجود بھی

نہیں ہی تھی۔ اس نے اسے پھر ٹھوکر ماری لیکن اس میں جنبش بھی نہ ہوئی اور جب اس نے

”وقت نہادِ حیاتیاتی ریشوں کے بڑھنے کی صلاحیت کو کہتے ہیں اور یہ ملاب

انہیں غذا اور بعض دوسرے خارجی اسیاب سے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن غذا کو بھی ان پر اڑانا ہونے کے لئے مختلف مرحلی سے گزرنی پڑتا ہے اور اس میں عرصہ لگ ہاتا ہے۔ بہر حالا

ریشوے میں سال تک بڑھتے رہتے ہیں اور اپنی حد کو پہنچ کر بڑھنے کی صلاحیت کھو دیتے ہیں

میں سال میں آدمی کا قدر قریب پورا ہو جاتا ہے اس کے بعد پھر بڑھنے کے امکانات نہ

رہتے۔ بہر حال کہنے کا مطلب یہ کہ حیاتیاتی ریشوں کے بڑھنے کا دار و مدار غذہ پر ہے۔ اسے آئیے بندرا کی طرف۔ اس کے حیاتیاتی ریشوں کو آدمیوں کے جسم سے مشین کے ذریعہ تاراڑا

اسے اٹھانا چاہاتا سے محسوس ہوا کہ اس کے پائے زمین میں دفن ہیں۔

اب اس نے غور سے میز کو دیکھا۔ اس کا اوپری تختہ تناسب سے کہیں زیادہ موٹا تھا۔ اس نے تختہ کے نیچے ہاتھ ڈالا..... اور اس کا ہاتھ کسی ابھری ہوئی چیز سے ٹکرایا ہی تھا کہ ایک بیل کی آواز آئی اور ساتھ ہی ایک تار لگا ہوا پلگ فرش پر گرد پڑا۔

”گول میز.....!“ فریدی آہستہ سے بڑا بڑا۔ اُسے وہ کاغذ کا ٹکڑا یاد آگیا جو اس تھارن میں بلڈنگ کے زینے پر ملا تھا۔ وہ تیزی سے اپنے ہند بیک کی طرف چھپنا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ کاغذ اس کے ہاتھ میں تھا۔ دوسرے لوگ اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ انہوں نے دھیان نہ دیا۔

فریدی کی نظریں کاغذ پر لکھے ہوئے الفاظ اور نشانات پر جنم گئی تھیں۔ ”گول میز“، ”سوچ بورڈ“، ”چوتھی میز“، اس نے چاروں طرف ایک اچتی سی نظر ڈالی اور پھر یہ بات اس کی سمجھی میں آگئی کہ وہ اس آفس کا نقش تھا۔ اس نے سوچ بورڈ پر نظریں جو گول میز کے اوپری دیوار سے لگا ہوا تھا۔

وہ آہستہ سے آگے بڑھا اور میز کے نیچے سے پلگ اٹھا کر سوچ بورڈ میں لگا دیا۔ فوراً ہی ہلکی سی گھر گھرا ہٹ سنائی دی اور ایک قریبی میز پر سیٹھا ہوا آفیس اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس میز کے نیچے ایک تار یک خلاء تھی۔

”یہ کیا ہوا.....؟“ سب لوگ یہی وقت چھے اور ان کی نظریں فریدی کی طرف اٹھ گئیں جو سوچ بورڈ پر ہاتھ رکھ کر کھڑا مسکرا رہا تھا۔ ”میں نے آپ سے کہا تھا۔“ اس نے میں کر کہا۔ ”مجھے ساتھ نہ لجھنے ورنہ کام بڑا جائے گا۔“

”آخر یہ ہے کیا.....؟“ بڑھے آفیس نے پوچھا۔ فریدی نے جواب دینے کی جائے سوچ بورڈ سے پلگ نکال لیا اور میز کے نیچے کا فرش پھر برابر ہو گیا۔

”ماری کامیکنز بڑا چیخیدہ ہے۔ وہ اُسے کھول نہ سکی ہو گی۔ لیکن بیچاری کو اس کا علم نہ

”غائب کوئی میکائی تھہ خانہ ہے۔“ فریدی نے کہا اور پھر پلگ لگا دیا..... تھہ خانے کا نہ دوبارہ ظاہر ہو گیا۔

پھر جس بے تابی سے وہ سب اس تھہ خانے میں اترے اس کا بیان محال ہے۔ انہیں صرف ایک آہنی الماری نظر آئی جس کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے۔ ان میں سے ہر کچھ کچھ کھد رہا تھا۔ لیکن فریدی کی پیشانی پر گھرے تھکر کی لکیریں تھیں۔

”ارے یہ کیا.....!“ ان میں سے ایک آفیس الماری کی طرف جھپٹا اور پھر انہوں نے الماری اور دیوار کے درمیانی رخنے سے کوئی چیز اٹھاتے دیکھا۔

”میرے خدا.....!“ اٹھانے والے کے منہ سے ایک تھیر آمیز چیخ نکلی۔ اس کے ہاتھ ہونے کی ایک اینٹ تھی جس کا وزن ایک پونٹ سے کی طرح کم نہ تھا۔

فریدی نے ایک گھری سانس لی..... دوسرے لوگ اینٹ پانے والے آفیس کے گرد لٹھ ہو گئے۔ لیکن فریدی خالی الماری کا جائزہ لے رہا تھا۔

تموڑی دیر بعد جب وہ طرح طرح کی چہ میکوئیاں کرتے ہوئے واپس آئے تو فریدی یہ کوئے کر باہر نکل گیا۔

”چوتھی ہو گئی بنیت حیدر۔“ وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔

”کیوں.....؟“

”وہ یہاں سے کافی دولت نکال لے گئے۔ اس الماری میں نہ جانے کتنی اینٹیں رہیں ہیں۔“

”الی گی۔“

”یہ آپ کیسے کہ سکتے ہیں۔“

”مجھے یقین ہے! لورین کے تار کا مضمون یاد کرو..... یہی تو تھا..... میں وہاں پہنچ گئی۔“ لیکن پہنچنیں سمجھ سکتی کسی ایک پرسٹ کو سمجھو۔“

”تو اس سے کیا.....؟“

”ماری کامیکنز بڑا چیخیدہ ہے۔ وہ اُسے کھول نہ سکی ہو گی۔ لیکن بیچاری کو اس کا علم نہ

رہا ہوگا کہ خود اس کی حیثیت کیا ہے۔“

”بھی تھا ہی نہیں۔“

”اور اسی بناء پر میں یہ سمجھنے پر بھجوہ ہوں کہ شیزان ہوٹل اس کا مستقل اڈہ ہے۔“

”چلے کچھ تو سراغ غلام.....!“ حمید طویل سانس لے کر بولا۔

”ہم ان واقعات کافی الحال کی سے تذکرہ نہیں کریں گے۔“

”لیکن تھہ خانہ..... وہ ایسٹ..... اسے توبہ نے دیکھا ہے۔“

”فکر نہ کرو..... انہیں ان کے متعلق خیال آرائیاں کرنے دو۔ اخبارات میں دلچسپ

ہیاں نظر آئیں گی۔“

فریدی کا خیال درست نکلا۔ اسی شام کے اخبارات میں صمدانی کے پرانیویث خفیہ تھے

نے کے متعلق نتیجہ کہانیاں نظر آئیں لیکن خالی الماری اور سونے کی ایسٹ کے بارے میں

یہ قریب سب نے ایک ہی خیال ظاہر کیا تھا اور یہ کوئی ایسی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ ایک

نویں ذہانت کا آدمی بھی اس کے متعلق بھی کہہ سکتا تھا کہ وہ الماری خالی نہ رہی ہو گی اور

صمدانی کے بجائے کسی دوسرے عی آدمی نے خالی کیا ہوگا۔ ورنہ ایک ایسٹ اس طرح سے

رو جائی۔

اُسی دن پولیس آفیسروں پر ایک حیرت انگیز اکشاف ہوا۔ لیکن اُسے حالات کے اعتبار

غیر موقوع بھی کہا جاسکتا تھا۔ لورین کے اچانک قتل سے یہ بات سامنے آگئی۔ ایک مجھسڑیت

نے پولیس کو اطلاع دی کہ اس نے دو ماہ قبل لورین اور صمدانی کے سوں بیرون کے سریشکیت پر

خلا کے تھے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ صمدانی اس شادی کو منتظر عام پر نہیں لانا چاہتا تھا۔ اس نئی

بیان پر کیس اور بھی الجھ گیا۔

فریدی اس نئی پیوشن پر بڑی دیر سے غور کر رہا تھا۔ اور سرجنٹ حمید نے اپنے ذہن کو

بلکہ چھپی دے رکھی تھی۔ وہ شاید آدھے گھنٹے سے کوش کر رہا تھا کہ اس کا بکرا منہ میں تباہ کو

ٹکڑا کا پائپ دبانا سکھ جائے۔ لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ دوبار اس نے جھلا کر

لبے کے منہ پر چھپر بھی مارے اور جب بالکل ہی تنگ آگیا تو اسے ایک لات رسید کر کے

”لیکن آپ نے یک بیک تھہ خانہ کیسے دریافت کر لیا۔“

فریدی نے گول میز سے ٹھوکر لگنے کا واقعہ دھراتے ہوئے کہا۔ ”وہ خون آلو کا نہ کامیاب تھا۔ جو سمجھنے تھا ان ہل بلڈنگ سے ملا تھا..... اس پر دراصل اسی تھہ خانے کا نقشہ تھا ہو سکتا ہے کہ نقشہ خود لوین نے ہی تیار کیا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ لوین ہی نے قاتل کو اس کے متعلق سمجھا اور لیکن وہ اس معاملے میں صرف مسٹر براؤن ہی کو جواب دہ تھی..... جسے اس نے تاریخ اخراج ہو سکتا ہے کہ قاتل براؤن ہی رہا ہو..... ورنہ وہ آسانی سے اسے نقشہ نہ دیتی۔“

”ندیتی..... کمال کرتے ہیں آپ بھی..... ارے اس نے اسے قتل کرنے کے بعد فتوح حاصل کیا ہوگا۔“

”تمکن.....!“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”نقشہ پہلے ہی اس کے ہاتھ میں تھا۔ قتل کرنے سے قبل۔ اور وہ اسے ہاتھ میں دبائے ہوئے زینے تک آیا اور پھر اسے نقشہ یاد آگیا اس نے اسے جیب میں رکھنا چاہا لیکن وہ بے خیالی میں گر گیا۔ وہ جلدی میں یہ سمجھا کہ نقشہ جیب میں علا گیا ہے۔ اگر قتل کرنے کے بعد نقشہ اس کے ہاتھ لگاتا تو وہ اسے ہاتھ میں لے ہوئے زینے تک نہ آتا۔ شاید نقشہ اس کے کوٹ کی اندر وہی جیب میں ہوتا۔ وہ نقشہ کو پہلے ہی سمجھ کا کافی اسی لئے اس نے اسے اتنی لا پرواہی سے جیب میں ڈالا کہ اس کے گر جانے کی خبر نہ ہوئی۔ نہیں فرزند۔ وہ یقیناً براؤن ہی تھا..... اور چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ وہ جس سے کام لیتا ہے اس کے پیچھے دو آدمی اس طرح لگائے رکھتا ہے کہ انہیں اس کی خبر نہیں ہوتی۔“

”تو کیا صمدانی کا قاتل بعض اس سونے کی وجہ سے ہوا۔“ حمید نے کہا۔

”یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ سونا تو اس کی زندگی ہی میں اڑایا جاسکتا تھا۔ لورین بہر حال اس کی معتمد خاص تھی۔ اب ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ لورین صمدانی کے پاس کب اور کن حالات میں آئی۔“

حمدید چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ”مگر وہ براؤن..... شیزان ہوٹل میں تو اس نام کا کوئی

فریدی شاید پچھلی کہنا چاہتا تھا لیکن اس دوران میں شام کی ڈاک آگئی۔ فریدی پر ویسر نہیں بنا سکوں گا۔“

فریدی کو بے ساختہ بنسی آگئی اور اس نے ان دونوں کو دھکے دے کر کرے سے نکال بڑھایا۔

سفید کاغذ پر ایک منحصری تحریر تاپ کی ہوئی تھی۔

”اگر موت ہی کی خواہش ہے تو میرے معاملات میں ضرور ناگز اڑاؤ میں کسی وقت بھی تم سے بہت زیادہ دور نہیں۔“

براؤن۔“

حمد فریدی کی طرف دیکھنے لگا جس کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری نظر آ رہا تھا۔

لیکن مصیبت تو یہ تھی کہ وہ اس کیس کے بعض پہلوؤں پر بحث کرنا چاہتا تھا۔ حید لائکنی پر ویسر نہیں بنا سکوں گا۔“

سبجیدہ ہمیں لیکن بارہا کے تجربات شاید تھے کہ اس کی بے نکلی باتوں ہی میں فریدی کو اکثر جھیل حل مل گیا تھا۔

تحوڑی دری بعد وہ بھی کمرے سے باہر نکلا۔ حید پیر دنی برآمدے میں تھا اور شاید اب پر کی طرح غیر سبجیدہ بھی نہیں نظر آ رہا تھا۔ اس نے خود ہی لورین کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

”اس تی دریافت کی بناء پر کیس اور زیادہ ابھج گیا ہے۔“ فریدی بولا۔ ”ظاہر ہے کہ لورین مجرموں کی آل کا رہتی لیکن اس صورت میں اس کا قتل صدمانی کے قتل کے مقصد کو اور زیادہ ہارا میں پھینک دیتا ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ ان دونوں کی شادی کا مقصد لورین کے لئے حکما دولت تھا تو پھر انہوں نے اسے بھی کیوں قتل کر دیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ مجرم اس کے ذریعے صرف اس الماری تک پہنچنا چاہتے تھے تو پھر آ خصم انی کو قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہا تھے لیکن ابھی تک اس کی سرخ سرخ آنکھیں نیند کے بوجھ سے دبی جا رہی تھیں۔ اس نے اس کے بغیر بھی ہو سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ اس کی بیوی ہی تھی کبھی نہ کبھی تہہ خانے کے راستے رہانے والی ٹپی پائی سے سگریٹ کا ذہبی اٹھایا اور سگریٹ کو ہونتوں میں دبا کر جلانے ہی والا تھا کہ رشیدہ آندھی کی طرح کمرے میں داخل ہوئی۔

”واقعی صدمانی کے قتل کا مقصد اس اکتشاف سے بالکل ہی تاریکی میں جا پڑتا ہے۔“ بنا نے دھیکی آواز میں غصے نے کہا۔ ”اور لورین کو زندہ رکھ کر نہ صرف وہ الماری کی دولت ہی سمیت سکتے تھے بلکہ نہ مل سے کہا۔“

”کوئی نئی بات کرو..... یہ اطلاع بہت پرانی ہے۔“ انور نے سگریٹ سلاک کر دیا سلامی کے پورے کار و بار پر بھی قاضی ہو سکتے تھے۔“

”اسی بناء پر میں فی الحال سجاد صدمانی کا خیال ڈہن سے نکال دینے پر مجبور ہو گیا ہوں۔“ لبڑا اچھال دی۔

”اصف انتظار کر رہا ہے۔“ حید بولا۔

”جھک مارنے دو اسے۔“

”میں نے لفظ فی الحال استعمال کیا ہے۔ دیے وہ میری لست پر موجود ہے۔“

”تم ہی مجھے چھوڑ دو گے تو پھر پوچھئے کون۔“ انور نے مسرت کا انہصار کرتے ہوئے
”تم نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا۔“
”تمے پاس ہھکڑیاں ہیں..... سمجھے۔“
”تمہارے پاس ہھکڑیاں ہیں..... سمجھا.....!“
”مجھے موڑ سائیکل کی چوری کی داستان پر یقین نہیں ہے۔“ آصف غرایا۔
”اپنے آدمی بڑی باتوں پر کبھی یقین نہیں کرتے۔ شخ سعدی نے فرمایا ہے.....“
”میں یہاں وقت بر باد کرنے خیس آیا ہوں۔“ آصف نے جھلا کر بات کاٹ دی۔
”میں جانتا ہوں کہ تم ہمیں چائے پلواؤ گے۔“
”تم نے مددانی کا تعاقب کیوں کیا تھا.....؟“
”اوہو.....“ انور سمجھی گی سے بولا۔ ”تو تم اس لئے آئے ہو۔“
آصف جواب دینے کی بجائے انور کو گھوڑا رہا۔
”میں خود تمہاری تلاش میں تھا.....!“ انور پھر بولا۔ ”میرے پاس چند قسمی معلومات ہیں۔“
”کیا.....؟“ آصف کے چہرے کی تختی یک بہیک دوہو گئی۔ لیکن یہ تختی غیر ارادی طور
راہکاری کیونکہ آصف نے احساس ہوتے ہیں پھر سے خود کو سنبھالنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔
”نیچے چلتے ہیں..... وہیں باشیں ہوں گی۔“ انور نے کہا اور رشیدہ کو آنکھ مار کر دروازے
ٹرف دیکھنے لگا۔
رشیدہ کھڑی ہو گئی اور اسی کے ساتھ آصف بھی اٹھا۔ لیکن یہ بھی غیر ارادی طور پر ہوا تھا
اس نے آصف کے چہرے پر ہلکچا ہٹ کے آثار صاف پڑھ لئے تھے۔ اس لئے اس کی رفتار
ماتذکری آگئی تھی۔
باہر نکل کر رشیدہ نے دروازہ مغلول کیا اور وہ نیچے آئے۔ انور قریب ہی کے ایک
دوران میں گھس گیا۔ اب آصف کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں رہ گیا تھا کہ
اکنہ کام ساتھ دے۔

”اس کی جیب میں ہھکڑیاں ہیں۔“

”اوہ.....!“ انور مسکرا کر چڑھانے والے انداز میں بولا۔ ”تو مجھے چھانکی ہو جائے گی۔“
”دیکھو یہ کواس مت کرو..... ایسے موقع پر اس سے بھگڑا نہ مول لیں۔“
”فلکرنہ کرو۔“ انور نے پلٹگ چھوڑ دیا۔ اس نے میز سے ٹوٹھ پیٹھ اور برش الماء
ہوئے کہا۔

”میری جیب بالکل خالی ہے اور اس وقت آصف ہی ہمارے ناشتے کا انتظام کر
گا..... صحیح ہے۔“

”وسرے کمرے میں انپکٹ آصف انور کا منتظر تھا۔ غسل خانے تک پہنچنے کیلئے اس کر۔
سے گزرنا ضروری تھا۔ انور نے ببرے دوستانہ انداز میں آصف سے مصافحہ کیا۔ لیکن آصف
نے اپنے چہرے پر تختی کے آثار پیدا کر کر تھے۔ وہ کلف دیئے ہوئے کا لارکی طرح اکڑا رہا
”میں ایک منٹ میں آیا۔“ انور نے کہا اور غسل خانے کی راہ لی۔ رشیدہ آصف
سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اسے موقع تھی کہ آصف انور کی غیر حاضری کے دوران پکھنہ کا
بوجا۔ لیکن وہ بدستور خاموش بیٹھا رہا۔ رشیدہ نے بھی اسے چھیڑا نہیں۔
انور غسل خانے سے آنے کے بعد آئینے کے سامنے بال درست کرنے لگا۔ چند
بعد اس نے اس کی طرف مڑ کر کہا۔ ”آج کل میں کچھ جیسیں ہوتا جا رہا ہوں..... کیوں؟“

”جیل میں کبھی جام سے ملاقات نہیں ہوتی۔“ آصف اسے گھوڑ کر بولا۔
”یہ بہت بُری عادت ہے..... میں عنقریب جیل سدھارنے کے متعلق ایک مضمون لکھ
والا ہوں۔“

”شاید وہ جیل ہی میں مکمل ہو۔“
”کیوں؟ کیا مجھے جیلوں کا دورہ کرنے کا موقع دیا جائے گا۔“
”ہمیں فضول باتوں میں نہ پڑنا چاہئے۔“ آصف بولا۔ ”اس بار تمہیں کسی طرح نہیں
چھوڑ سکتا۔“

انور نے ایک لبے ناشتے کا آرڈر دیا۔ اس کا رویہ آصف کے ساتھ براہ درستہ تھا
”ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا پچھا آصف۔“ انور نے کہا۔ ”کہ اس کیس میں تمہارے
ترقی کے بڑے امکانات ہیں۔“

”بڑی مہربانی۔“ آصف طنزیہ بجھے میں بولا۔ ”لیکن تمہیں اس کیلئے نہ پریشان ہونا چاہیے۔“ ”لیکن تمہارا اس معاملے میں کیا تعلق ہے۔“ ”ارے تعلق تم معلوم کرو۔..... یہ پولیس کا کام ہے۔“
”تمہارا ہاں بلڈنگ کا کراپیٹ میں ہی وصول کرتا ہوں۔“ انور نے کہا اور سگریٹ سلاگا نے
”کام کی باتیں کرو۔.....!“ آصف اپنی پیالی میں شکر گھولتا ہوا بولا۔

”پہلے تو جادوں کے موڑ سائکل والے معاملے میں مجھے ذرا برابر بھی پریشانی نہیں۔“ ”تو تم سیدھی طرح نہیں بتاؤ گے۔“
”یہاں کسی پولیس والے نے مجھے چھاننے کی کوشش کی تو اس کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔“
”چلو یہ بھی کوئی نئی بات نہیں۔..... تم ہمیشہ یہی بکتے رہتے ہو۔“

”اور مجھے یقین ہے کہ میں نے صرف زبان علی سے نہیں کہا۔“

”خیر..... خیر..... وہ اطلاعات کیا تھیں۔“

”مہا تو یہ کہ آج کل میں مفلس ہو رہا ہوں۔“
”اڑنے لگے۔“ آصف بھنا کر رشیدہ کی طرف دیکھنے لگا۔
”دوسری اطلاع یہ کہ فریدی صاحب سجاد صدماںی کی تلاش میں یورپ کا دورہ کر رشیدہ کو اس نئے نام کے حوالے سے حیرت ہوئی اور وہ آصف کی طرف دیکھنے لگی جس کا
والے ہیں۔“

”آسے تو بس بہانہ چاہئے۔“ آصف بُراسامہ بنا کر بولا۔ ”ای بہانے منٹ کی لذت
بھر آصف نے ایک اعصاب زدہ قہقہہ لگا کر کہا۔ ”تم دھمکیوں میں نہیں آؤ گے۔“
”ٹاہر ہے کہ میری معلومات بہت وسیع ہیں۔“
”اچھا یہ بتاؤ۔..... کیا فریدی پچھوچ یورپ جائے گا۔“ آصف نے پوچھا۔
”ای تم نے آج کا اخیر نہیں دیکھا۔ یہ خرکل شام ہی پولیس میں پہنچ گئی تھی۔“
”مجھے یقین نہیں ہے۔“ آصف پچھہ سوچتا ہوا بولا۔
”اگر فریدی کے متعلق معلومات حاصل کرنے آئے ہو تو میں بالکل مجبور ہوں۔“ انور
باتاکھ آئے گی۔“

”تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اخراجات تمہارا الحکم برداشت کرے گا۔“ انور نے کہا۔

”جنہم میں ڈالو۔..... تم مجھے کیا بتانے والے تھے۔“

”یہی کہ اس کا تعلق سجاد صدماںی سے ہو سکتا ہے۔“

”اور لوگوں کے قتل کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔“ آصف نے کہا۔
”وہ سجاد صدماںی نے کرایا ہوگا۔ اب تو یہ بات اچھی طرح مشہور ہو چکی ہے کہ وہ صدماںی کا
ٹریبلجے میں بولا۔“

”مجھے اس سے کیا سروکار..... میں دراصل یہ جانتا چاہتا ہوں کہ تم اپنی ناگزیری اڑاتے پھر ہے ہو۔“

”اور اسی لئے وہ سیدھا ہو گیا۔“ انور نے کہا۔ ”اگر ضرورت پڑے تو میں اس ڈاکٹر کو بھی
کچھ سلکتا ہوں۔“

”کچھ دیکھ خاموشی رہی پھر انور بولا۔“ میں تو ایک ماہ کی چھٹی لے رہا ہوں۔
”کیوں...؟“

”مجھے کام مل گیا ہے..... اور اجرت توقعات سے زیادہ ملنے کی امید ہے۔“

”کیا کام...؟“

”سجادہ صدماں فی کا جزل شیخ چاہتا ہے کہ میں اس کے لئے اس کی تفتیش کروں۔“

”خود کیوں چاہتا ہے۔“

”کیوں؟ کیا سجادہ کی حیثیت مشتبہ نہیں ہے اور پھر صدماں کا سارا کار و بار اس کی طرف
لہوئے والا ہے۔ اس لئے جزل شیخ کی تشویش بالکل قدرتی ہے۔“

اس کے بعد اس نے ادھر ادھر کی باشیں چھیندیں۔ رشیدہ کو سخت جیرت تھی کہ کیکا؟ ”لیکن میں تمہیں اس کی رائے نہیں دوں گی۔ اس طرح تمہیں فریدی صاحب سے ملکرانا
کہا۔“

”اس کا سوال ہی پیدا نہ ہونے پائے گا۔ اگر میں نے یہ دیکھا کہ اس معاملے میں سجادا یا
کے آدمیوں ہی کا ہاتھ ہے تو میں الگ ہو جاؤں گا۔“

”تو کیا فریدی صاحب بچ مجھ یورپ کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔“

”پتہ نہیں.....!“

”تم نے فریدی صاحب کو اس سے مطلع کیا یا نہیں۔“

”ضروری نہیں سمجھتا۔“

”ارے یہ سمجھتے کہاں سے آمرا۔“ رشیدہ نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”تم غلط سمجھیں..... حمل آصف کا نہیں تھا۔ وہ تو صرف لیڈی فرامرز جی کا دوست ہے۔“

”ایک لیڈا تھا۔ وہ شاید انور کے قلیٹ میں گیا تھا اور اسے مقفل دیکھ کر جا رہا تھا کہ اس کی نظر ان
اُلوں پر پڑ گئی۔“

”میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ موڑ سائکل کے چور کو پکڑ سکوں۔“

”مجھے قیامت تک یعنی نہ آئے گا کہ وہ جرائی گئی ہے۔“

”اچھی بات ہے تو پھر قیامت ہی کے دن اس کے متعلق مزید گفتگو کروں گا۔“

”کہاں وقت تک تم اپنی رائے بدل دو۔“

”تو ہوڑی دیر خاموشی رہی پھر آصف مسکرا کر بولا۔“ تم یہ نہ سمجھنا کہ تم نے مجھے بھائی
چاہئے پی ہے۔ میں پہلے ارادہ کر چکا تھا۔ تمہیں دھمکانے میں مجھے لطف آتا ہے۔“

”روز صحیح آکر دھمکا جایا کرو پیارے۔“ انور نے بڑی لجاجت سے کہا اور رشیدہ
پڑی۔ آصف بھی کھسپانی نہیں رہا تھا۔

”اس کے بعد اس نے ادھر ادھر کی باشیں چھیندیں۔ رشیدہ کو سخت جیرت تھی کہ کیکا؟“
”وہ سیدھا کیوں ہو گیا۔ کیا یہ سب لیڈی فرامرز جی کے نام کی وجہ سے ہوا تھا۔“

آصف نے بل کے دام چکائے اور عدیم الفرصتی کا روشن روشنہ ہوا اٹھ گیا۔

انور، رشیدہ اس کے جانے کے بعد بھی بیٹھے رہے۔

”کیا تم نہیں سمجھیں کہ لیڈی فرامرز جی کے حوالے پر اس کی روح فنا ہو گئی تھی۔“

”لیکن کیوں.....!“

”لیڈی فرامرز جی کو جانتی ہو۔“

”نہیں.....!“

”ایک مال دار یوہ ہے۔ آصف نے پچھلے ماہ اپنی نگرانی میں اس کا حمل ساتھ کرایا تھا۔“

”ارے..... یہ آصف.....!“

”تم غلط سمجھیں..... حمل آصف کا نہیں تھا۔ وہ تو صرف لیڈی فرامرز جی کا دوست ہے۔“

”خدا غارت کرے۔“

”یہ کیا مصیبت آگئی۔“ انور بڑا بیا۔

”اخاہ..... آپ لوگ یہاں ہیں۔“ قاسم نے دروازہ ہی سے باک لگائی اور
لوگ چونک کرائے گھومنے لے۔

چمڈیر خاموشی رہتی پھر انور نے کہا۔ ”میں آج رام گڑھ کے لئے روانہ ہو جاؤں گا۔“
”کیوں..... رام گڑھ کیوں؟“

جب وہ کری کھیچ کر بیٹھ چکا تو انور نے آہستہ سے کہا۔ ”یار تم کچھ دنوں کے لئے
پخترا مگر گھر میں شیران ہوٹل کے پتے پر ایک تار روانہ کیا تھا۔“
”کیوں کیسے معلوم ہوا۔“

”بیں معلوم ہو گیا۔ تار گھر میں میرے کئی دوست ہیں۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ فریدی
ب نے کوئی تار چھکھتوں کے لئے روایا ہے۔ اس تار کے فارم کو میں نے بھی جا کر دیکھا۔
لارکیاں نے تارن مل بلڈنگ سے روانہ کیا تھا اور جب تھارن مل بلڈنگ کے اسی فلیٹ
لورین کی لاش ملی جو تار کے پتے میں موجود تھا تو میں اس تیجے پر پہنچا کہ ”کرچیانا“ لورین
ہو کری ہی۔ تار کی مسٹر براؤن کے نام پر بھیجا گیا تھا۔ مضمون یہ تھا..... میں وہاں پہنچنے کی
لیکن کچھ بھجنہیں سکتی..... کسی ایک پرست ملکینک کو بھیجو۔“

”قاسم صاحب! بہت اچھے آدمی ہیں۔“ رشیدہ نے جلدی سے کہا۔ ”اگر تم کہو تو وہاں
سے نکلا جی چھوڑ دیں گے۔“
”پھر تم نے اخبارات میں صدائی کے پوشیدہ تہہ خانے اور الماری کے متعلق بھی پڑھا
اور وہ سونے کی ایسٹ..... خبر میں یہ بھی تھا کہ الماری کا میکنزیم بڑا پیچیدہ خیال کیا
”تو کیا پھر میں چلا جاؤں۔“ قاسم نے بڑی مغموم آواز میں پوچھا اور رشیدہ کی ملڑا
لئے کسی ایک پرست ملکینک کو طلب کیا ہو۔“

”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ سب کچھ ہو جانے کے بعد بھی براؤن اسی ہوٹل میں مقیم ہو گا۔“
لورین کہا۔

”یہ مسئلہ غور طلب ہے۔“
”خیر..... میں بھی چلوں گی..... اس طرح میں اس حیرت انگیز عجوبے کو بھی دیکھ سکوں گی۔“
”مک حیرت انگیز عجوبے کو۔“
”اوہو..... یہ خبر تو ریڈ یو پر بھی آئی ہی۔“

”یہ کیا مصیبت آگئی۔“ انور بڑا بیا۔
”اخاہ..... آپ لوگ یہاں ہیں۔“ قاسم نے دروازہ ہی سے باک لگائی اور
لوگ چونک کرائے گھومنے لے۔

”ابھی تک پولیس کو اس گرانٹ میں آدمی کی تلاش ہے۔“
”تو میرے چہرے پر ڈاڑھی کہاں ہے۔“
”ڈاڑھی صاف بھی تو کی جاسکتی ہے۔“
”میں کچھ نہیں جانتا۔..... تم ہی نے مجھے اس مصیبت میں پھنسایا ہے۔“
”ورا آہستہ.....!“ انور اس کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

”قاسم صاحب! بہت اچھے آدمی ہیں۔“ رشیدہ نے جلدی سے کہا۔ ”اگر تم کہو تو وہاں
سے نکلا جی چھوڑ دیں گے۔“
”جید کو معلوم ہو گیا ہے۔“ قاسم آگے جھک کر آہستہ سے بولا۔
”فکر نہ کرو..... وہ خاموش ہی رہے گا۔ اب تم جاؤ۔“
قاسم بادل نا خواستہ اٹھا اور لڑکھڑا تاہوار ستوران سے نکل گیا۔
انور اسے جاتے دیکھتا رہا۔ پھر رشیدہ کی طرف مژکر بولا۔ ”واقعی میں بہت بڑا
ہوں۔ مفت کی بلا گلے لگائی۔ لیکن وہ محض تمہاری وجہ سے آتا ہے۔“

”کون سی خبر.....؟“

مال بات حمید کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

”رام گڑھ عی کے متعلق تھی۔ وہاں ایک حیرت انگیز آدمی دیکھا گیا ہے جس کی ریاست ہڈی پر کمر سے گردن تک گھوڑے کی ایال کے سے بال ہیں۔ اور وہ گھوڑوں عی کی طرح گھاس پر ای لئے خود بجاد کی تلاش میں جارہا ہوا رہا سے براؤن کے لئے رام گڑھ بھیجن دیا ہو۔ مگر ہے اور خود کو سلیمان پیغمبر کا گھوڑا کہتا ہے اتنا تیر دوڑتا ہے کہ ابھی تک اسے کوئی پکر نہیں ملکا۔“ بیل تو پہ تھا کہ کیا سجاد عی قتل کی سازش کا محکم ہو سکتا ہے؟ امکانات موجود تھے مگر پیش آئے ”بنڈل.....!“ اور منہ بنا کر بولا۔ ”سرے سے بکواس..... ایک اخبار سے فلک بنے واقعات کی بناء پر ایک بہت ہی اہم لکھتے اس کی تردید کر دیتا تھا۔ اگر ان حداثات میں سجاد ہونے کے باوجود ابھی تک ان لغویات پر یقین رکھتی ہو۔ کیا ہم خالی بجھپوں کو اسی عالم جنم کا کاہتھ تھا تو لورین کا وجود اس سارے سث اپ میں بھرتی کی چیز سے زیادہ وقت نہیں رکھتا انگریز خبروں سے نہیں بھرتے..... چار پیروں والا چوزہ..... ہاتھی نے اٹھے دیے..... لاٹھ نا۔ نضول اور بے مصرف..... ظاہر ہے کہ سجاد صدماں کے ترکے کیلئے لورین کیوں آ لے کار بنا لی گئی بولنے والا گدھا..... وغیرہ وغیرہ۔“

ایسی تھی اسی لئے انہوں نے لورین کو بھی ختم کر دیا۔ لورین صدماں کی بیوی تھی اور قافو ناصدماں فرورت تھی اسی لئے انہوں نے لورین کو بھی ختم کر دیا۔ لورین صدماں کی بیوی تھی اور قافو ناصدماں کے ترکے کے سچھ حصے کی مالک بھی ہو سکتی تھی۔ بہر حال ان حالات کی بناء پر سجاد کو مشتبہ سمجھنا صحیح الداعی کی دلیل نہیں تھی۔ حمید کی دانست میں صدماں کا قتل صرف سونے کی ایشوں کیلئے ہوا تھا۔

سورج پہاڑیوں کے پیچے چھپ گیا اور افق میں شوخ رنگوں کے لہریے نظر آنے لگے۔

خوفناک چہرہ

حمدیں بالکلی میں کھڑا دور کی پہاڑیوں میں غروب ہوتے ہوئے سورج کا منظر دیکھ رہا تھا۔ حمید بار بارے پر کہدیاں لیکے خیالات میں غرق رہا۔ صبح سے اب تک اسے ہٹل میں کوئی ایسی بات نہیں نظر آئی تھی جو اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتی۔ البتہ وہ دن بھر اس عجیب الحلقہ آج صبح وہ رام گڑھ پہنچا تھا اور شیزان ہٹل ہی میں مقیم تھا۔ اسے خوش تھی کہ فریدی سے ”“آدمی کے تذکرے سنتا رہا تھا جو ارجمن گھائی میں اکثر دکھائی دیتا ہے۔ جس کی پشت پر گھوڑے کرتفریخ کا ایک موقع ہاتھ آیا۔ فریدی نے اسے تھاںیں اس ہم پر روانہ کیا تھا۔ حالانکہ حمید اس تفعیل اوقات عی سمجھتا تھا لیکن اس نے فریدی کی مخالفت نہیں کی۔ ورنہ وہ اس بات پر اڑاکنا فرمائی زبان بولتا ہے۔

حمدیں کچھ دن پہلے بھی اخبارات میں اس کے متعلق پڑھا تھا لیکن اسے غپ سے زیادہ وقت نہ دی تھی اور اب بھی اسے غپ ہی سمجھ رہا تھا۔ حالانکہ اس نے کئی آدمیوں کو ”چشم دیئے“ والیات دہراتے سن تھا۔ لیکن وہ ایسے آدمیوں کی نفیات سے بھی بخوبی وافق تھا۔ ایسے لوگ جس بانی داستان گوئی کے فن میں ناکامی کی صورت دیکھ لیتے ہیں تو انہیں اس پر ”چشم دیئے“ کا پہل چپکاتے دری نہیں لگتی۔

یورپ والی بات اب تک اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ سجاد کی تلاش..... اور وہ بھی کہ شہر یا ملک میں نہیں بلکہ ایک برا عظم میں۔ بڑا احتکانہ خیال تھا اور پھر آخ سجاد کی ضرورت تھا کہ تھی۔ اسے تو صرف اس پر اسرار انگریز براؤن کی تلاش ہونی چاہئے تھی جو سازش کا سرخ نہ تھا۔ اگر بغرض حال فریدی سجاد تک پہنچ بھی جاتا تو وہ اسے مجرم کس طرح ثابت کرے گا جب تک کہ براؤن نہ ہاتھ آ جائے اور پھر یہ بھی ضروری ہی نہیں تھا کہ براؤن سجاد ہی کا آدمی رہا۔“

”صرف ایک چلوں۔“ لڑکی کانہ سے تھیلا اور تھر ماس اتنا تی ہوئی بولی۔ ”کھٹکی
نیکی چلوں۔ پیچنگی، جس پر بڑے بڑے بالوں کی لکیر کر سے گردن تک پھیلی ہوئی ہے۔
اوہ می..... دیو ہے دیو..... ایسے ابھرے ہوئے مسلم میں نے آج تک نہیں دیکھے۔“
”گھاس چرتا ہے۔“ بوزھی نے پوچھا۔

”ہاں میں..... بہت تیزی سے۔ آدمی تو معلوم ہی نہیں ہوتا۔ کتنا تیز دوڑتا ہے اف
ز..... کئی آدمی اس کے پیچے دوڑتے تھے۔ مگر اسے نہ پاسکے۔ وہ پھاڑیوں پر اس طرح دوڑتا
ہے.....“

”بیچے پاٹ میدان میں دوڑ رہا ہو۔“

”کیا وہ پاسپ بھی پیتا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”لڑکیاں نہیں پڑیں۔ لیکن بوزھی حمید کو گھورنے لگی۔ حمید گڑبردا گیا۔“

”دخل دی کی معافی چاہتا ہوں.....“ حمید نے مودبانہ کہا۔ ”بات یہ ہے کہ میں نے
اپنی اسے نہیں دیکھا۔“

”ضرور دیکھنے۔“ وہی لڑکی بولی جو بہت زیادہ بول رہی تھی اور بولتے وقت اس کی
آنکھیں جوش سے پمکنے لگتی تھیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنے پورے وجود سے بے
پرواہ ہوا۔ علاوہ ملٹے ہوئے ہونتوں کے۔

”میں ضرور دیکھوں گا.....“ حمید نے کہا اور وہاں سے بہت سی جانے میں عافیت سمجھی
کیونکہ بوزھی عورت اسے اچھی نظریوں سے نہیں دیکھ رہی تھی۔

حمد کو بے ساختہ اپنا بکرا یا آدھا گیا۔ اگر برخورد ارجمند خان ہوتا تو یہ بوزھیا بھی اس میں
لپکانے پر مجبور ہو جاتی۔

رات کو قص گاہ میں حمید رشیدہ سے مکرا گیا۔ لیکن اسے اپنی آواز پر قابو نہیں تھا اس لئے
”ہمنتائی ہوئی آواز میں شروع سے آخر تک انگریزی میں گفتگو کرتا رہا۔“

اس نے اس سے رقص کے لئے درخواست کی۔ جو بالا جیل و جھٹ منظور کر لی گئی۔ حمید
نه رقص کے فرش پر بلکورے لیتے ہوئے رشیدہ سے پوچھا۔

بہر حال حمید سوچ رہا تھا کہ یہاں وقت اچھا گزرے گا شیزان ہوٹل اعلیٰ قم کے ہوٹل
میں سے تھا اور اوپری سی طبقتی کے لوگ یہاں قیام کرتے تھے۔ اس نے کئی خوبصورت انگلیاں
آتے ہی دیکھ لی تھیں۔ اس نے ایک طویل انگلیاں لی اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ افق میں رنگوں کے
لہریے گھرے ہوتے جا رہے تھے اور ڈھلوانوں میں رنگنے لگے تھے۔

دفعتاً حمید چوک پڑا۔ ہوٹل کی کپاؤٹر میں داخل ہونے والی ایک کار سے انور اور زیر
اتر رہے تھے۔

ان دونوں کی آمد نہ صرف غیر متوقع بلکہ حیرت انگریز بھی تھی۔ حمید تیزی سے بیچے آیا۔
میں اس نے ایک پورٹر کو ان کا سامان اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ اس کے پیچے وہ دونوں تھے۔
دونوں حمید کے قریب سے گزر کر کاؤنٹر کلر کی طرف چلے گئے۔ انہوں نے اسے نہیں پیکا
کیونکہ وہ اپنی اصلی شکل میں تھا ہی نہیں۔ فریدی ہی نے اس کا میک اپ کیا تھا اور اس نے ہر اس
کے رجسٹر میں اپنا نام کیپن پر کاش لکھا تھا۔

حمد ابھی میں پڑ گیا تھا۔ آخر یہ دونوں یہاں کیسے پہنچے۔ انہیں شیزان ہوٹل کے مغل
کیسے معلوم ہوا۔ کیا فریدی نے انور کو براون کے متعلق بتا دیا تھا اگر یہ بات تھی تو اس نے
سے تذکرہ کیوں نہیں کیا۔

انور نے ہوٹل کی رجسٹر میں دیکھنے کے اور پورٹر انہیں ان کا کمرہ دکھانے کیلئے ساتھ لے گیا
اسنے میں دو لڑکیاں ہاں میں داخل ہوئیں۔ انہوں نے اپنے کاموں سے ناشتے۔
تھیلے اور تھر ماس لٹکار کر رہے تھے۔ ان کے چہروں پر تھکن کے آثار تھے۔ حمید نے انہیں صبح
دیکھا تھا۔ وہ شیزان ہی میں مقیم تھیں۔ انہیں دیکھ کر ایک بوزھی عورت ان کی طرف بڑھی۔

”اوہ میں.....!“ ان میں سے ایک بولی۔ ”بالکل حق ہے! ہم نے اسے دیکھا..... لگا
چرتے دیکھا..... وہ بے تکان چھلانگیں مارتا ہوا اوپری اور پیچی چٹانوں پر چڑھتا چلا جاتا ہے۔“
وہ قریب ہی کی میز پر بیٹھ گئیں۔

”کیا وہ کبڑے نہیں پہنتا۔“ بوزھی نے پوچھا۔

”کہیں اطمینان سے بیٹھیں تو بتاؤں۔“ حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ وہ ایک خالی رہائش گئے۔

”بڑی عمدہ ترکیب تھی۔“ حمید نے کہا۔ ”میں ڈرائی جن کی آدھی بوتل میں اتنا ہی عرق زی لامکر بوتل پر عرق بصفی کا لیبل چپکا دیا کرتا تھا اور یوں اعلانیہ میرے کرے میں رکھی تھی اور والد صاحب خوش ہوتے تھے کہ مجھے اپنی صحت کا اتنا خیال ہے۔“

”لوگوں میں بہت سے گلیں..... اور حمید نے قریب کھڑے ہوئے ویٹر سے کہا۔

”ایک بوتل شیری..... اور ایک لارچ و ہلکی..... اسکا بچ لانا۔“

”نہیں..... نہیں.....!“ ایک لڑکی نے پھر مخالفت کی۔

”آپ بڑی دقائی کو معلوم ہوتی ہیں۔“ حمید نے کہا اور وہ لڑکی کچھ نہ بول۔
تو ہر دیر بعد تینوں شغل کرنے ہے تھے۔

حمد کو ایسا معلوم ہوا رہا تھا جیسے وہ ساری دنیا کی حسین لوگوں کا ٹھیکیدار ہو۔

بہت زیادہ بولنے والی لڑکی کی زبان اب قیچی کی طرح چلنے لگی تھی۔ اس کے برخلاف بری لڑکی جس نے شراب کی مخالفت کی تھی بالکل خاموش تھی۔ وہ حلق سے گونٹ اتارتے نہ ایسا منہ بناتی تھی جیسے کوئی مار مار کر اسے پلا رہا ہو۔

”کیا آپ پہلی بار پر رہی ہیں۔“ حمید نے پوچھا۔

”نہیں..... دوسری بار..... مجھے بڑا خوف معلوم ہوتا ہے۔“

”واہ ڈیزیرست.....!“ حمید سر ہلاکر بولا۔ آپ ایکشن تو لڑنے کی رہی ہیں کہ کسی سے ڈریں۔“

حمد کبھی کبھی انور کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا جو بظاہر تو رشیدہ سے لفڑگوں میں مشغول تھا لیکن نیکت میں اس کی نظریں بھی حمید ہی پر تھیں۔

حمد نے سوچا کہ شاید انور کو اس پر شہید ہو گیا ہے اور وہ اس کی حقیقت سے واقف نہیں ہے۔ اگر یہ بات ہے تو اسے کم از کم فریدی نے یہاں نہ بھیجا ہوگا۔ پھر آخراں کی موجودگی کا طلب؟ کیا حقیقتاً اس نے موڑ سائیکل کی چوری کی داستان گزھی تھی۔ لیکن پھر دوسری طرف

”کیا آپ وہ گھوڑا دیکھنے آئی ہیں۔“

”کیا آپ نے دیکھا ہے۔“ رشیدہ نے سوال کیا۔

”جی ہاں مجھے بہت ہی قریب سے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔“

”کیا وہ باتمیں بھی کرتا ہے۔“

”جی ہاں..... بالکل اخبار کے روپوں کی طرح بڑا گک کرتا ہے۔“

اس بات پر رشیدہ بڑی طرح چوکی اور کچھ مضطرب سی بھی نظر آنے لگی۔ پھر اس نے سوال نہیں کیا۔ حمید کی بکواس پر صرف ”ہاں..... ہوں“ کرتی رہی اور پھر راہ ٹھیک ہوتے تو تیرکی طرح اس میز کی طرف گئی جہاں انور بیٹھا تھا۔

پھر حمید نے بکھیوں سے دیکھا کہ انور اسے بڑی طرح گھوڑا رہا تھا۔ وہ شراب کے کاڑ کی طرف گھوم گیا۔ یہاں اسے وہی دونوں لوگوں نظر آئیں جو شام کو حضرت میلان گھوڑے کی ”زیارت“ کر کے آئی تھیں۔

ان میں سے ایک دوسری کو کہہ رہی تھی۔ ”اگر آئٹی آگئی تو۔“

”نہیں وہ نہیں آئیں گی۔“ دوسری نے کہا۔ ”میں انہیں دوادے کر آئی ہوں۔ دو اپی دہ سو جاتی ہیں۔ بل ڈارلنگ تھوڑی سی..... اتنی کہ سرور آجائے۔“

”نہیں..... نہیں.....!“

”بڑی ڈرپوک ہوتم.....!“ دوسری بولی۔ ”شیری میں تو بالکل نہ نہیں ہوتا..... بل۔ سارور۔“

”شیری بڑی عمدہ چیز ہے۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔

”دونوں چوپنک کرمڑیں اور پھر جنپنی ہوئی نہیں ہنئے لگیں۔“

”میں تو طالب علمی کے زمانے میں اپنے باپ کے سامنے بیٹا تھا..... اور انہیں آج کم نہ معلوم ہو سکا۔“

”کیسے.....!“ اس نے پوچھا جس نے شراب پینے کی تجویز پیش کی تھی۔

باقا۔ راؤٹ کے اختتام پر اس نے انور اور رشیدہ کو تھیں گاہ سے جاتے دیکھا۔ اس راؤٹ کے اندراز میں بھروسہ نہیں بول سکتا پھر آخر یہ سب کیا تھا۔ اس نئی الجھن نے تفریخ کا سارا مڑہ کر کر دیا اور اپنی حقیقت اس کے ذہن میں کچو کے لگانے لگی کہ وہ یہاں محض تفریخ کے لئے نہیں آیا ہے۔ دوسرے راؤٹ کے لئے موسيقی شروع ہو گئی تھی اور لوگ آہستہ اٹھ کر فرش کی طرز جا رہے تھے۔ حمید نے سب سے زیادہ بولنے والی لڑکی سے رقص کی درخواست کی جو منظور کرنا گئی۔ دوسرے لمحے میں حمید نے انور کو اٹھ کر اپنے ساتھ کی دوسری لڑکی کی طرف آتے دیکھا۔ حمید کی ہم رقص نے اس کے کان کھانے شروع کر دیئے۔ وہ بڑی رومان انگیز گفتگو کر رہی تھی شیری کے ایک گلاں نے اسے بہت زیادہ باطنی بنا دیا تھا۔

”تمہارا نام کیا ہے؟“ حمید نے پوچھا۔
”کورنیلیا.....!“

”میں تمہیں خیلی کھوں..... برا تو نہ مانو گی۔“
”ہائے..... نیل.....!“ لڑکی نے سکی سی لی۔ ”نہیں کبھی نہیں۔“

”اور ان کا کیا نام ہے.....“ حمید نے دوسری لڑکی کی طرف اشارہ کیا جو انور کے ساتھ ملا..... اور تم سائبان.....!
”نہیں میں چار دیواری ہوں۔“ حمید نے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا اور وہ آنکھیں بند کر ہٹنے لگی۔

”حمد کو الجھن ہونے لگی۔ نئے میں بہکی ہوئی عورتیں اسے بولتی تھیں۔“
”اب تم اسے قتل بھی کرو تو اسے کوئی اعتراض نہیں.....!“ کورنیلیا اپنا منہ دبا کر ہنسی۔
”حمد اس سے کسی نہ کسی طرح پیچھا چھڑا کر اپنے کمرے میں واپس آگیا۔ اس نے اس قتل اور اور رشیدہ کو تلاش کرنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن وہ نہیں ملے تھے۔

”حمد نے لباس تبدیل کیا اور پلٹک پر گر گیا۔ اس نے دو بڑے پیگ و سکی کے پئے تھے اس سو نیا نے نشیل آنکھوں سے دیکھا اور مسکرا دی۔ شاید شیری کے ایک ہی گلاں نے الیں کا ذہن نیند سے بچھل ہوا جا رہا تھا..... حالانکہ وہ ابھی سونا نہیں چاہتا تھا..... انور کے نتھیں۔ لیکن اسے پلٹک سے اٹھ کر روشنی بجھانے کی بھی مہلت نہ ملی..... اور وہ گہری نیند سو گیا۔ حمید انور کے چہرے پر بوكھا ہٹ کے آثار دیکھتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ وہ دل ہی دل میں

اے قاسم کا خیال آیا۔ قاسم میں سازش کی صلاحیت نہیں اور وہ اتنے فنکارانہ انداز میں مجھ سے نہیں بول سکتا پھر آخر یہ سب کیا تھا۔ اس نئی الجھن نے تفریخ کا سارا مڑہ کر کر دیا اور اپنی حقیقت اس کے ذہن میں کچو کے لگانے لگی کہ وہ یہاں محض تفریخ کے لئے نہیں آیا ہے۔ دوسرے راؤٹ کے لئے موسيقی شروع ہو گئی تھی اور لوگ آہستہ اٹھ کر فرش کی طرز جا رہے تھے۔ حمید نے سب سے زیادہ بولنے والی لڑکی سے رقص کی درخواست کی جو منظور کرنا گئی۔ دوسرے لمحے میں حمید نے انور کو اٹھ کر اپنے ساتھ کی دوسری لڑکی کی طرف آتے دیکھا۔ حمید کی ہم رقص نے اس کے کان کھانے شروع کر دیئے۔ وہ بڑی رومان انگیز گفتگو کر رہی تھی شیری کے ایک گلاں نے اسے بہت زیادہ باطنی بنا دیا تھا۔

”تمہارا نام کیا ہے؟“ حمید نے پوچھا۔
”کورنیلیا.....!“

”میں تمہیں خیلی کھوں..... برا تو نہ مانو گی۔“
”ہائے..... نیل.....!“ لڑکی نے سکی سی لی۔ ”نہیں کبھی نہیں۔“

”اور ان کا کیا نام ہے.....“ حمید نے دوسری لڑکی کی طرف اشارہ کیا جو انور کے ساتھ ملا..... اور تم سائبان.....!
”نہیں میں چار دیواری ہوں۔“ حمید نے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا اور وہ آنکھیں بند کر ہٹنے لگی۔

”سو نیا..... وہ میری گزن ہے۔“
”تم بہت اچھی ہو..... تمبر کی راتوں کی طرح خوشنگوار۔“

”تم دببر کی دوپہر کی طرح.....!“ گھروہ نہس پڑی۔
”حمد کو شرارت سوجھی۔ انور کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے اس کی ہم رقص کو

خاطب کیا۔ ”سو نیا..... ذرا ہوشیاری سے..... تم زیادہ باتیں نہیں کرو گی۔“
”سو نیا نے نشیل آنکھوں سے دیکھا اور مسکرا دی۔ شاید شیری کے ایک ہی گلاں نے الیں کا ذہن نیند سے بچھل ہوا جا رہا تھا..... حالانکہ وہ ابھی سونا نہیں چاہتا تھا..... انور کے نتھیں۔ لیکن اسے پلٹک سے اٹھ کر روشنی بجھانے کی بھی مہلت نہ ملی..... اور وہ گہری نیند سو گیا۔ حمید انور کے چہرے پر بوكھا ہٹ کے آثار دیکھتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ وہ دل ہی دل میں

اپنے کان کے قریب اچانک کسی دھماکے سے آنکھ کھل جائے۔
 ”شاپشیں.....!“ کوئی جلتی ہوئی چیز اُس کے الجھے ہوئے بالوں سے گزرتی ہوئی کچھ پلی
 ہے تکرانی۔ اور حمید نے پلاسٹر ادھڑنے کی آواز صاف سنی اور پھر اسے اچھی طرح ہوش
 ہو کھڑے ہی کھڑے دھڑام سے فرش کی طرف گرا۔ اُس کا دل شدت سے ہڑک رہا
 رگوں ایک اچھے اور نیچے کی طرف جھکی ہوتی تو اس کی کھوبڑی کے پرخے اڑ گئے تھے۔
 ال کے جسم کے سمات نے بیک وقت بہت سا ٹھنڈا پسینہ گلی دیا اور شاید ایک منٹ
 ن گاڑھن بالکل ہی مفلوج رہا۔

پھر حمید نے کھڑکی کے سامنے کھڑے ہونے کی ہست نہیں کی۔ وہ رینگتا ہوا اُس میز کے
 پہنچا جس پر فون رکھا ہوا تھا۔ اس نے رسیور اٹھا کر بزر پر انگلی رکھ دی اور اسے متواتر
 لے چلا گیا۔ شاید دو منٹ تک یہی کرتا رہا۔ پھر اسے راہداری میں قدموں کی آہٹ سنائی
 ہی نے دروازے پر دستک دی۔ حمید نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ یہ ڈیلوٹی ٹکر کھا اور
 نے پلٹ کر تاریچ اٹھائی۔ پھر اس نے دیکھا پاپ کے سہارے ایک طویل القامت آدمی بڑی
 تیزی سے نیچے کی طرف پھسل رہا تھا۔ اس نے پھر شاید دس گیارہ فٹ کی بلندی ہی سے زمین

پر چلا گئی اور تیزی سے بھاگتے ہوئے اندر ہرے میں غائب ہو گیا۔ اس کی تنگی پہنچے
 قبل اس کے کروہ کچھ کہتا حمید نے جلدی جلدی پورا واقعہ دہراتے ہوئے اپنے جملے
 ہبال اور دیوار کا ادھڑا ہوا پلاسٹر دکھایا۔

”حیرت..... سخت حیرت.....!“ ٹکر پاگلوں کی طرح بڑا یا۔ پھر سنبھل کر کہنے لگا۔
 نے کپتان صاحب میرا خیال ہے کہ ہم خاموشی سے اس کی چھان میں کریں ورنہ دوسرے
 دل پر برداشت پڑے گا۔ میں ابھی خانگی سراغ رسال کو لاتا ہوں۔“

”کچھ بھی کرو.....!“ حمید عصیلی آواز میں بولا۔ ”لیکن مجھے اسی وقت ایسا کمرہ
 جس کی کھڑکیاں باہر کی طرف نہ کھلتی ہوں۔“

”ٹھہریے..... مجھے سوچنے دیجئے..... ہاں بے شک میں آپ کو ایسا کمرہ اسی وقت
 کھلانا ہوں۔“

اور پھر رات گئے شاید وہ کسی قسم کی آواز ہی تھی جس نے اسے جگا دیا۔ بستر پر لیے عالیہ
 اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں..... اور پھر بڑھتی ہوئی تنگی نے اسے کبل تان لیے
 مجبور کر دیا۔ آواز پھر آئی اور اس نے منہ کھول دیا۔ کھٹ..... کھٹ..... کھٹ..... پڑر.....
 کوئی دوسری طرف شائد کھڑکی پر زور لگا رہا تھا۔ مگر کھڑکی.....؟ حمید ایک جھٹکے کے ساتھ انہیں
 بیٹھا..... وہ کھڑکی تو ہوٹل کی عمارت کی پشت پر کھلتا تھا۔ اور یہ کمرہ تیری منزل پر تھا..... نیچے ہم
 بالکل ساٹ دیوار چل گئی تھی۔ حمید پلٹگ سے اتر ہی رہا تھا کہ دونوں پٹ زور دار کھٹکا کے ساتھ کھل گئے اور حمید کو کھڑکی میں ایک بڑا خوفناک چہرہ دکھائی دیا۔ اس کا دہانہ نصف رخساروں
 سکت پھٹا ہوا تھا..... ناک لمبی لیکن پھولی ہوئی تھی۔ آنکھیں کافی بڑی اور وحشت ناک تھیں۔

”ثرے ہے سوئی ہارس دے سا لومن لے“ پہنچے ہوئے ہم توں سے غرائی ہوئی ہی آواز انگلی۔
 حمید کا ہاتھ بے اختیار ہٹکے کے نیچے گیا جہاں رویالور رکھا ہوا تھا۔ لیکن دوسرے عی لمحے
 میں وہ چہرہ غائب ہو چکا تھا۔ حمید تیزی سے کھڑکی کی طرف جھپٹا لیکن باہر اندر ہر اتھا۔ اس
 نے پلٹ کر تاریچ اٹھائی۔ پھر اس نے دیکھا پاپ کے سہارے ایک طویل القامت آدمی بڑی
 تیزی سے نیچے کی طرف پھسل رہا تھا۔ اس نے پھر شاید دس گیارہ فٹ کی بلندی ہی سے زمین

کی ایال کے سے بال تھے۔

خونی چھان

وہ حمید کی تاریچ کی روشنی کی پہنچ سے دور ہو چکا تھا۔ حمید کے جسم پر لرزہ طاری تھا۔ بات
 یہ تھی کہ ابھی تک اس کا ذہن نیند کے اثر سے پچھا نہیں چھڑا سکا تھا اور اس کی کیفیت کچھ اُسی نام
 کا ہے۔

پھر تھوڑی دیر بعد خاگی سراغِ رسان کی موجودگی میں اس کا سامان دوسرا کرسے منتقل کر دیا گیا۔ حمید نے بقیہ رات جاگ کر ہنگزار دی اور ہوٹل کے ذمہ دار لوگ تینچڑی مشغول ہو گئے۔ انہوں نے حمید سے استدعا کی تھی کہ وہ اس کا تذکرہ مسافروں سے نکر دیے وہ پولیس کو اطلاع دے سکتا ہے۔ دوسرا صبح حمید نے فیصلہ کیا کہ وہ فریدی کی ہالہ کے سلسلے میں لکیر کا فقیر نہ بنا رہے گا۔ ورنہ ممکن ہے کہ اسے اپنی زندگی ہنی سے باہم پڑیں۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ میجر نصرت سے مل کر اس سے اس مسئلے پر گھنگوکی جان لیں۔ اسکے تقریباً تیس یا چالیس آدمیوں کی گشادگی کی روپورٹ درج ہو چکی ہے۔

میجر نصرت محقق سراغِ رسانی کا پرمندشت تھا اور حال ہی میں شکم گڑھ سے تبدیل ہو کر پا آیا تھا۔ فریدی کے گھرے دوستوں میں سے تھا اور حمید کا بڑا خیال کرتا تھا۔

میجر نصرت حمید کو کیپن پر کاش کے بھیس میں پہچان نہیں سکا۔ اور پھر جب حمید بتایا تو اسے حیرت بھی نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ فریدی میک اپ کا ماہر ہے اور رسانی کے اس پرانے طریقے پر صرف وہی اب تک کاربند ہے لیکن اس میں بھی اس نے دقتی..... میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ ویسے میرا خیال ہے کہ اب تم اس ہوٹل کی جدتیں کی پیں۔

اور پھر جب حمید نے سارے واقعات دہراتے ہوئے اپنی ملاقات کا مقصد بیان کیا۔ ”میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔“ حمید نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ مسٹر براؤن کا کچھ نہ میجر نصرت کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”وہ آدمی.....!“ اس نے کہا۔ ”ہاں میں نے بھی اسے ارجمنگھائی میں دیکھا ہے۔“ ”اور وہ تمہیں اس بھیس میں بھی پہچانتا ہے۔“ ”لیکن..... یہ خبر بڑی حیرت انگیز ہے کہ وہ اب آبادی میں داخل ہونے لگا ہے۔ لیکن تمہاری کمرے میں کیوں؟“

”آپ کو مسٹر براؤن والی بات تو یاد ہو گی۔“

”ہاں..... اور میں نے اس کے متعلق اطلاع بھی دی تھی۔ بعد کو فریدی نے تارے میں پوچھا تھا لیکن وہ بھی واپس کر دیا گیا تھا۔“

”سینھ صدماںی اور اس کی سکریٹری کے قتل میں اسی مسٹر براؤن کا ہاتھ ہے۔“ حمید اور اس کے واقعات بھی فریدی کے دلائل سمتی دہراتے۔

”بیس راستوں ہی کا معاملہ ٹیڑھا ہے۔“ میجر نصرت نے کہا۔ ”ورنہ یہ گھٹائی اب تک ہاندروہتی۔“

انہیں جلد ہی دوسرا راست مل گیا۔ لیکن یہ بھی اتنا دشوار گزار تھا کہ وہ آدمی مسافت تقریباً سچنے میں ملے کر پائے۔

”وہ دیکھو..... وہ رہا۔“ دفعٹا میجر نصرت نے کہا۔ حمید کی نظر سامنے اٹھ گئی۔ فاصلہ کافی رہ گئی اسے سامنے کی چنانوں میں ایک آدمی نظر آیا جو اچھلا کوتا ہوا نیچے کی طرف آ رہا تھا۔ ”یعنی یہ اس کا معمول ہے۔“ حمید بڑا یا۔

”قطی..... وہ روزانہ اسی وقت گھاس چرنے آتا ہے۔“ میجر نصرت نے ہس کر کہا۔ پھر لگی سے بولا۔ ”اگر اس کے جسم پر پتلون نہ ہوتی تو میں یہ سمجھتا کہ وہ شاید کسی قدیم ترین ہاؤ آدمی ہے جو کسی غاز میں پڑتا رہتا ہو گا لیکن اب حالات کی بناء پر میں یہ بھی باور کر لیئے یار ہوں کہ وہ کسی شاطر ترین آدمی کا آکر کار ہے۔ آخر ان آدمیوں کے غائب ہو جانے کیا مطلب لیا جائے۔“

حمدیکچھ نہ بولا۔ وہ بڑی توجہ اور دیکھی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ بڑی بڑی چنانوں کی اپنی سلسلہ سپاہی ایک ایک کر کے دور تک پھیل گئے اور پھر انہوں نے نیچے اتنا شروع کر دیا۔ میجر نصرت نے تمثایوں سے کہا۔ ”آپ لوگ براہ کرم چیچپے ہست جائیے اور کوئی صاحب نیچے جانے کی کوشش نہ کریں ورنہ اگر کسی کی جان گئی تو پولیس ذمہ دار نہ ہوگی۔“

لوگوں نے حیرت سے اس کی بات سنی۔ کچھ لوگ وجہ بھی پوچھنے لگے لیکن میجر نصرت نے کوئی جواب نہ دیا۔ اب اس نے حمید سے کہا۔

”آؤ..... اب ہم نیچے چلیں..... تمہارے پاس روایا ورتو ہو گا ہی..... ہمیں دراصل یہ کہ دیکھنا ہے کہ وہ رہتا کہاں ہے؟“

دونوں ایک دراڑ پیں اتر گئے۔ لیکن تیس یا چالیس فٹ سے زیادہ دور نہیں جائے کیونکہ آگے چل کر راستہ خط مستقیم کی طرح سیدھا ہو گیا تھا۔ وہ پھر اوپر آگئے اور اب انہیں درسرے راستے کی تلاش ہوئی۔

راہ میں انہیں اور لوگ بھی ملے جو اس حیرت انگریز آدمی کی تلاش میں لڑکے تھے۔ نصرت نے حمید کو بتایا کہ وہاں کافی بھیڑ ہو جاتی ہے۔ لیکن بہت کم آدمی گھٹائی میں اترنے کا بہت کرتے ہیں۔ ایک تو وہ ہے کافی تشبیہ میں اور پھر راستہ بھی دشوار گزار ہے۔ دراصل کم وہ بہت بڑی جھیل رہی تو ہو گئی لیکن کسی وجہ سے اس کا پانی خشک ہو جانے کی بیان پر اب والہ سبزہ زار نظر آتا تھا..... اور ارجمند گھٹائی کو بس پچکے پچکے بونے ہی سے تشبیہ دی جا سکتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوگ وہاں پہنچ گئے جہاں وہ کھڑے تھے۔ وہاں سے گھٹائی کی گمراہ تین سو فٹ سے کسی طرح کم نہ رہی ہو گی۔ نیچے کی زمین قریب برابر تھی اور اس پر ہمہاں نظر آ رہا تھا۔ چاروں طرف اوپری اونچی چنانیں تھیں اور چنانوں کے درمیان میں وادی شاید ایک میل کے رقبے میں پھیلی ہوئی تھی۔

”دیکھو.....!“ میجر نصرت نے اپنے آدمیوں کو مخاطب کیا۔ ”تم سب چنانوں کی اور لے کر نکلنے کی کوشش کرو۔ خیال رہے کہ اس کی نظر تم پر نہ پڑنے پائے۔ پہلے اسے گھر کر زندگی کی کوشش کرنا۔ جب ہاتھ سے نکلنے لگے تو پھر فائز کرنا۔“

سلسلہ سپاہی ایک ایک کر کے دور تک پھیل گئے اور پھر انہوں نے نیچے اتنا شروع کر دیا۔ میجر نصرت نے تمثایوں سے کہا۔ ”آپ لوگ براہ کرم چیچپے ہست جائیے اور کوئی صاحب نیچے جانے کی کوشش نہ کریں ورنہ اگر کسی کی جان گئی تو پولیس ذمہ دار نہ ہوگی۔“

کچھ بھی اور کچھ گھوڑوں کی طرح منہ اٹھاتے ہوئے ہنہنے لگتا تھا۔

”یہ بھی عجیب بات ہے۔“ میجر نصرت نے کہا۔ ”آدمی انگریزی آدمی فرائیسی بولتا ہے۔“

”حالانکہ اس کو دونوں زبانوں کا عالم ہونا چاہئے۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ میجر نصرت نے اسے حیرت سے دیکھا اور پھر بنتے گا۔

”یہ تو میں بھول ہی گیا تھا کہ تم سار جنٹ حمید ہو..... منز.....“ اس نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ فریدی کا تو ناطقہ بند رہتا ہو گا۔ لیکن مجھے امید ہے کہ تم میری سفید

موچھوں کا خیال رکھو گے۔“

حید نے ایک سعادت مند برخوردار کی طرح مسکرا کر سر جھکایا۔

”تو ناممکن ہے۔“ میجر نصرت ہانپتا ہوا بولا۔ ”کاسے ایک بھی گولی نہ لگی ہو۔“
چہارس نے ساپیلوں سے کہا۔ ”مجھاتے چلو۔ آج ہم اُسے تلاش کر کے ہی وہ ملیں گے۔“
گیا۔ حید کی نظر بھی اٹھ گئی۔ نیچے وادی میں کھڑا وہ ہاتھ ہلا کر چیخ رہا تھا۔ غالباً وادی
چنانوں کے سلسلے تک پہنچتے پہنچتے وہ گدھوں کی طرح ہائیٹے لگا اور حید نے جب ان
کھڑے ہوئے آدمیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا تھا۔ اور پھر شاید ان دونوں کو نیچے آتا
ہیں تو فریب سے دیکھا تو اُس کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ سوچنے لگا کہ وہ اُبھیں چنانوں پر
کر اُس نے طلق سے ایک عجیب سی آواز نکالی اور دوبارہ گھاس پر منہ مارنے لگا۔
ہیں کی طرح اچھل کو دکر رہا تھا۔ یہ چنانیں تو ایسی تھیں کہ ان پر چلنا بھی دشوار تھا۔

انہوں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ ابھی تک شاید دوسرے ساپاں نیچے نہیں پہنچ کے تھے۔
وہ نیچے ہی شہر کردم لینے لگے۔

حید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر ساپاں اُسے گھیرے میں کیسے لیں گے۔ چاروں طرز
”وہ دیکھتے وہ رہا۔“ اچاکب ایک ساپاں چلایا اور سب کی نظریں اور اٹھ گئیں۔ وہ اپنے
سے گھیرنا تباکل ہی ناممکن تھا۔ کیونکہ راستے دشوار گزار تھے۔ اگر ساپاں کسی نہ کسی طرح
برے دانت نکالے کافی بلندی پر چنانوں سے جھاک رہا تھا۔
گئے تو ان میں اتنا دم نہیں ہو گا کہ وہ دوڑ کر وادی کا پورا چکر لگا سکیں۔ حید صرف سوچتا رہا۔ اُر
نے یہ بات میجر نصرت سے نہیں کی۔ فی الحال تو اس کا مقصد صرف اس انسان نما جیوانِ اُنیں میں چیخ کر کہا اور پھر جلدی سے اپنے سر پہنچے گھیچ لیا کیونکہ ادھر رائلیں سیدھی ہو گئی تھیں۔
قریب سے دیکھنا تھا۔ ۱

”کیا اسے گولیاں نہیں لگیں۔“ میجر نصرت نے جیرت سے کہا۔

حید کچھ نہ بولا۔ وہ تماشا ہیں کو بھی وادی میں اترتے دیکھ رہا تھا۔

”میں آج اس کے ٹھکانے کا پتہ لگا کر ہی دم لوں گا۔“ میجر نصرت نے پھر کہا۔
ساپیلوں نے چنانوں پر چڑھنا شروع کر دیا۔ حید اور میجر نصرت بھی آگے بڑھے۔
”میرے خیال سے آپ بھیں نیچے انتظار کیجئے۔“ حید نے میجر نصرت سے کہا۔
”اوہ..... برخوردار..... اب میں اتنا بڑھا بھی نہیں ہوں۔“ میجر نصرت میں کر بولا۔
ہوا دلتیاں جھاڑنے لگا۔

”فائر کرو۔“ میجر نصرت نے جلدی سے کہا۔

دُس رائلیں اُٹھیں لیکن باڑھ مانے سے پہلے ہی وہ اچھل کر بجا گا۔ باڑھ مانے
گئی۔ وہ لڑکھڑا کر گرا لیکن پھر بھاگنے لگا۔ اس باراں کی رفتار پہلے سے بھی زیادہ تیز تھی۔
دیکھتے ہی دیکھتے وہ چنانوں تک پہنچ گیا۔ حید اور اس کے ساتھیوں نے بھی دوڑنا شروع
کر دیا۔ لیکن ابھی انہوں نے آدھا راستہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ وہ سامنے والی چنانوں کا
لڑا تھا۔ اور پہنچنے کے لئے آخری چنان بڑی ٹیکھی کھیر ثابت ہوئی تھی۔ وہ کافی طویل و

مشتبہ انگریز

حید چونک کرا سے گھوڑنے لگا۔

”هم نیچے سے صاف دیکھ رہے تھے۔“ انگریز پھر بولا۔ ”وہ چنان پر تھا تھا..... اور اس خودی چھلانگ لگائی تھی۔“

دوسرا تماشائیوں نے بھی اس کی تائید کی۔ ان سب نے بھی وہی دیکھا تھا۔ چنان پر کے علاوہ انہیں کوئی دکھائی نہیں دیا تھا۔

”عجیب بات ہے۔“ میحر نصرت مختار بانہ انداز میں اپنی پیشانی رکھتا ہوا بولا۔

حید کی نظریں اب بھی انگریز پر جمی ہوئی تھیں اور اس کا ذہن نہ جانے کیوں براؤن تھے۔ گرتے پڑتے..... حید بھی وہاں نہ ٹھہر سکا۔ حالانکہ اوپر بالکل سنا تھا۔

نیچے پہنچ کر انہیں ہڑیوں اور گوشت کے لوٹڑوں کا ایکستہ ڈھیر نظر آیا جس کے قرب وجہ اس نے تماشائیوں کی بھیڑ میں انور اور رشیدہ کو بھی دیکھا جو اس کو مشتبہ نظر ووں سے دیکھ رہے تھے۔

”آخروہ خودتی فائزگ کیوں کرنے لگا۔“ حید نے میحر نصرت کی آواز سنی جو منہ اور اس خطرناک چنان کو گھوڑ رہا تھا۔

”اسے یقیناً دھکیلا گیا ہے۔“ حید نے کہا۔

”ہرگز نہیں۔“ انگریز بولا۔ ”ہم کے قریب کوئی بھی نہیں تھا۔“

”آخراً پ لوگ نیچے کیوں آئے جب منع کر دیا گیا تھا۔“ حید اٹ پڈا کسی نے کوئی اب نہیں دیا۔

”چھوڑو بھی..... بحث رہنے دو۔“ میحر نصرت نے مختار بانہ انداز میں کہا۔

”اب ہمیں کو کیا کرنا چاہئے۔“

پھر وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک سپاہی کی مڑی تڑی لاش اٹھانے کے مسئلے پر گفتگو کرتے

عیض تھی۔ وہ فٹ کی بلندی پر ایک بڑے سامبان کی طرح چھائی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ کوئی راست بھی نہیں تھا۔ کیونکہ اس سلسلے کی دوسری چٹائیں دیوار کی طرح سیدھی کھڑی ہوئی تھیں اور کہیں سے بھی ان کی اوپنچائی پچاس فٹ سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ حید کے ساتھ والے پر جوش سپاہی نے نیچے کی ایک چھوٹی چٹائی پر کھڑے ہو کر چھلانگ لگائی اور اپر تکی سامبان نما چنان کا کنارہ پکڑ کر جھوول گیا۔ پھر اس نے بندر والی کی طرح اپنی ٹانگیں اور پر اٹھا۔ اور دوسرے لمحے میں چنان پر تھا..... لیکن وہ جیخ..... شاید حید اسے کہی نہ بھلا سکے۔

جیخ کے ساتھ حید نے اس سپاہی کو ہوا میں اڑتے دیکھا اور اب وہ بلندی سے پہنچ کر کنکری کی طرح نیچے وادی میں جا رہا تھا۔ ایک جیخ اور ستائی دی..... اور پھر چھا گیا۔

پوری وادی شور سے گونج رہی تھی اور وہ سب بے تحاشہ نیچے کی طرف بھاگ رہا۔

نیچے پہنچ کر انہیں ہڑیوں اور گوشت کے لوٹڑوں کا ایکستہ ڈھیر نظر آیا جس کے قرب وجہ اس نے تماشائی جیخ رہے تھے۔ میحر نصرت پر بدحواسی طاری تھی اور سپاہی اس طرح کانپ رہے تھے جیسے کچھ دیر بعد ان کا بھی ہیں ہشر ہو گا۔

”یہ ہوا کیسے.....“ میحر نصرت نے حید سے پوچھا۔

”محنت کچھ نہیں معلوم۔“ حید نے چنان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”وہ اور پلا۔“

”کیا اس نے اچھل کر نیچے جاتے دیکھا۔“

”کیا اس نے پھینک دیا۔“ میحر نصرت بولا۔

”نہیں.....!“ تماشائیوں کے مجھے سے ایک بوڑھے مگر توی الجیہ انگریز نے آگے بڑھا۔

”چنان پر اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔“

بند کروں گا تم دونوں کو۔” حمید نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ قاسم ابھی تک کچھ نہیں
ناٹھا۔ وہ بوکھلا گیا۔

”بچک مارتے ہو۔“ انور بولا۔

”کیوں بے! تم کیوں دکھائی دیئے یہاں۔“ حمید نے قاسم سے پوچھا۔

”بے..... کیا مطلب!“ قاسم گپڑ کر بولا۔ ”میں آپ سے واقعہ نہیں ہوں اور آپ مجھ
اس طرح مخاطب کرتے ہیں۔“

”صدمانی کا تعاقب تم نے کیا تھام نے۔“

”ارے..... ارے..... نہیں تو..... آپ کو حساب فہمی ہوئی ہے۔“ قاسم بوکھلا کر اپنی
پڑی سے نکل گیا۔

”حساب فہمی نہیں غلط فہمی۔“ حمید دانت پیس کر بولا اور رشیدہ ہنسنے لگی۔
قاسم بُری طرح گڑبرانے لگا۔

حمید نے انور سے پوچھا۔ ”تم یہاں کیوں آئے ہو۔“

”تم سے مطلب.....!“

”تم براون کے آلہ کار ہو۔ میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں اور ابھی ہینڈ کو اڑ کو فون کرتا
ال۔“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔

”حمد بھائی خدا کے لئے.....“ رشیدہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
”حمد بھائی.....!“ قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

”تم دخل نہ دو.....!“ حمید نے رشیدہ سے کہا۔ ”مجھے تم سے بہت محبت ہے۔“

”کیا.....!“ قاسم کی آنکھیں نکل پڑیں۔

”بیٹھ..... نہیں تو ابھی چھرا مار کر تیزی تو نہ برادر کر دوں گا..... لم ڈھنگ.....!“ حمید
نے قاسم سے کہا۔

”تم محبت کرتے ہو ان سے۔“ قاسم تھوک نگال کر بولا۔

رہے لیکن کوئی اسے ہاتھ لگانے پر بھی رضا مند نہیں نظر آتا تھا۔ کافی دری بعد فیصلہ ہوا کہ لارڈ کی
ایک سیٹ نکالی جائے اور لاش کو اسی پر ڈال کر اوپر لے جایا جائے۔

ان کی واپسی بڑی اندر وہنا تھی۔ راستے بھر کوئی کچھ نہ بولا۔ ان کے ذہن بوجھ سے
ہور ہے تھا اور دل کی وھڑکتیں سروں میں دھمک پیدا کر رہی تھیں۔

شہر پہنچ کر حمید نے اس واقعے کے بارے میں مجرم نصرت سے گفتگو کرنا چاہی لیکن،
بہت زیادہ حواس باختہ ہو رہا تھا۔ اس لئے پھر حمید ٹال علی گیا۔

ہوش آیا تو یہاں اور علی ٹکونڈہ کھلا ہوا دیکھا۔ ہاں میں انور اور رشیدہ کے ساتھ قاسم بھی
موجود تھا۔ حمید کی جھلاتھ بڑھ گئی۔ انور نے مسکرا کر اسے اشارہ کیا اور اپنے ساتھ بیٹھنے کا
دھوت دی۔ حمید بے چوں و چرا میٹھے گیا۔

”آپ بھی تو تھے شایدار جن گھائی میں۔“ انور نے کہا۔

حمید نے اثبات میں سرہلا دیا۔

”کیا آپ کا تعلق پولیس سے ہے۔“

”میرا تعلق تمہارے باپ کے جنائزے سے ہے۔“ حمید ناک کے بل بولا۔

”کیا مطلب.....!“ انور کی بھنوئیں تن گئیں۔

”کیا تم کر انہر پورٹ انور نہیں ہو۔“

”ہوں تو پھر.....!“

”کیا صدمانی والے معاملے میں تمہارا نام نہیں لیا جاتا۔“ حمید نے کہا۔

لیکن اس بارے خیالی میں اپنی آواز پر قابو نہ رکھ سکا۔ انور سے گھورنے لگا پھر منہ بنا کر بیلا
”تو یہ تم ہو۔“

”ہاں میں ہوں..... اور وہ شخص یہاں موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے تم اب تک کہے
رہے ہو۔ میں اب دیکھوں گا تمہیں۔“

”کیا کرو گے؟“

”زرا..... اوھر آؤ۔“ اس نے حمید کو الگ بلایا اور قاسم اندر کھونے لگا۔

حمد اٹھ کر رشیدہ کے قریب چلا گیا۔

”میں نے انور کو منع کیا تھا مگر وہ نہیں مانا۔“ رشیدہ نے کہا۔ ”وہ دراصل سجاد کے جزل

کے لئے کام کر رہا ہے۔“

”گویا فریدی صاحب سے نکرانے کی کوشش کر رہا ہے۔“ حمید غصیل آواز میں بولا۔ ”کیا نہیں معلوم کروہ سجاد کی تلاش میں ہیں۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تم لوگ اسی ہوٹل میں کیوں ٹھہرے۔“ اس پر رشیدہ نے تار والا واقعہ بتاتے ہوئے کہا۔ ”اسی سے انور نے اندازہ لگایا کہ لکا کچھ نہ کچھ تعلق شیزان ہوٹل سے ضرور ہو سکتا ہے۔“

”لیکن انور کی یہ حرکت اسے بڑی مہینگی پڑے گی۔ فریدی صاحب اسے ہرگز نہ پسند بلگے۔“

”میں نے بھی یہی کہا تھا۔۔۔ لیکن اس نے کہا کہ ایسا موقع آیا تو وہ الگ ہو جائے گا۔“ ”لیکن انور نے ہمروں کو ہوشیار کر دیا ہے۔ تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کر سکتی رات مجھ پر بوچکا ہے۔“ حمید نے رات والے واقعات دھرائے۔

”یہ تو خطرناک بات ہے۔“ رشیدہ نے کہا۔

”اسی لئے اب میں میک اپ کی ضرورت ہی نہیں محسوس کرتا۔ ویسے میں اسے برقرار لگا اس لئے کہ ہر ہارڈنس کا یہی حکم تھا۔“

”وہ بھی اسی میز پر آگئے جہاں قاسم بے چینی سے پہلو بدبل رہا تھا۔“

”لیکن وہ چنان والا حادثہ میری سمجھ میں نہ آ سکا۔“ رشیدہ بولی۔

”اس پر گولیاں بھی چلانی گئی تھیں۔“ حمید نے کہا۔

”تم اس وقت وہیں تھے۔۔۔ آخر یہ آدمی ہے کیا بلا۔“

”قاسم کا چچا۔۔۔!“ حمید نے کہا۔

”میں بھی اس سالے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔“ قاسم بولا۔

”چلو اٹھو۔۔۔ بیہاں سے۔“ انور نے رشیدہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

”جاو۔۔۔ لیکن رات حوالات میں ہی گزرے گی۔“ حمید نے آنکھیں نکال کر کہا۔

انور اور رشیدہ اٹھ کر چلے گئے۔ قاسم نے بھی جانا چاہا لیکن حمید نے اسے روک لیا۔

”اب بتاؤ بیٹا تم بیہاں کیوں آئے ہو۔“

”میں گارت ہو گیا۔۔۔ حمید بھائی۔“ قاسم روپہانی آواز میں بولا۔

”دعاشت کا چکر ہے۔“

”یہ سالا انور نہیں چاہتا کہ میں اس سے طلوں۔۔۔ چپ چاپ اسے لے کر بیہاں

آیا۔ میں نے بڑی مشکل سے پتہ لگایا کروہ مجھے بے حد پسند کرتی ہے۔“

”کون رشیدہ۔۔۔!“

قاسم نے جواب میں سر ہلا دیا۔

”ابے کیوں شاست آئی ہے؟“

”تمہیں حمید بھائی۔۔۔ لا قسم وہ بھی مجھ سے موجبت کرتی ہے۔ مگر یہ سالا انور۔“

”تو تم اسے اپنا سالا بناؤ گے۔ ابے وہ تیرے پر نچے اڑا دے گا۔ رشیدہ نے تمہیں اپنیا ہے۔“

”تمہیں۔۔۔ وہ بڑی اچھی لڑکی ہے۔“ قاسم نے کہا۔

”خیریت اسی میں ہے کہ تم واپس جاؤ۔“

”تمہیں جاؤں گا۔۔۔ چاہے جان چلی جائے۔ میں سب سمجھتا ہوں۔“

”کیا سمجھتے ہو۔۔۔؟“

”تم نے کہا تھا کہ تمہیں اس سے موجبت ہے۔“

”اچھا ہے تو پھر۔۔۔!“

”تو پھر۔۔۔!“ قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ ”دیکھ لیتا۔“

حمدی نے رشیدہ کو دیکھا جو تھا اسی کی طرف آری تھی۔

بیوڑ سے روانہ کیا گیا تھا۔ پیغام تھا کہ حمید وہیں مقیم رہے۔ فریدی بہت جلد واپس آئے
پہنچنے لفافے کو توڑ مردڑ کر جیب میں ٹھونس لیا۔ پھر وہ کاؤنٹر کلرک سے بولا۔
”یہ صاحب جو ابھی یہاں تھے، میرا خیال ہے کہ میں انہیں جانتا ہوں..... یہ مسٹر پارکر
خان۔“

”جی نہیں..... مسٹر مورگن.....!“ کلرک نے جواب دیا۔
”ٹھیک ہے۔ پارکر ان کا پہلا نام ہے۔ میں انہیں بچپن میں انکل پارکر کہا کرتا تھا۔
والد کے بڑے گھرے دوستوں میں سے تھے اور اس وقت ان کے سر پر گھوٹکھر میا لے بال
رتے تھے۔ مجھے صدمہ ہے کہ انہوں نے مجھے پہچانا نہیں۔ کس نمبر میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔“
”ازماں میں۔“ کلرک نے جان چھڑانے کے سے انداز میں کہا اور اپنے رجسٹروں کی
لیٹوجہ ہو گیا۔

”کب سے ٹھہرے ہوئے ہیں؟“
”یہ بتانا مشکل ہے۔“ کلرک نے رجسٹر پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ ”آپ انہیں سے
پہچانیں تو بہتر ہے۔“
پھر شاید اچانک اسے یاد آ گیا کہ قیام کرنے والوں کی اوٹ پنائگ گفتگو میں دیپی لینا
کی انجکیاں کثرت تباہ کوئی نہیں۔ بھوری نظر آ رہی تھیں۔
کلرک نے رجسٹر بند کر کے کچھ کہا اور اگریز اسے گھورنے لگا۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑا کی
مالتے ہوئے کہا۔

”کپتان صاحب! بات یہ ہے کہ یہ بات وہی کلرک بتاسکتا ہے جس نے اندر ارج کیا
اہم قدر تی بات ہے کہ مسٹر مورگن سے آپ ضرور ملاقات کریں گے..... وہ آپ کے پرانے
ٹھانہاں میں۔“
”ضرور ضرور..... میں ان سے ضرور ملوں گا۔“ حمید نے نہیں کہا اور وہاں سے ہٹ آیا۔
یہاں قاسم رشیدہ سے کہہ رہا تھا۔ ”اجاڑ راتوں میں..... میرا دم نکل جاتا ہے۔ ہائے
ایک ایو گرام ہے۔“

”اوہ..... ٹھیک..... میں اس کا منتظر ہی تھا۔“
کاؤنٹر کلرک نے ڈرائر سے ایک لفافہ کاں کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ فریدی کا اپرگرا
بلکہ سر زیر پہاڑیاں..... آسمان میں چاند تارے ہوا میں سکیاں بھرتی ہیں۔“

”اب آئی گئے ہو تو میں تمہاری اور اس کی کشی کراؤں گا۔“
”مردڑ کر کر کھدوں سالے کو.....“ قاسم نے سینہ تان کر کہا۔
اچانک حمید کی نظریں دروازے کی طرف اٹھ گئیں اور اس نے اسی انگریز کوہاں:
داخل ہوتے ہوئے دیکھا جس نے ارجمند گھائی میں سپاہی کے گرنے کے متعلق ایک جیرت اُم
بات بتائی تھی۔ وہ سیدھا کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔

حمدید کی نظریں اس کا تعاقب کرتی رہیں۔ انگریز نے کاؤنٹر پر رک کر ادھر ادھر دیکھنے
کاؤنٹر کلرک سے کچھ کہا جس کے جواب میں کلرک نے ایک طویل سانس لی اور رجسٹروں کا
ڈھیر سے ایک رجسٹر کاں کر اس کی ورقہ گردانی کرنے لگا۔ اس دوران میں انگریز نے جی
سے تمباکو کی پاؤچ نکالی اور سگریٹ روں کرتا رہا۔

اس کی عمر پچاس ساٹھ سے کسی طرح کم نہ رہی ہو گی۔ چہرہ بھاری اور کھوپڑی افس
کے چھکلے کی طرح شفاف تھی۔ جڑوں کی مخصوص بناوٹ اس کی بخت گیری کی طرف اشارہ کر رہ
تھی۔ قوی مبنی بوٹ تھے اور حرکات و سکنات سے پھر جلا پن ظاہر ہوتا تھا۔ اس نے حمید و فیر
اچھتی سی نظر ڈالی اور روں کئے ہوئے سگریٹ کے سرے کو ہوتوں میں گھما کر نم کرنے لگا۔
کی انگلیاں کثرت تباہ کوئی نہیں۔

کلرک نے رجسٹر بند کر کے کچھ کہا اور انگریز اسے گھورنے لگا۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑا کی
سوچتا ہا پھر ہاں سے نکل گیا۔
حمدید اٹھ کر کاؤنٹر کلرک کے پاس آیا۔
”کیپشن پر کاش کی کوئی فون کال تو نہیں تھی۔“ اس نے کاؤنٹر کلرک سے پوچھا۔
”جی نہیں..... لیکن ٹھہریے..... کیا نام بتایا تھا آپ نے..... کیپشن پر کاش..... آپ
ایک ایو گرام ہے۔“

”اوہ..... ٹھیک..... میں اس کا منتظر ہی تھا۔“
کاؤنٹر کلرک نے ڈرائر سے ایک لفافہ کاں کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ فریدی کا اپرگرا

ایک پھول کافی ہوگا۔ ” قاسم نے پوچھا۔
ایک میں کیا ہوگا..... کم از کم پانچ عدد کافی وزنی پھول۔ ایک کشتی میں ریشمی رومال
کر کر پیش کر دینا۔ ”
” مجھے افسوس ہے..... ” قاسم غزدہ آواز میں بولا۔ ” میں تو اس کی خدمت میں ایک جڑا
رنا چاہتا تھا۔ ”
” وہ تم مجھے پیش کرو..... مجھے زیورات کا شوق ہے۔ میں اکثر تہائی میں انہیں پہن کر
آئیں کے سامنے کھڑا رہتا ہوں۔ ”
” ہم منہ پر ہاتھ رکھ کر ہٹنے لگا۔ اس دوران میں حمید نے مورگن کو دوبارہ ہال میں
بنتے اور اوپری منزل کی طرف جاتے دیکھتا ہے۔ اس لئے اب وہ قاسم سے پیچا چھڑانا
..... اور وہ اس میں جلد ہی کامیاب بھی ہو گیا۔ ”

ازتا لیں نمبر کا کمرہ دوسری منزل پر راہداری کے سرے پر واقع تھا۔
راہداری سنان پڑی تھی اور سارے کمرے بند تھے۔ حالانکہ یہ ایک بہت بڑی حماقت
ن پھر بھی حمید مورگن کے کمرے میں جھانکنے کی خواہش کو کسی طرح نہ دبا سکا۔ اس نے
ہا کے مل فرش پر پیٹھے کر کنجی کے سوراخ سے آنکھ لگادی۔
مورگن کمرے کے فرش پر بیٹھا ایک چھوٹی سی سیکی مشین گن میں میگزین چڑھا رہا تھا۔
غفار غ ہونے کے بعد اس نے اسے ایک چڑے کے سوت کیس میں روک دیا۔
اور پھر حمید نے اسے لباس تبدیل کرتے دیکھا۔ شاند وہ باہر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔
لگا۔

ٹائی پندرہ منٹ بعد وہ پھر ہال میں دکھائی دیا اور اس کے ہاتھ میں وہی سوت کیس تھا
گماں نے مشین گن رکھی تھی۔

” حمید کو دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا۔
” ہوا میں سکیاں بھرتی ہیں۔ ” حمید اسے گھور کر بولا۔ ” بیمار ہیں ہوا میں۔ ہواوں کا
معدہ خراب ہو گیا ہے۔ کہیں تیرا دماغ نہ خراب ہو جائے۔ ”
رشیدہ نہیں پڑی اور قاسم تاؤ کھا کر رہ گیا۔ رشیدہ کچھ دیر اور بیٹھی پھر اٹھ کر چلی گئی
” تم بہت وابیات آدمی ہو۔ ” قاسم نے حمید سے کہا۔
” سچ مج تمہاری بر بادی کے دن قریب آگئے ہیں۔ ”
” تم کیوں میرے معاملات میں ناگز اڑاتے ہو۔ ”
” میں تمہیں آدمی بنانا چاہتا ہوں۔ تم نے آج سک رشیدہ کو کوئی تھنڈ دیا۔ ”
” نہیں کوئی نہیں۔ ”
” بس خالی خولی..... زبانی خرچ..... محبووں کی خدمت میں کم از کم پھول ہی پیش
کر دیتے ہیں۔ ”
” پھول..... صرف پھول..... یہ تو..... ! ”
” ہاں... پھول..... رشیدہ کو کہی کے پھولوں پر جان دیتی ہے۔ ”
” گوبھی کے پھول..... ! ” قاسم نے حیرت سے کہا۔
” ہاں..... پسند ہے اپنی اپنی۔ ”
” نہیں تم نہ ات کر رہے ہو۔ ”
” اچھا جی..... میں آپ سے مذاق کروں گا۔ ” حمید عصیلی آواز میں بولا۔
مذاق سمجھنے کا سلیقہ بھی ہے تم میں۔ ”
” نہیں حمید بھائی..... ٹھیک ٹھیک بتاؤ..... الاقسم میں مغموم ہوں۔ ”
” فریدی صاحب کو تم جانتے ہو..... آخراں سانپوں سے کیوں عشق ہے کوئی بھی اچا
بھلا آدمی مداری بننا پسند کرے گا۔ مگر شوق کی وجہ سے مجبوری ہے۔ اسی طرح رشیدہ
بھی..... گوبھی کا پھول پسند کرتی ہے جتنا بڑا پھول ہوگا اتنا ہی خوش ہوگی۔ ”

چوہیا اور جہاں پناہ

”اگر نہیں..... وہ خالی ہاتھ تھا اور میں اُسے بھاگتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔“
”بے تو پھر اس طرح اس کا ملنا محال ہے۔“

”نہیں..... آپ کے ساتھ زیادہ تعداد میں مسلک آدمی ہوں تو آپ نیچے بھی اتر سکتے

”حمد بولا۔“

”زیادہ آدمی..... یہ بھی محال ہی ہے۔ ہمیں کا پڑھنے صرف ایک ہے۔“

”ویسے اس کے علاوہ ان چٹانوں کو پار کرنے کا کوئی اور دوسرا طریقہ بھی نہیں ہے۔ اگر زیر ہو گیا۔ ایسے موقع پر حیدر بڑی شدت سے فریدی کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔“
”اس نے مورگن کے متعلق میجر نصرت کو کچھ نہیں بتایا تھا اس نے سوچا ممکن ہے فریدی کی دوسری کھیپ آئے گی وہ پہلی کھیپ کا صفا یا کرچکے ہوں گے۔“

”بھی میں کہتا ہوں..... جلدی کی ضرورت ہی نہیں۔“ میجر نصرت نے کہا۔

”ہاں لیکن ہم اس چٹان کو ضرور دیکھیں گے۔“

”ہمیں کا پڑھنے کی طرف موڑ دیا گیا۔“

”فریدی کے متعلق کچھ معلوم ہوا۔“ میجر نصرت نے حیدر سے پوچھا۔

”ہاں کل میڈرڈ سے ان کا ایر و گرام آیا ہے۔ وہ جلدی ہی واپس آئیں گے۔“

”میں تو کہتا ہوں کہ سجاد کی تلاش فضول ہے۔ قاتل یہاں موجود ہیں۔ ان میں سے کوئی آجاتا تو سجاد کی بھی گرفت ممکن ہو جاتی۔ لیکن فریدی کے طریقے حرمت اگنیز ہیں۔ ہاں اچھا شخص اجازت نامے کے متعلق کیا، وہ جو ایک زمانے میں منسوخ کر دیا گیا تھا۔“

”وہ تو کبھی کا مجال کر دیا گیا ہے۔ جیرالڈ کے خلاف جرم ثابت ہوتے ہی..... ورنہ کتاب تک مستحق ہو پکے ہوتے۔“

”ہمیں کا پڑھنے اس چٹان کے اوپر فضا میں پہنچ کر متعلق ہو گیا اور انہوں نے کھڑکیوں سے سر ناکر نیچے جھانکا۔ چٹان اوپر سے بالکل ساٹ تھی اور اتنی بڑی تھی کہ اس پر بیک وقت کئی ہمیں ہڑا سکتے تھے۔ پائلٹ نے رسیوں کی سیڑھی کی طرف اشارہ کیا۔“

”کیا ارادہ ہے۔“ حیدر چونکہ کر بولا۔ ”کیا کوئی صاحب اس پر اتریں گے۔“

دوسری صبح سرجنت حمید، میجر نصرت اور تین دوسرا م مقامی آفیسروں کے ساتھ ایک کوپٹر میں ارجمنگھائی پر پرواز کر رہا تھا۔ حمید نے اپنی پیچھی رات بڑی بے چینی سے گزر تھی۔ بات دراصل یہ تھی کہ اس نے مورگن کا تعاقب کیا تھا۔ لیکن وہ اسے دھوکا دے کر عائد ہو گیا۔ ایسے موقع پر حیدر بڑی شدت سے فریدی کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔“
”اس کو پسند نہ کرے۔“

”ہمیں کا پڑھنے کی طرف جا رہا تھا جہاں وہ عجیب التلقیت اسے گزر کر انہیں چٹانوں کی طرف جا رہا تھا جہاں وہ عجیب التلقیت اسے گزر ہو گیا تھا۔ وہ اس چٹان سے گزر گئے جو ایک سپاہی کی ہلاکت کا باعث نہ تھی۔“

”دوسری طرف میلوں تک خٹک اور بھورے رنگ کی چٹانوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔“
”بھی کسی ذی روح کا کوئی نشان نہیں تھا۔ آفیسروں نے دو تین چھوٹے چھوٹے دستی بم چڑا میں پھیکے اور ہمیں کا پڑھنے آدھے میل کے رقبے میں ایک چکر لگایا لیکن اس جیوان نمائش کوئی نشان نہ ملا۔ دو چار بم ادھر ادھر پھر پھیکے گے لیکن نتیجہ وہی صفر۔ آخر ایک آفیسر نے نصرت سے کہا۔“

”کیا ہمیں کا پڑھنے کا تاریخاً ہے۔“

”میں اس کی ہرگز رائے نہ دوں گا۔“ حیدر بولا۔

”کیوں.....؟“

”مجھے وہ آدمی تھا معلوم نہیں ہوتا۔ اس کی پشت پر کوئی نہ کوئی ضرور ہے۔“

”یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔“

”ارے جناب! اگر کوئی ذرا کچھ اور نیچے آتی تو میرے سر کے گلزارے اڑ گئے ہوتے۔“

”ہو سکتا ہے کہ آپ پر گولی بھی اسی نے چلائی ہو۔“ آفیسر نے کہا۔

ایک آفسر نے کوئی جواب دیئے بغیر سیریزی میچے لے کا دی۔
”دیکھئے میں ہرگز مشورہ نہ دوں گا۔“ حمید نے کہا۔
”آپ تو کسی بات کا مشورہ نہیں دیتے۔“ آفسر نہیں کر بولا۔
”یہ چنان خطرناک ہے۔“

”اب اتنی بھی نہ ہو گی کہ مجھے دھکیل دے۔ میں یہی ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ پانچ بیس سے خون آلو مذبوح بہہ رہا تھا۔ گوشت کے لوقتے اور شکستہ بڑیاں۔ تو ازان برقرار نہ رکھ سکنے کی بناء پر گرا ہو گا۔“
”نبیں وہ اچھی طرح سنجھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔“ حمید نے کہا۔
”تب وہ ایکروں بیبا کا شکار رہا ہو گا۔“ آفسر سکرا کر بولا۔
”یہ کیا بلا ہوتی ہے۔“ میجر نصرت نے کہا۔

چار بجے وہ کمرے سے باہر نکلا اور اسے اپنے اعصاب کو آرڈر میں لانے کے لئے ایک بلندی سے خوف کا مرض۔ بعض لوگ بہت زیادہ بلندی سے نیچے کی طرف نہیں رک، بلکہ ہوئی کھوپڑی، گوشت کے لوقتہوں اور روٹی ہوئی بڑیوں کو بھی سکتے اور اگر انہیں دیکھنا ہی پڑے تو وہ محبوس کرتے ہیں جیسے نیچے گرے جا رہے ہوں اور بین بول جانا چاہتا تھا۔ دل بہلانے کے لئے اس نے قاسم کی تلاش شروع کی لیکن وہ غائب تھا۔ اوقات ایک قسم کی اضطراری کیفیت کے تحت چھلانگ بھی لگادیتے ہیں۔
زیادہ رشیدہ کے کمرے بھی مقفل تھے۔ شاید وہ دونوں بھی باہر گئے ہوئے تھے۔

”اتنی نفیات میں نے بھی پڑھی ہے۔“ حمید بولا۔ ”لیکن کبھی کبھی بہت عیّا ہوں قسم۔ حمید ہوٹل سے باہر آگیا۔ اس نے ایک ٹیکسی کرائے پر لی اور شتر کے چکر لگانے لگا۔ سانسی حقائق سے بھی دوچار ہوا ہوں۔“

پھر حمید نے اپنی ایک جیرت انگریز چھل کو دکا سابق تجربہ بیان کیا۔ ”اچی چھوڑیے کیا رکھا ہے ان باتوں میں۔“ آفسر نے کہا اور انکی ہوئی سیریزی سے رف یہ چاہتا تھا کہ اس کے دو ایک احباب ہوں اور وہ ٹیکسی میں بے اتر کر اس کی طرف بڑھا۔ اتنے میں اسے ایک کافی ہاؤ نظر آیا اور وہ ٹیکسی میں بے اتر کر اس کی طرف بڑھا۔

”خدا مغفرت کرے۔“ حمید بڑھ دیا۔

وہ سب بڑی توجہ اور چچی سے آفسر کو نیچے اترتے دیکھ رہے تھے۔ اس کا ایک پیداوار پر تھا اور دوسرا اس نے چنان پر کھا تھا کہ ہیلی کا پیٹ کو ایک زور دار جھکتا لگا۔ پائلٹ اگر اسے فی حرکت میں نہ لے آتا تو وہ بھی جاہ ہو گیا تھا۔ پھر انہوں نے آفسر کی چیزیں سنیں اور چنان خالی پڑی تھی۔

”مضامین خوش خط اور صاف لکھئے۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی لفافد یا پوست

لے کر بدواس ہو کر چیختے گے۔ ایک گواہ تین پائلٹ گالیاں بک رہا تھا۔
”ہمارو..... اتنا رو..... جلدی کرو۔“ میجر نصرت چیخا۔

ہیلی کا پڑا ہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا اور پھر وہ زمین پر لکھ گیا۔

”سب نیچے کو دکو آفسر کی لاش کی طرف دوڑے لیکن وہاں اب تھا عی کیا۔..... پچکا ہوا جید کو چکر سا آگیا۔ پتہ نہیں اس کے دوسرے ساتھیوں پر کیا گزری۔

پھر سہ پہر تک اس کے حواس درست نہیں ہوئے۔ وہ اپنے پیشے سے نری طرح پیزار براہ راست گھٹائی سے لوٹنے کے بعد وہ شام تک شیزاد ہوٹل کے کمرے میں پڑا رہا۔

چار بجے وہ کمرے سے باہر نکلا اور اسے اپنے اعصاب کو آرڈر میں لانے کے لئے ایک بلندی سے خوف کا مرض۔ بعض لوگ بہت زیادہ بلندی سے نیچے کی طرف نہیں رک، بلکہ میں پڑی۔ وہ اس پکھلی ہوئی کھوپڑی، گوشت کے لوقتہوں اور روٹی ہوئی بڑیوں کو بھی سکتے اور اگر انہیں دیکھنا ہی پڑے تو وہ محبوس کرتے ہیں جیسے نیچے گرے جا رہے ہوں اور بین بول جانا چاہتا تھا۔ دل بہلانے کے لئے اس نے قاسم کی تلاش شروع کی لیکن وہ غائب تھا۔

زیادہ رشیدہ کے کمرے بھی مقفل تھے۔ شاید وہ دونوں بھی باہر گئے ہوئے تھے۔ اس وقت دو ایک بار اس پر اسرار انگریز سورگن کا بھی خیال آیا لیکن اُس نے اسے اس طرح اپنے

نے جھاڑ دیا جیسے جسم پر رنگی ہوئی چیزوں بے خیالی میں جھاڑ دی جاتی ہے۔ اس وقت

”اچی چھوڑیے کیا رکھا ہے ان باتوں میں۔“ آفسر نے کہا اور انکی ہوئی سیریزی سے رف یہ چاہتا تھا کہ اس کے دو ایک احباب ہوں اور وہ ٹیکسی میں بے اتر کر خوب قبیلہ گئے۔

اتنے لگا جس کا نچلا سرا چنان سے ایک فٹ اوپر جھوول رہا تھا۔

”خدا مغفرت کرے۔“ حمید بڑھ دیا۔

اٹھ پر چونک کر خلاء میں گھوتا ہوا بولا۔ ”نمونہ کا پرچم مفت نہیں بھیجا جاتا سمجھے۔“

پھر اس نے ہوا میں مکا لہرا کر کسی کو خیالی دھکی دی۔ حمید رک کر اسے گھومنے لگا۔ وہ

نیک اکٹھ متجوہ تک نہ ہوا۔ وہ پھر بڑھ دیا۔

”مضامین خوش خط اور صاف لکھئے۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی لفافد یا پوست

کارڈ آنا ضروری ہے سمجھے۔“

پھر حمید نے اپنے پیچھے قہقہے کی آواز سنی۔ وہ چونکہ کرمڑا۔ ایک دبالتا نو جوان کمردا فر رہا تھا۔

”یہ بیچارا.....!“ اس نے کہا۔ ”ایک سالے کا ایڈیٹر تھا..... اوزدن رات کافی ہاؤز میں بھما مضمایں لکھا کرتا تھا۔ آخر کار یہ اپنے سارے سرمائے کی کافی پی کر فلاش ہو گیا۔ لیکن کافی ہاؤز اس سے پھر بھی نہ چھوٹا۔ اس نے یہاں کی دربانی کر لی۔ دیکھئے کس پیار سے اندر میزوں کا جائزہ لے رہا ہے۔“

حمدید ہنستا ہوا آگے بڑھا اور جب وہ دربان کے قریب سے گزر رہا تھا تو اس نے کہتے سن۔ ”سالے یہ کتابت ہے یا چوٹیاں سیاہی میں ڈوب کر چلی ہیں۔“

کافی ہاؤز کافی آباد نظر آ رہا تھا۔ حمید ایک خالی میز پر بیٹھ کر ویٹر کا انتظار کرنے لگا۔ یہاں کی فضا کھلتے ہوئے سریلے قہقہوں اور سینٹ کی خوبیوں کی لپیٹوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ گزار شانوں سے ریشمی سائزیوں کے آچل سرک رہے تھے۔

حمدید نے ویٹر کو کافی کا آرڈر دے کر کہا۔ ”ایک کافی ان کے لئے بھی۔ وہ ایڈیٹر صاحب جو ہاں استول پر بیٹھے ہوئے ہیں۔“

ویٹر پختا ہوا چلا گیا۔

ٹھوڑی دیر بعد اس نے حمید کی میز پر کافی کی ٹڑے رکھ دی۔ حمید نے ایک پیالی اس ایڈیٹر کے لئے بنائی اور ویٹر سے لے کر دروازے کی طرف چلا گیا۔ اس نے حمید کو بتایا کہ اکثر گاہک ایڈیٹر کو کافی پلاتے رہتے ہیں۔

ویٹر نے ایڈیٹر کو کافی دیتے وقت حمید کی طرف اشارہ لیا۔ حمید اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایڈیٹر نے مسکرا کر اسے بڑے ”نسلک پر مل انداز“ میں سلام کیا اور کان پر رکھی ہوئی پیش اتار کر کافی کے کپ پر کچھ لکھنے لگا۔

حمدید پاپ سلاک کافی کی چکیاں لینے لگا تھا اور اس کی نظریں مختلف میزوں پر گردش

تھیں۔

ایک ایگلو اٹھیں جوڑا اس کے قریب کی میز پر آ کر ”آباد“ ہو گیا۔ لڑکی بڑی خوش شکل بخی۔ حمید نے اس پر اچھتی کی نظر ڈالی اور مخصوص انداز میں گردن ٹیڑھی کر کے پاس پ پھر وہ دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ لیکن جلد ہی اسے پھر اس جوڑے میں دچپی لیتی رہی۔ حمید نے جیسے ہی اپنا بیگ کھولا اس میں ایک چھوٹی سی چوہیا پھدک کر میز پر آ گئی۔ اس اہمگوں میں نئھے نئھے گھونگرو پڑے ہوئے تھے۔

عینہ بڑی طرح چونکا..... اسے اپنی پاتو چوہیا بیاد آ گئی۔ گھونگروں کی طرف غور کیا تو اس جسم میں سننی سی دوڑ گئی۔ مخصوص وضع کے گھونگرو تھے۔ بالکل ویسے ہی جیسے اس نے پاکے لئے خاص طور پر چاندی کے ہوئے تھے۔

کیا یہ وہی چوہیا تھی۔ حمید کی پیشانی پر سینے کی نئھی نئھی بوندیں بچھوٹ آئیں۔ لیکن وہ وہ چوہیا تو جیر اللہ شاستری کی زمین دوز دنیا میں رہ گئی تھی اور وہ زمین دوز دنیا..... وہ زبردست دھماکے کے ساتھ تباہ ہو گئی تھی۔ لہوگوں کا خیال تھا کہ جیر اللہ اور اس کے

کی کے ساتھ فنا ہو گے ہوں گے۔

حمدید نے ایگلو اٹھیں جوڑے کو گھور کر دیکھا۔ کیا جیر اللہ اور اس کے ساتھی زندہ ہیں۔ اگر بازندہ ہو سکتی ہے تو پھر ان کے مرنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ حمید غیر ارادی میٹی میں وہی دھن بجانے لگا۔ جس پر اس کی چوہیا کوئی کی دھن پر تحریر کئی تھی۔ اور پھر اس کی جیسی انبانہ نہیں جب اس نے چوہیا کوئی کی دھن پر تحریر کئی تھی۔

ایگلو اٹھیں جوڑا ہنسنے لگا۔ لیکن ان میں سے کسی نے بھی حمید کی طرف دیکھا تک نہیں۔ لاروک کر کافی کی طرف متوجہ، کیا جواب ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ پھر اسے یاد نہیں کہ اس نے رج کپ خالی کیا۔ اس کا سر چکر ارہا تھا اور دل کی دھڑکن خدا کی پناہ..... ایسا معلوم ہوتا ہے اندرگی کی بقیہ دھر کنیں اسی وقت پوری ہو جائیں گی۔

کیا جیر اللہ اور اس کے ساتھی زندہ ہیں۔ وہ خوفناک چٹان وہ عجیب الملاقات آدمی۔ اسے

وہ خوفناک بن مانس یاد آگئے جن کا تجربہ اسے چھ ماہ پیشتر ہو چکا تھا۔ وہ سوچنے لگا بولوں
معمولی سے بندر کوبن مانس کی شکل میں تبدیل کر سکتے ہوں ان کے لئے ایک حیوان نماز
کی تخلیق کیا مشکل ہوتی ہے اور وہ چنان..... ہو سکتا ہے کہ اس پر بجلی کے باریک بارے
تاروں کا جال بچھا دیا گیا ہو اور ان میں کرنٹ رہتا ہو تو کیا وہ پراسرار انگریز براؤن درائے
جیز اللہ ہی ہے۔ یقیناً وہ حیر اللہ ہی ہو گا۔ ایسا سوچنا قدر تی امر تھا۔ اگر اس حیوان نماز ان
سلسلے میں حمید پر فائز نہ کیا گیا ہوتا تو شاید وہ ان دونوں معاملات کو الگ ہی تصویر کرتا گمرا
صورت دوسری تھی۔ اُسے یقین آگیا تھا کہ میز پر تھرکتی ہوئی چوہبیا اسی کی تھی۔
لیکن اب وہ کیا کرے؟ سوال بڑا ٹیڑھا ہے..... اور وہ دل ہی دل میں فریدی کو روا
کہنے لگا۔

ایک جگہ وہ ٹھوکر کھا کر سنبھل ہی رہا تھا کہ اچانک اس پر کئی آدمی ٹوٹ پڑے۔ حمید نے
وہ جگہ کرنا چاہی مگر فضول۔ وہ بُری طرح جکڑا جاچکا تھا اور کسی کا ہاتھ اس کے منہ پر بھی تھا اور
کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ وہ سانس لینے میں بھی دشواری محسوس کر رہا تھا۔

پھر اسے اچھی طرح یاد نہیں کر وہ کب؟ کس طرح اور کہاں لے جایا گیا؟

پھر تیز قسم کی روشنی کے احساس نے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا۔ اُسے فرش پر کھڑا
رویا گپا اور اس کے گرد تین قوی الجشت آدمی کھڑے تھے اور سامنے ایک لوگوں اگر جوڑا
خوش آمدید.....! ”مرد مکرا کر بولا۔ ”تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔“

”قطعی نہیں۔“ حمید لاپرواں سے شانے جھٹک کر بولا۔ ”اس نے دلیر بننے کی کوشش
طرح اٹھ سکتا تھا۔

اندھیرا پھیل گیا۔ پھر تقریباً سات بجے وہ دونوں اٹھے۔ حمید بھی ان کے پیچھے باہر لٹا
وہ اپنی کار میں بیٹھ کر ایک طرف روانہ ہو گئے۔

”ایک خاص تقریب کے سلسلے میں تمہیں تکلیف دی گئی ہے۔“ لڑکی نے کہا۔ ”بات یہ
حمدیکی میں بیٹھ کر ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ شاید آدمی ہے گھنٹے تک تعاقب جاری
پھر اگلی کار ایک عمارت کے سامنے رک گئی جو ایک چھوٹی سی شاداب پہاڑی کے دامن میں واقع
تھی۔ یہاں اور بھی عمارتیں تھیں مگر دور دور پر۔“

”میری خوش قسمتی ہے کہ میں اس مبارک موقع پر یاد کیا گیا۔ میں تم سب کا دل اچھی
تکیکی واپس نہیں چلی گئی۔ اس نے سوچا کہ وہ عمارت کا چکر کاٹ کر پہاڑی کے پیچے پہنچ
لرج خوش کر دوں گا۔“ حمید نے اسے آنکھ ماری۔

”بہاں پناہ کیا کر رہے ہیں۔“ مرد نے ایک آدمی سے پوچھا۔
”اپنے جو گئے گانہ نہ رہے ہیں۔“ اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور کہ ہونتوں پر خفیف

کی مکراہست بھی نہ دکھائی دی۔
”میں اس مداری کو اسی وقت ان کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔“ اس نے کہا۔

”وہ خوفناک بن مانس یاد آگئے جن کا تجربہ اسے چھ ماہ پیشتر ہو چکا تھا۔ وہ سوچنے لگا بولوں
کی تخلیق کیا مشکل ہوتی ہے اور وہ چنان..... ہو سکتا ہے کہ اس پر بجلی کے باریک بارے
تاروں کا جال بچھا دیا گیا ہو اور ان میں کرنٹ رہتا ہو تو کیا وہ پراسرار انگریز براؤن درائے
جیز اللہ ہی ہے۔ یقیناً وہ حیر اللہ ہی ہو گا۔ ایسا سوچنا قدر تی امر تھا۔ اگر اس حیوان نماز ان
سلسلے میں حمید پر فائز نہ کیا گیا ہوتا تو شاید وہ ان دونوں معاملات کو الگ ہی تصویر کرتا گمرا
صورت دوسری تھی۔ اُسے یقین آگیا تھا کہ میز پر تھرکتی ہوئی چوہبیا اسی کی تھی۔

”لیکن اب وہ کیا کرے؟ سوال بڑا ٹیڑھا ہے..... اور وہ دل ہی دل میں فریدی کو روا
کہنے لگا۔

”میز پر تھرکتی ہوئی چوہبیا اسی کی تھی۔“
”خوش آمدید.....!“ مرد مکرا کر بولا۔ ”تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔“
”قطعی نہیں۔“ حمید لاپرواں سے شانے جھٹک کر بولا۔ ”اس نے دلیر بننے کی کوشش
طرح اٹھ سکتا تھا۔

”میکسی کوائی اور کرایہ ادا کر کے نیچے اتر گیا..... اور اس وقت تک کھڑا رہا جب
تک میکسی واپس نہیں چلی گئی۔ اس نے سوچا کہ وہ عمارت کا چکر کاٹ کر پہاڑی کے نیچے پہنچ
کی کوشش کرے گا۔ اس طرح وہ عمارت کی پشت پر ہو گا اور پھر ہو سکتا ہے کہ وہاں سے عمارت
کے مکینوں کا جائزہ لینے کی کوئی صورت نکل آئے۔“

”وہ آہستہ آہستہ پہاڑی کی طرف بڑھنے لگا۔ چاروں طرف اندھیرے کی حکر انی تھی اور
فضا پہاڑی جھیکروں کی ”جھا میں جھا میں“ سے مکدر ہو رہی تھی۔ درختوں اور پودوں کی شاخوں

چیچے کھڑے ہوئے ایک آدمی نے حمید کو دھکا دیا اور وہ ان کے ساتھ چلنے لگا۔ حمید کو یقین تھا کہ اب اس کی ملاقات جیراللہ سے ہو گی۔

وہ ایک کمرے میں آئے۔ یہاں ایک آدمی بیٹھا چکا گاٹھرا تھا۔ لیکن یہ جیراللہ تو کسی طرح بھی نہ ہو سکتا تھا۔ اس کے چہرے پر بھورے رنگ کی گھنی ڈاڑھی تھی اور حمید تے پہلی ہی نظر میں ہانپ لیا تھا کہ وہ نقلی نہیں تھی۔ اسکے سر پر بال نہیں تھے آنکھیں بھوری تھیں اور اس طرح چند ہیائی سی لگ رہی تھی جیسے وہ زیادہ تر اس کی عادی ہوں۔

”تم آگئے گدھو.....!“ اس نے جوتا ایک طرف رکھ کر کہا۔

”جہاں پناہ.....!“ سب نے سینے پر ہاتھ رکھ کر یہی وقت جھکتے ہونے کہا۔

دوسرा آدمی

حمد بڑی حیرت زدہ نظرؤں سے اس ”جہاں پناہ“ کو دیکھ رہا تھا جو صورت ہی سے خاما خبطی معلوم ہو رہا ہے۔ اس کے جسم پر لباس تو بڑا ٹھاٹھ دار تھا لیکن جوتے گاٹھنا.....کیا وہ صحیح الدماغ تھا۔

”یہ کون ہے۔“ اس نے حمید کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی۔

”దداری ہے..... یوریجنٹی.....!“ لڑکی کے ساتھی نے کہا۔

”اس نے ہمیں سلام نہیں کیا۔“

حمدید سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکا پھر سیدھا ہو کر بولا۔ ”خدا حضور کی ڈاڑھی دراز کرے۔“

”ہااا.....!“ وہ ران پر ہاتھ مار کر چیخا۔ ”ہم خوش ہوئے..... تمہارا نام کیا ہے۔“

”خادم کو ڈمبا ستر کہتے ہیں۔“

”بکواس.....!“ اس نے پھر ران پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”تمہارا نام میں تل فلوس ہے۔“ ”ہاں ہاں! تل فلوس ہے۔“ اس کے ”درباریوں“ نے بیک وقت ہاٹک لگائی۔ ”تم سب گدھے ہو۔“ اس نے چیخ کر کہا۔

”ہاں ہم سب گدھے ہیں۔“ انہوں نے یک زبان ہو کر دہرا�ا۔

”تو پھر آدمیوں کی طرح کیوں بول رہے ہو۔“ وہ ران پر ہاتھ مار کر بولا۔ اس کے جواب میں وہ سب گدھوں کی طرح رینکنے لگے۔

حمدید بے اختیار نہیں پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سب پاگل ہیں۔ اصل بات اس کے ذہن میں آئی تھی۔ اب نہ اسے جیراللہ یاد کھا اور نہ براؤ ن۔

”خاموش.....!“ خبطی نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور وہ سب خاموش ہو گئے۔

”تل فلوس اپنے کرتب دکھاؤ۔“ اس نے حمید پر کہا۔

لڑکی نے بیگ سے چوہیا نکالی اور اسے میز پر چھوڑ دیا۔

”اوہ ہو! یہ تو ریٹا ہو رکھ ہے۔“ خبطی بولا۔

پھر حمید نے میز کے قریب آ کر سیٹی بجانی شروع کر دی۔ چوہیا تھر کئے گئی۔

”ہااا.....!“ خبطی بچوں کی طرح تالی بجا کر ہنسا۔ ”واقعی تم سچے مداری ہو۔“

جب تک حمید نے سیٹی بند نہیں کی چوہیا تھر کتی رہی۔

”آؤ ادھر آؤ۔“ تل فلوس میرے پاس یہیو۔“ خبطی اپنی رانیں پیٹتا ہوا یو۔“ میں سے تمہیں اپنا ولی عہد بناتا ہوں۔“

”یہاں کے برابر بیٹھ گیا۔“ وہ اس کی پیٹھ پھونکتا ہو بولا۔

”بول کیا مانگتا ہے۔“

”مجھے وہ لڑکی پسند ہے۔“ حمید نے ایک گلو اٹین لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا اور اس نے لٹا بار اس کے ساتھی کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار دیکھئے وہ اسے تھر آ لو ان نظرؤں سے نکلا تھا۔

لچھڑ دیں گے۔“

حید نے اب جھوٹ بولنا فضول سمجھا اور یہ بات بھی اس کی سمجھ میں آگئی کہ یہ لوگ اسی کے ذریعے اس کو چھانس کر یہاں لائے تھے۔ اس نے انہیں دھوکا نہیں دیا تھا بلکہ خود دھوکا لٹھا۔

”فریدی یورپ کے دورے پر ہیں۔“ حید نے کہا۔

”بکواس ہے..... ہمیں اس پر یقین نہیں۔“

”مکن ہی میڈرڈ سے ان کا ایک ایریورگرام موصول ہوا تھا۔“

”بہیں معلوم ہے۔“ لڑکی کے ساتھی نے سر ہلا کر کہا۔ ”لیکن یہ چیز فریدی جیسے آدمی لئے مشکل نہیں۔ وہ ہمیں بیٹھے بیٹھے یورپ کے کسی مقام سے بھی تمہارے نام ایریورگرام منگوا ہے۔“

”لیکن آخر تم فریدی کا کیا کرو گے۔“ حید نے پوچھا۔

”یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ ہم اس کا قیمه بنائیں گے۔“

”و تم اتنے دونوں تک کیا کرتے رہے۔ پہلے ہی کیوں نہیں ٹھکانے لگادیا۔“ حید نے کہا۔

”اس پر ہاتھ ڈالنا مشکل ہے ہم کئی بار کوشش کر چکے ہیں لیکن وہ لومڑی کی اولاد معلوم ہے۔“

”جی اللہ کہاں ہے؟“

”فضول بکواس مت کرو۔ میرے سوال کا جواب دو۔“

”ہو سکتا ہے کہ فریدی صاحب کے متعلق تمہارا خیال صحیح ہو لیکن اگر وہ ہمیں موجود ہیں تو

”ان کا پتہ نہیں جانتا۔“

”تم جھوٹے ہو۔“

”بے اعتباری کا تو علاج ہی نہیں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا ان کا پتہ تو اپنی گردن نہ پھنسواتا۔“

”تم مکار ہو۔“

”ہم نے تمہیں لڑکی بخش دی..... جو جی ادھر آؤ۔“

”مگر..... یوریجنسی.....“ لڑکی کے ساتھی نے احتاج کیا۔

”بکواس بند کرو..... یہ ہمارا حکم ہے..... جو جی ادھر آؤ۔“

”لڑکی بھی شاید الحسن میں پڑ گئی تھی۔“

”ہمیں ساتھ میں۔“ خبٹی ران پر ہاتھ مار کر چینا۔

جو جی بادل خواستہ صوفی کی طرف بڑھی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں کمرے کی روشنی گل ہو گئی۔ خبٹی حلق پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔ لڑکی نے حید کی گردن پکڑ لی اور اسے دھکیلا۔ دروازے تک لا یا۔ پھر حید نے دروازہ بند ہونے اور کنجی گھومنے کی آواز سنی۔

وہ سب اس کمرے کے باہر تھے۔ اندر خبٹی چیخ رہا تھا۔ لیکن اب وہ اس کی طرف ہے۔

قطٹی لا پر واہ نظر آرہے تھے۔

”تم آرام کرو۔“ لڑکی کے ساتھی نے لڑکی سے کہا۔ لڑکی چلی گئی اور وہ حید سے مطابق ہوا۔

”تفرقع تو بہت ہوئی میرے دوست! اب تم میرے ساتھ آؤ۔“ لیکن اس بات کو واضح کر دوں کہ اگر تم نے کوئی رکٹ کی تو دوسرے لمحے میں زندہ نہیں رہو گے۔

”کیا واقعی تم سب پاگل ہو۔“ حید نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

”یہی سمجھ لو۔“

وہ ایک دوسرے کمرے میں آئے۔

”بیٹھ جاؤ۔“ لڑکی کے ساتھی نے کہا۔ ”حید بے چوں و چرا بیٹھ گیا۔ ڈرائے کے“ بدلتے ہوئے سینے نے اس کی آنکھیں کھوں دی چھیں۔

”تم یہ بت سمجھو کر ہم تمہیں پیچا نہیں۔“ لڑکی کے ساتھی نے کہا۔ ”اور شاید اب ہمیں بھی پیچاں گئے ہو گے۔“

”میں پیچھے نہیں سمجھا۔“ حید نے حرمت کا اظہار کیا۔

”وقت بریاد نہ کرو..... ہمیں صرف فریدی کی تلاش ہے۔ اگر تم اس کا پتہ بتا دو۔“

”اگر یہ جملہ کسی لڑکی نے کہا ہوتا تو میں اس کامنہ چوم لیتا۔“ حمید نے غصب تاک پر کلکر
”تم نہیں یا ز آؤ گے۔“

”شیزان میں مجھ پر گولی کیوں چلائی تھی۔“ حمید نے پوچھا۔

”تم تو اس طرح پوچھ رہے ہو جیسے ہمیز جت اوری پوچھا کرنی چاہئے تھی۔“

”اچھا یہ مختصر کون ہے۔“

”ہمارا بادشاہ.....!“ لڑکی کے ساتھی نے کہا۔ ”تم اس کی حالت دیکھی ہی چکے ہو۔ اُر اس نے تمہاری موت کا حکم دے دیا تو ہم مجبور ہوں گے۔ بہتر یہی ہے کہ جو پچھھے ہم پوچھتے ہیں
چوہبیا کو بھی مر نے تھیں دیا وہ جوی کو پسند تھی۔“
”مجھے حیرت ہے کہ تم لوگ پچھے کس طرح۔“ حمید نے کہا۔ ”اس دھماکے نے تین چار
بتا کر جلد سے جلد جان چھڑا لو۔“

”ستودوست.....!“ حمید سنجیدگی سے بولا۔ ”میں اپنی زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔ اُر
ل کار قبیہ تباہ کر دیا تھا۔“

لے بہتر یہی ہے کہ تم لوگ مجھے ٹھکانے لگا دو اور رہا فریدی کا معاملہ تو جو پچھھے میں نے انھی بیا
”اپنی جدید ترین سائنسی ایجادات کی بناء پر ہمارے پاس ایسے راکٹ موجود ہیں جو آواز
ہے اس کے علاوہ اور مجھے کسی بات کا علم نہیں۔ تمہارا یہ خیال بھی ٹھیک ہو سکتا ہے کہ وہ سر۔
مارفار سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے اوپر جاتے ہیں۔ جس وقت دھماکہ ہوا ہم تین میل کی
سے پورپ گئے ہیں نہیں۔“

”ہاں ہم یہی سمجھتے ہیں۔“

”لیکن میں یہاں تھا آیا تھا۔“ حمید بولا۔

”تم بہت کچھ جانتے ہو.....“ وہ حمید کو گھور کر بولا۔ ”اور یہ بہت برا ہے۔ بہت برا صرف
پچھدری خاموشی رہی پھر لڑکی کے ساتھی نے کہا۔ ”خیر تمہیں اس وقت تک یہاں رہنا۔ نہارے لئے ویسے ہمیں یقین ہے کہ ہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ ایک چنان کا کرشمہ تو
جب تک کہ فریدی ہمارے ہاتھ نہ آ جائے اور یہ اس کی خام خیالی ہے کہ اب وہ شاتری۔“
”میں کچھی چکے ہو۔ ہم چاہیں تو ساری چٹانوں کو وہی خصوصیت بخش سکتے ہیں..... کیا سمجھے۔“
”اورو ہ گھوڑا.....!“

”پہنچنے میں کامیاب ہو جائے گا۔“

”آ..... شاستری۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”بڑی بیماری شخصیت ہے۔“

”تمہاری پچھلی مکاریاں ہمیں یاد ہیں..... مگر ہم عموماً معاف کر دیتے ہیں..... ہاں
لے دنیا کی کوئی بات ناممکن نہیں۔ خیر اب تم ہماری قید میں ہو اور یہ بھی بتاؤں کہ یہاں
تمہاری رہائی ناممکن ہے۔ اگر تم نے شور و غل بھی چایا تو قرب و جوار کے لوگ کان نہ ہو
الانے طنزیہ لجھے میں کہا۔“

”اچھا یہی معلوم ہے کہ اس عمارت میں ایک پاگل آدمی رہتا ہے۔“

”پھر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ کر بولا۔“ ”اے لے جاؤ۔“

”مٹھرہ..... کیا مجھے تمہارہ نہا پڑے گا۔“ حمید نے کہا۔

”دنیں دو چار خادم بھی ملیں گے۔“ وہ طنزیہ لجھے میں بولا۔

”کیا مجھے میری چوہبیا واپس مل سکتی ہے۔ صرف اس وقت تک کے لئے جب تک کہ میں
میں ہوں۔“

”ہمارا بادشاہ.....!“ لڑکی کے ساتھی نے کہا۔ ”تم نے ہماری قوت دیکھ لی ہم نے
کچھدری خاموشی رہی پھر جوی کا ساتھی ہیں کہ بولا۔“ ”تم نے ہماری قوت دیکھ لی ہم نے
اس نے تمہاری موت کا حکم دے دیا تو ہم مجبور ہوں گے۔ بہتر یہی ہے کہ جو پچھھے ہم پوچھتے ہیں
چوہبیا کو بھی مر نے تھیں دیا وہ جوی کو پسند تھی۔“
”مجھے حیرت ہے کہ تم لوگ پچھے کس طرح۔“ حمید نے کہا۔ ”اس دھماکے نے تین چار

”ستودوست.....!“ حمید سنجیدگی سے بولا۔ ”میں اپنی زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔ اُر
لے بہتر یہی ہے کہ تم لوگ مجھے ٹھکانے لگا دو اور رہا فریدی کا معاملہ تو جو پچھھے میں نے انھی بیا
”اپنی جدید ترین سائنسی ایجادات کی بناء پر ہمارے پاس ایسے راکٹ موجود ہیں جو آواز
ہے اس کے علاوہ اور مجھے کسی بات کا علم نہیں۔ تمہارا یہ خیال بھی ٹھیک ہو سکتا ہے کہ وہ سر۔
مارفار سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے اوپر جاتے ہیں۔ جس وقت دھماکہ ہوا ہم تین میل کی
سے پورپ گئے ہیں نہیں۔“

”اورا ب تم ارجن گھٹائی کو اپنا اڈا بنا رہے ہو۔“

”تم بہت کچھ جانتے ہو.....“ وہ حمید کو گھور کر بولا۔ ”اوہ یہ بہت برا ہے۔ بہت برا صرف
پچھدری خاموشی رہی پھر لڑکی کے ساتھی نے کہا۔ ”خیر تمہیں اس وقت تک یہاں رہنا۔ نہارے لئے ویسے ہمیں یقین ہے کہ ہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ ایک چنان کا کرشمہ تو
جب تک کہ فریدی ہمارے ہاتھ نہ آ جائے اور یہ اس کی خام خیالی ہے کہ اب وہ شاتری۔“
”میں کچھی چکے ہو۔ ہم چاہیں تو ساری چٹانوں کو وہی خصوصیت بخش سکتے ہیں..... کیا سمجھے۔“

”اورو ہ گھوڑا.....!“

”فریدی کی نائگیں وہی چیرنے گا۔“

”تم نے صہافی اور اس کے پرانے یوٹ سیکریٹری کو کیوں قتل کیا۔“

”تم تو اس طرح سوالات کر رہے ہو جیسے میرے ہاتھوں میں ہٹکلریاں ڈال چکے ہو۔“

”الانے طنزیہ لجھے میں کہا۔“

”اچھا یہی معلوم ہے کہ اس بادشاہ کا کیا مطلب ہے؟“

پلی اٹکی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

جید نے دوسری دیا سلامی روشن کی۔ اس کے سامنے ایک سیاہ قام نک دھڑک آدمی بیٹھا۔ اس کے جسم پر صرف ایک پتلی سی لگوٹی تھی جس میں ایک تھیلا اڑسا ہوا اس کی ناگلوں پر میان جھول رہا تھا۔

”آپ سار جنت حمید ہیں۔“ اس نے آہستہ سے پوچھا۔

”ہاں..... لیکن تم.....!“

”سچ نہیں خاموش رہئے۔“ اس نے کہا اور کمر سے لٹکے ہوئے تھیلے سے تارچ نکال کر اپنے والی دیوار کا جائزہ لینے لگا۔ حمید کو حیرت ہو رہی تھی کہ وہ اتنی سردی میں لباس کے بغیر زندہ ہے؟ اور وہ ہے کون؟“

پھر اس نے کمر سے تھیلا نکال کر اسے فرش پر رکھ دیا۔ تھیلے سے ایک بوتل نکالی جس میں سیال چیز تھی۔ پھر وہ اس سیال کے چھینٹے دیوار پر مارنے لگا اور فرش کے قریب دیوار کا راصھر اس سے اچھی طرح بھگو دیا۔ چند لمحے انتظار کرتا رہا پھر تھیلے سے ایک اوزار نکالا۔ وقت ہتھوڑی اور کلہاڑی کا کام دے سکتا تھا۔ اس نے وہ اوزار دیوار کے بھیکے ہوئے رکھا اور وہ اس میں دھنستا چلا گیا۔ دیوار کا پلاسٹر گلی مٹی کی طرح بے حقیقت ہو گیا تھا۔

وہ اپنے کام میں مصروف رہا۔ پھر شاید بیس منٹ کے بعد حمید نے دیوار میں ایک اتنا بڑا اوزیکھا جس سے ایک آدمی لیٹ کر آسانی نکل سکتا تھا۔

اس نے حمید کو باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ حمید کوٹ پہننے لگا اور اس عجیب و غریب آدمی نے ستراب کی بوتل نکالی اور غث غث کئی گھوٹ چڑھا گیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ جیر الدل کی کوئی دوسری چال تو نہیں۔

وہ دونوں باہر نکل کر ایک طرف چلتے گے۔ اندر ہیرا کافی گہرا تھا اور اب جھینکر بھی نہیں چیخ تھا اور درختوں میں جگنوں کی جھملائہٹ ایسی لگ رہی تھی جیسے وہی سنائے کی آواز ہو۔ بہت بڑھ گئی تھی۔ لیکن حمید کا نک دھڑک ساتھی بے ہکان راستہ طے کر رہا تھا۔

”یہ بادشاہ ساری دنیا پر حکومت کرے گا اور اگر یہ اس وقت تک زندہ نہ رہا تو پھر ہم کی پاگل کتے کو ساری دنیا کا بادشاہ بنادیں گے۔“ جوں کے ساتھی نے بس کر کہا۔ ”کیا تمہیں قدم یونانی تاریخ میں ایک ایسے گھوڑے کا ذکر نہیں ملتا جو ایک صوبے کا گورنر تھا۔“

تحوڑی دیر بعد حمید کو اس کی چوہیا وابس مل گئی اور وہ ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔ کرو کیا اسے کوٹھری کہنا مناسب ہو گا۔ صرف ایک دروازہ تھا۔ فرش کی حالت بتاتی تھی کہ اسے کبھی گودام کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا رہا ہو گا۔“

ایک بستر ایک چھوٹی سی میز اور کرسی..... یہی کل یہاں کا سامان تھا۔ چھت سے ایک بلب لٹک رہا تھا جس کا سورج بھی شاید باہر نہیں تھا۔

حمد نے کوٹ اتار کر میز پر ڈال دیا اور چوہیا کو ہٹھی پر رکھ کر اس کی پیٹھے ہلانے لگا۔ ”مری جان! آخر تم مل ہی گئیں۔ میں تو تمہاری یاد میں بالکل دیو داں ہو رہا تھا۔ گر شاید یہ ہمارا آخری سفر ہو۔“

پھر حمید نے اسے بھی میز پر ڈال دیا۔ وہ چوہے کی موت تو نہیں مر سکتا تھا۔ اسے بہر حال رہائی کے لئے پچھنہ پکھ کرنا تھا لیکن ایک گھنٹے کی جانفتانیوں کے باوجود بھی وہ یہاں سے نکل جانے کی کوئی صورت نہ پیدا کر سکا۔

سردی کافی تھی اور بستر بھی ایسا نہیں تھا کہ جسے ناکافی کہا جا سکتا۔ لیکن پھر بھی حمید کو نہ نہ آئی۔ تکوار اس کے سر پر لٹک رہی تھی۔ لیکن اس میں حقیقت کتی تھی کیا وہ بچ چھ اسے چھوڑ دیں گے۔ ناممکن کیونکہ جیر الدل شاستری کو سب سے زیادہ نقصان اُسی کی ذات سے پہنچا تھا۔ محض اس کی مکاری کی بناء پر اس کی وہ زمین دوز دنیا تباہ ہو گئی تھی۔

حمد نے گھری دیکھی۔ دو بچے چکے تھے۔ دیا سلامی جلا کر وہ اندر ہیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔ کسی نے گیارہ ہنی بیج کمزے کی روشنی بجا دی۔

اچانک اس نے باہر دروازے پر ایک ہلکی سی آواز سنی۔ دروازہ کھلا اور کسی نے اندر دخل ہو کر دوبارہ پٹ بھیڑ دیے۔ حمید نے جلدی سے دیا سلامی جلا دی۔ آئے والے نے اپنے

ترغیب

حید نے تھیر آمیز نظر دوں سے اس چھوٹے سے غار کا جائزہ لیا۔ یہاں وہ ساری چیزوں بھیں جو ایک آدمی کی معمولی ضروریات کے لئے کافی ہوتی ہیں۔ مٹی کے تل کا ایک روشنی دینے والا لیپ روشن تھا اور اس تو کی مسلسل سننا ہست غار میں گونج رعنی تھی اور اس ساتھ ہی کافی کے برتن سے اٹھنے والی خوبصوردار بھاپ، حید کی بھوک چک کٹی اور اس نے اسکی طرف دیکھا جو ہونتوں میں سگار دبائے کھڑا کافی کے برتن کو گھور رہا تھا۔

”لیا آپ میڈرڈ ہی سے واپس آگئے۔“ حید نے پوچھا۔
”میں گیا ہی نہیں..... جیر اللہ کے ساتھی نے تم سے ٹھیک کہا تھا۔ میں تمہارے ساتھ ہی کے لئے روانہ ہوا تھا۔“

”آپ ہمیشہ مجھے موت کے منہ میں جھوک دیتے ہیں۔“
”اور اتنی ہی آسانی سے پھر نکال بھی لیتا ہوں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”وہ آدمی کون تھا.....؟“
”یہاں کا ایک ماہر نقشب زن.....!“ فریدی نے کہا۔ ”میں نے جب یہ دیکھا کہ وہ لوگ ماں بھیں میں پہچان گئے ہیں تو میں نے اپنی جدوجہد اور تیز کر دی۔ میں جانتا تھا کہ وہ سامنے لئے پکڑیں گے ضرور..... مگر افسوس میں ان پر ہاتھ نہ ڈال سکا۔“

”کیوں؟ اسی پر تو مجھے بھی حرمت ہے۔ آپ انہیں اسی وقت پکڑ سکتے تھے۔“
”بیکار..... جیر اللہ ان میں نہیں تھا..... اور وہی میرا شکار ہے۔“

”ممکن ہے کہ وہ کسی دوسرے بھیں میں رہا ہو۔“
”نہیں میں اسے ہر بھیں میں پہچان سکتا ہوں۔ وہ اپنی آنکھیں نہیں بدلتا اور اس کی میل لاکھوں میں پہچانی جاسکتی ہیں۔“
”مگر وہ پاگل آدمی..... آخر وہ کون ہے اور اس کا کیا مقصد ہے۔“

دفعہ وہ ایک جگرک گیا۔ اس نے اپنے طبق سے ایک عجیب سی آواز نکالی اور قربہ سے کسی نے اس کا جواب دیا دوسرے لمحے میں ایک دوسرا آدمی حید کے سامنے کھڑا تھا۔ حید کا ہاتھ پکڑا اور وہ حید کا ساتھی نقشب زن ہستا ہوا چھانوں میں غائب ہو گیا۔ اب حید دوسرے آدمی کے ساتھ چل رہا تھا۔ وہ اس تبدیلی پر کچھ نہ بولا۔ اس چب چاپ چلا رہا تھا کا ساتھی اس کا ہاتھ پکڑے اوپنی اوپنی چھانوں پھلانگ کا ہوا تیزی سے چل رہا تھا۔ حالانکہ حید سانس چھوٹے لگی تھی لیکن وہ پھر بھی کچھ نہ بولا۔ فی الحال اس نے خود کو حالات کے رحم و کرم چھوڑ دیا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اب جیر اللہ کوں کی چال چلنے والا ہے۔ شاید اب وہ وہ اپنے اعتماد میں لے کر فریدی کا پتہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔

حید کے ساتھی نے اس کی حالت کا اندازہ لگایا تھا۔ اس نے اپنی رفتار کم کر کر لیکن وہ اسے ایک اجائزہ حصے کی طرف لے جا رہا تھا۔ تاروں کی چھاؤں میں حید کو دور تک بکری ہوئی چھانوں صاف نظر آ رہی تھیں۔

”بھی میں تھک کر چور ہو گیا ہوں۔“ حید بالآخر بولا۔ ”اگر ہم تھوڑی درستالیں تو کر جو ہے۔“

اس کا ساتھی جہاں تھا وہیں بیٹھ گیا۔ حید نے اس سے ذرا بہت کر ایک بڑے سے نہ سے بیک لگائی۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ بھی جیر اللہ ہی کا کوئی آدمی ہے۔ اس نے سوچا کر کیوں نہ اس سے پشت لے۔

اس نے دوسرے ہی لمحے میں اس پر چھلانگ لگادی۔
”ابے پاگل ہوا ہے کیا؟“ اس کے ساتھی نے اسے دبوپتے ہوئے کہا اور حید کے لفڑی پر ڈھیلے پڑ گئے۔
آواز فریدی ملی تھی۔

”محیٰ حرمت ہے کہ اتنی معمولی کی بات تمہاری سمجھ میں نہ آسکی۔“ فریدی سگار سلگا کر خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ورنہ یہ لوگ ایسے نہیں کہ اس قسم کی تفریحات میں وقت ضائع کر لیں۔

”وہ بعض لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے کے لئے ہے۔ ایک عجوبہ! لوگ اس کا بکرتے ہیں اور تعاقب کرنے والے لاپتہ ہو جاتے ہیں۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جیرالد کی وہ دنوز دنیا چند آدمیوں کی محنت کا نتیجہ تھی۔ میرا خیال ہے کہ جیرالد ارجمنگھائی میں دوسرا

بیویز رہائش گاہیں تعمیر کر رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے بہت سے کام کرنے والوں کی

رہت پیش آئے گی اور ان کے لئے روپیہ حاصل کرنے کا طریقہ تو تم دیکھ ہی چکے ہو۔

”لائی الماری۔“

”ٹھیک ہے۔“ حمید سر ہلا کر یو لا۔

”مگر سوال تو یہ ہے کہ وہ شم و حشی تعاقب کرنے والوں کو کس راستے سے چنانوں کی کی طرف لے جاتا ہے۔“ فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”ظاہر ہے کہ وہ آسان ہی ہو گا ورنہ لوگ کیوں اس کے پیچھے سر مارتے پھیریں۔“

”یہ بھی ٹھیک ہے۔“

”اور میں اُسی راستے کی تلاش میں ہوں۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ راستہ بھی انتہائی خطرناک ہو گا۔“ حمید نے کہا۔ ”اس خونی چیزان لر..... اور وہ کہہ بھی رہا تھا کہ ضرورت پڑنے پر وہ وہاں کی ساری چنانوں کو اتنا ہی بنا سکتے ہیں۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ انہوں نے کافی ختم کی اور حمید پاپ سپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ تھوڑی دیر لئے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ اب ان چنانوں پر بمباری کی جائے گی۔“

”ان کے لئے ایتم بم چاہئے۔“ فریدی نے کہا۔ ”مگر خیر..... یہ یفشوں کا روائی بھی سے لئے مفید ثابت ہو گی۔“

”بھتیری باتیں ہیں..... مگر میرا خیال ہے کہ اب تم تھوڑا سا سولو۔“

”ناممکن..... شائد ہی نہیں آئے۔ جو لوگ بڑی حسین لڑکی تھی..... ان کم بختوں نے

”نی الحال میں نہیں بتا سکتا۔ میں سمجھ ہی نہیں سکا۔ لیکن اتنی بات جانتا ہوں کہ وہ کہا کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔

”تو پھر اب تو یہ بات صاف ہو گئی کہ صمدانی اور اس کی یکریثی کا قتل اسی الماری کی۔“ سے ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس میں کروڑوں کا مال رہا ہو گا۔

”مگر صمدانی کا قتل کیوں؟“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”ان کا یہ مقصد اس قتل کے لیے ہم حل ہو سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ صمدانی اس دفتر میں سوتا نہیں تھا اور اس کی یکریثی کی وقت بھی روز میں داخل ہو سکتی تھی۔ اس کی عدم موجودگی میں اپنے ساتھ آدمی بھی لے جا سکتی تھی۔ کی کوڑ برادر بھی شبہ نہ ہوتا۔“

”ہو سکتا ہے صمدانی کچھ بھانپ گیا ہو۔“ حمید نے کہا۔

”ہاں یہ ممکن ہے۔“ فریدی نے کہا اور اسٹوپر سے کافی کے برتن اتارنے لگا۔ پھر وہ خاموشی سے کافی پیتے رہے۔ اچانک حمید کو انور یاد آ گیا۔

”انور سجاد کے جزل نیجر کے لئے کام کر رہا ہے۔“

”مجھے معلوم ہے..... اور وہ جو بچہ بھی کر رہا ہے اُسے کرنے دو۔“

”قاسم بھی یہیں آ گیا ہے اور اُسے رشیدہ سے عشق ہو گیا ہے۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔

”یہ مجرم نصرت وغیرہ بیکار وقت اور جانیں ضائع کر رہے ہیں۔ وہ اس شم و حشی آدمی کا مکان نہیں معلوم کر سکتیں گے۔“

”اوہ..... اُسے تو میں بھول ہی گیا تھا۔“ حمید نے کہا۔ آخر یہ حرمت انگیز آدمی؟ اس کا مقصد بھی میں نہیں سمجھ سکتا۔ آخر اس کی پیٹھ پر لے لے بال کیے اگ آئے۔“

”کیا تم اُن بن مانسوں کو بھول گئے۔“

”لیکن اس گھوڑے کا کیا مقصد ہے۔“

گڑ بڑ کر دی ورنہ میں اُسی وقت اس سے شادی کر لیتا۔“

”اوہ.....!“ فریدی بُرا سامنہ بنا کر بولا۔ ”کام کی باتیں کرو..... اب تمہارے یہ پروگرام ہے کہ تم دو دن تک شیراز ہوٹل میں نہیں جاؤ گے..... اور اب یہ کپٹن پر کاش وا ہیتھیت ختم کرو۔ تم دوسرے میک اپ میں شہر جاؤ۔ اپنے لئے دوسرا سامان خریدو..... دو دن تک کسی دوسرے ہوٹل میں قیام کرو۔ پھر وہاں سے شیراز متعلق ہو جاؤ۔ انور رشیدہ اور ہم سے ملنے کی ضرورت نہیں..... ان سے الگ ہی رہو۔“

”اور مجھے کہنا کیا ہو گا۔“

”کچھی مارنا..... جب ضرورت ہو گی طلب کرلوں گا۔“

اچانک حید کو وہ پُر اسرار انگریز مورگن یاد آگیا جو سوت کیس میں ایک سکی مشین اُر لئے پھرتا تھا۔ اُس نے فریدی سے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا۔ ”مگر ہے چالاک..... میں ایک بار بھی اس کا تعاقب کرنے میں کامیاب نہیں ہوا۔“ فریدی کچھ سوچنے لگا..... پھر اس نے کہا۔ ”کام پڑھتا ہی جارہا ہے..... مورگن کی کی زندگی کا یہہ کرانے والا ہوں اور پھر برخوار بغرا خاں سے اس کی شادی کروں گا۔“ متعلق تم میجر نصرت کو مطلع کر دو۔ اُس سے کہو کہ وہ اس کی نگرانی کرائے۔ لیکن فی الحال بیکن کی ضرورت نہیں۔“

”کیا میں یہ کام نہیں کر سکتا۔“ حید بولا۔

”نہیں..... میں نہیں چاہتا کہ اب کی وہ لوگ تمہیں ختم ہی کر دیں۔“

”پھر میں کیا کروں گا۔“

”تفہم..... ویسے تم مورگن پر نظر رکھ سکتے ہو۔ لیکن کسی کے تعاقب کے چکر میں نہ پڑنا سمجھے۔“

”کیا آپ مستقل طور پر اسی غار میں رہیں گے۔“

”ہاں..... یہ ارجمنگھائی سے نزدیک ہے لیکن تم بھی خود سے یہاں آنے کی ماحاث نہ کرنا۔“

”مجھے جب ضرورت ہو گی کسی نہ کسی ذریعے سے بلوالوں گایا خود ہی تم تک پہنچ جاؤں گا۔“

”اچھا یہ بتائیے کہ آپ کو اس معاملے میں جیرالڈ کا خیال کب اور کیسے ہوا۔“

”مخفی طریقہ کار کی بناء پر۔ اس نیم وحشی آدمی کی شخصیت اور تعاقب کرنے والوں کی لی۔ تم پر اس وحشی کا حملہ..... وہ عجیب و غریب چنان۔۔۔ اس صدی میں جیرالڈ کے علاوہ ہا یا پیدا ہوا ہے جو اتنے سانسی طریقے اختیار کر سکے۔“

جید او نگھنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی نے اُسے جھنجوڑ کر کہا۔ ”اچھا اب میں تمہیں کسی بیک چھوڑ آؤں جہاں سے تم آسانی شہر تک پہنچ سکو۔ لیکن اس سے پہلے میک اپ پر بڑی احتیاط کی ضرورت ہے اور میں ایسے موقع پر تمہیں رومان لڑانے کی اجازت ہرگز نہیں۔“

میک اپ میں زیادہ دریں نہیں لگی۔ شاید فریدی نے سامان پہلے ہی سے تیار کر کھا تھا۔

اچانک حید کو وہ پُر اسرار انگریز مورگن یاد آگیا جو سوت کیس میں ایک سکی مشین اُر لئے پھرتا تھا۔ اُس نے فریدی سے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا۔ ”مگر ہے چالاک..... میں ایک بار بھی اس کا تعاقب کرنے میں کامیاب نہیں ہوا۔“

فریدی کچھ سوچنے لگا..... پھر اس نے کہا۔ ”کام پڑھتا ہی جارہا ہے..... مورگن کی زندگی کا یہہ کرانے والا ہوں اور پھر برخوار بغرا خاں سے اس کی شادی کروں گا۔“

”ابھی اوقات تمہاری کو اس بڑی غیر دلچسپ ہوتی ہے۔ ہشانے کے چکر میں احتق جا رہے ہو۔“

اں ریمارک پر حید کچھ جھینپ سا گیا اس لئے اُس نے یک بیک سنجیدہ بننے کی کوشش نہ ہوئے کہا۔ ”کیا میں میجر نصرت کو یہاں آپ کی موجودگی سے مطلع کر سکتا ہوں۔“

”نہیں..... اس کی ضرورت نہیں۔“

”پھر میں مورگن کی نگرانی کے لئے کس حوالے سے کہوں گا۔“

”ما رو گولی..... میں چاہتا ہی نہیں کہ اب تم میجر نصرت سے ملو۔ مورگن کو بھی جہنم میں

.... مجھے تو جیرالڈ کی علاش ہے۔“

”ہو سکتا ہے مورگن ہی جیرالڈ ہو۔“

”کیا وہ تاریک چشمہ لگاتا ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں.....!“

”تب تو وہ حیراللذینیں ہو سکتا.....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”لیکن کیپن پکاش کے سامان کا کیا ہوگا۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ میں نے نقدي اپنے ہی رکھی تھی۔“

”اب تم کھکھو.....!“ فریدی دانت میں کرائے گھونسہ دکھاتا ہوا بولا۔

حید کو شہر پہنچتے پہنچتے صبح ہو گئی۔ اس نے سب سے پہلے اختیاط ایک تاریک ششول والی پیر

خریدی پھر روزانہ کی ضرورت سے متعلق سامان خرید کر ایک متوسط درجہ کے ہوٹل میں مقیم ہو گیا۔ اسی دوپہر اس نے خبر سن کر ارجمند گھٹائی میں ایک سرکاری طیارے سے بمبئی کی گئی

لیکن کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ پھر شام ہوتے ہوئے اس عجیب و غریب چنان کے طرح طرح کی خبریں گشت کرنے لگیں۔ سب سے زیادہ حیرت انگیز یہ خبر تھی کہ جیسے ہی طیارہ اس چنان پر سے گزرنے لگا۔ اس میں خود بخود آگ لگ گئی اور وہ گر کر تباہ ہو گیا۔

لیکن دوسرے دن کے اخبارات نے اس کی تردید کر دی۔ وہ سوچدی افواہ تھی کہ اس سلسلے میں صحیح خبر بھی کم حیرت انگیز نہ تھی۔ اس چنان پر دس پونڈ وزنی کئی بم گرانے لگے جو اس سے ایک معمولی سا گلوا بھی الگ نہیں ہوا۔ وہ جوں کی توں قائم رہی اس کے بر عکس دوسرے بہتیروں چنانوں کے کافی حصے تباہ ہو گئے۔ آگے چل کر لکھا کہ اس بمبئی کے نیچے میں توڑ پھوٹ کے باوجود بھی چنانوں کو پار کرنے کے لئے کوئی راستہ نہیں بن سکا۔ اسی کے ساتھ ہی خبر بھی کہ پچھلے دونوں سے وہ نیم و ششی آدمی نظر نہیں آیا۔

اسی دن کے اخبار میں حید کو ایک دوسری حیرت انگیز چیز نظر آئی۔ یہ کسی مسز فیلڈ کے بنگلے میں نقب زنی سے متعلق تھی۔ خبر کے مطابق مسٹر اور مسز فیلڈ جو اپنے ایک نیم دیوانے پر لے کر نال گئی تھی۔

کے علاج کے سلسلے میں رام گڑھ میں مقیم ہیں۔ اپنا بہت سا سرمایہ کھو یہی۔ چوری نقب کے ذریعے ہوئی۔ مسروقت چیزوں میں مسز فیلڈ کی پالتو چوہیا بھی تھی جسے موصوفہ نے بڑی منت ہے۔ ”ترین کیا تھا اور وہ کئی طرح کے کرتب دکھاتی تھی۔“

پیس میں رپورٹ درج کر ادی گئی ہے۔

حید کو ان لوگوں کی دیدہ دلیری پر حیرت ہونے لگی۔

حید اور فریدی کے لئے یہ ایک کھلا ہوا چیخ ہا یعنی وہ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ رسی پا تو حید اسے کسی عدالت میں بھی اپنے دعوے کے ثبوت میں نہیں پیش کر سکتا تھا۔ ہر حال ان لوگوں پر یہی ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ فریدی یا حید ان کے خلاف کوئی ثبوت مہیا نہیں سکتیں گے۔

حید ابھی تک یہی سمجھ رہا تھا کہ اس کے قرار ہو جانے کے بعد وہ لوگ اس عمارت میں نہ سکتیں گے۔ لیکن معاملہ اس کے بر عکس نکلا۔

دو دن گزرنے کے بعد حید نے پھر شیزاد ہوٹل کی راہ لی اور اسے ایک خالی کمرہ مل ہی بادب سے پہلے اس نے مورگن کی خبر لی۔ وہ بدستور وہاں مقیم تھا..... انور، رشیدہ اور قاسم اس تھے۔ لیکن حید کو انور کی مصروفیت کے متعلق کچھ نہ معلوم ہو سکا۔

ابتدا اسی شام کو وہ قاسم کی ایک ہماقت سے کافی محظوظ ہوا۔

ہوا یہ کہ رشیدہ ایک خالی کیمین میں بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ حید کھلے ہال میں کیمین کے انے والی میور پر بیٹھا شام کا اخبار دیکھ رہا تھا کہ قاسم اپنے ہاتھ میں گھٹری سی لٹکائے ہوئے ساکے قریب سے گزر اور رشیدہ والے کیمین میں چلا گیا۔ اس نے وہ گھٹری میز پر رکھ دی۔

”یہ کیا ہے؟“ رشیدہ نے پوچھا۔

”گوبھی کے نازہ ترین پھول۔“ قاسم نے سعادت مندی سے کہا۔

”تم پاگل تو نہیں ہو گئے۔“ رشیدہ جھنجھلا گئی۔ ”کل بھی تم نے بھی حرکت کی تھی۔ مگر میں لے کر نال گئی تھی۔“

”تو کیا وہ پھول باسی تھے۔“ قاسم نے پوچھا۔

”آخر یہ ہے کیا بد تمزیری۔..... اور آخر تم انہیں یہاں سب کے سامنے اٹھالا ہے۔“

”کمرے میں پہنچا دوں.....!“ قاسم نے بڑی لجاجت سے کہا۔

ہر چاہ رہا تھا کہ وہ بھی اس کو آنکھ مار دے۔ لیکن مصیبت تو یہ تھی کہ اسے آنکھ مارنا آئی ہی
بین تھا۔ وہ اکثر آئینہ سامنے رکھ کر آنکھ مارنے کی مشق کیا کرتا تھا۔ مگر اس کی دونوں آنکھیں
بین جاتی تھیں اور اور پری ہونٹ سڑک رنگ سے جامتا تھا۔

عورت بار پار اس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔ قاسم نے سوچا کہ اسے بھی کم از کم
باب میں سکرنا تو ضرور چاہئے، ورنہ وہ جانے کیا خیال کرے۔ قاسم کو اپنی مسکراہٹ پر بھی قابو
بین تھا۔ اس کے تیسوں دانت نکل آئے پھر اس نے عورت کو باہر جاتے دیکھا اور تعاقب کا
دست اس کے سر پر سوار ہو گیا۔

جب آنکھ کھلی

باہر نکلنے کرو، عورت ایک کار میں بیٹھی اور ایک طرف رو انہے ہو گئی۔ وہ خود ہی کار ڈرائیور
رہی تھی۔

قاسم نے بھی ایک ٹیکسی لی اور اس کے پیچے چل پڑا۔ اگلی کار شہر سے نکل کر ایک دیران
ک پر ہوئی۔ قاسم نے ذرہ برابر پرواہ نہ کی۔ تعاقب برابر جاری رہا۔

سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا اور چٹانوں پر نارنجی رنگ کی دھوپ بکھری ہوئی تھی۔
ایک ایک جگہ اگلی کار رک گئی۔ قاسم کی ٹیکسی کافی فاصلے پر تھی۔ عورت کار سے نکل کر سڑک
ک تارے کھڑی ہو گئی اور اس طرح ہاتھ ہلانے لگی جیسے ٹیکسی کو کوئاں چاہتی ہو۔ ڈرائیور نے
ٹکر قاسم کی طرف دیکھا۔

”روک دو پیارے۔“ قاسم ہانپتا ہوا بولا۔ اسے تو قع نہ تھی اس کی۔

ٹیکسی رک گئی اور عورت اس کی طرف بڑھی۔ قاسم کے سارے جسم پر پسند چھوٹ پڑا۔
لہم نہیں وہ اس سے کس طرح پیش آئے۔

”میں کہیں تمہارے سر پر چائے دانی نہ توڑ دوں۔“ رشیدہ آپے سے باہر ہو گئی۔
”مجھے تو معلوم ہوا تھا کہ تمہیں گوہی کے پھول پسند ہیں۔“ قاسم روئی ٹکن بنا کر بولا۔
”کس لگدھے نے کہا۔“

”حمدی بھائی نے.....!“

”اوہ.....!“ رشیدہ خاموش ہو گئی پھر ہنسنے لگی اور اس نے کہا۔ ”تم آخر اتنے بیوقوف
کیوں ہو۔“

”اس میں بیوقوفی کی کیا بات ہے۔“ قاسم رہا مان گیا۔ ”تم کبھی کچھ کہتی ہو کبھی کچھ
ایک بار تم نے کہا تھا کہ میں بالکل بے وقوف نہیں ہوں اور اب بیوقوف ہوں۔“

رشیدہ کی بخشی تیز ہو گئی۔ آخر بدقست تمام وہ سمجھی اختیار کرنے میں کامیاب ہوئی اور اس
نے پوچھا۔

”ذو دن سے حمید صاحب نہیں دکھائی دیے۔“

”دکھائی تو دے سالا.....!“ قاسم دانت پیس کر بولا۔ ”میں اسے کچا جا جاؤں گا۔“
حید کو بخشی ضبط کرنا دشوار معلوم ہوا تھا اس لئے وہ دہاں سے اٹھ گیا۔

قاسم بھی طرح طرح کے منہ بناتا ہوا کیبن سے نکل آیا۔ اگر اسے واقعی حمید مل جانا تو اسے
مار بیٹھنے سے بھی نہ چوکتا۔ وہ حمید کو دل ہی دل میں گالیاں دیتا ہوا ایک خالی میز پر
جا بیٹھا۔

شام کافی خوشنگوار تھی اور ہال میں لوگوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ لاکیوں کی بہت
تھی۔ قاسم اپنے ہوتھ چاٹتا ہوا ایک ایک کو گھومنے لگا۔ پھر اس کی نظریں ایک ایگھو اغڑی
عورت پر جم گئیں جو کافی کیم خیم تھی اور عمر انھائیں سے زیادہ نہ رہی ہو گئی۔ اس نے بھی قاسم کا
طرف دیکھا اور پھر بڑی ادا سے مسکرا کر منہ پھیر لیا۔

قاسم کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ اس عورت کو گھومنے جا رہا تھا۔ اب کی بار اس نے قاسم کو
آنکھ مار دی۔ میں پھر کیا تھا..... قاسم کی روح اس کے جسم کے اندر سر کے بل کھڑی ہو گئی۔ اس

”ضروز پیش گے۔“ قاسم بولا اور وہ ناشتے کی توکری خالی کرنے میں اس کا ہاتھ بھی نہ لگا۔ پائیاں، چاپس، تلے ہوئے چوزے دستخوان پر رکھ دیئے گئے۔ قاسم کو اور چاہے کیا تھا۔ عورت..... اور کھانے پینے کا سامان، تلے ہوئے چوزے دیکھ کر پہلے ہی اس کی اپنے لگی تھی۔

تھرماں سے گلاسوں میں شراب اٹھی لی گئی۔ دونوں نے گلاس ٹکرائے اور قاسم ایک ہی نیں اپنا گلاس خالی کر گیا۔ اس نے آج زندگی میں دوسری بار شراب پی تھی اور اسے اپنا انجیر بھی یاد آنے لگا تھا۔ اچانک اسے اپنے باپ کا ہٹر بھی یاد آگیا لیکن اس کے کان پر ایک نہ رینگی کیونکہ آج پہلی بار اس کی سب سے بڑی خواہش پوری ہوئی تھی یعنی ایک بڑی ”سی عورت کا قرب نصیب ہوا تھا۔

حالانکہ صرف اس نے ایک ہی گلاس پیا تھا اور ظاہر ہے کہ کمزور اعصاب کا آدمی بھی ہاتھ۔ مگر پھر بھی اس کا دماغِ الٹ گیا۔

”جان من.....!“ وہ عورت کی گردن رویچ کر بولا۔ ”میں دنیا کا سب سے زیادہ طاقت دی ہوں..... میں لو ہے کی بڑی بڑی بلا خیں..... بلا خیں..... نبیں سلانیں موز سکتا ہوں۔“
سے گو ہے کے لوے نکال سکتا ہوں۔“

”گو ہے کے لوے کیا چیز۔“ عورت نے بہن کر گردن سے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے پوچھا۔

”گو ہے کے لوے نہیں، لو ہے کے گوے۔“ قاسم نے کہا۔

”تم واقعی ایسے معلوم ہوتے ہو..... لو اور پیو۔“ اس نے تھرماں سے اس کے گلاس میں نٹیل دی۔

قاسم دوسرا گلاس خالی کر کے اٹھا اور ایک بڑا سا پتھر اٹھانے لگا۔ اتنا بڑا کہ تین آدمی بھی اٹھانے کی بہت نہ کر سکتے۔ اس نے اسے اٹھا کر چار پانچ گز کے فاصلے پر اچھال دیا۔ سچیرت سے منہ بچاڑے اسے گھور رہی تھی۔ لیکن اب شراب اپنا کام کر چکی تھی۔ قاسم کو اُڑے ہی کھڑے بڑے زور کا چکر آیا اور دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔

”اوہ..... تم آئی گے ڈارلنگ۔“ عورت نے سر میلی آواز میں کہا اور قاسم اپنے ہوشی، حواس کھو بیٹھا۔

”جاوہ تم جاؤ۔“ قاسم ڈرائیور کے ہاتھ میں دس دس کے دنوں ٹھوٹ ٹھوٹتا ہوا بولا اور اپنے سے بھرے ہوئے بورے کی طرح تیکسی سے نیچے لا ہک گیا۔

تیکسی واپس چل گئی اور قاسم ویس کھڑا ہاتھ رہا۔ عورت اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھی۔ ”تم بڑے پیارے ہو ڈارلنگ.....!“ اس نے مسکرا کر کہا۔

”مم..... میں ہاں میں ڈا پیارا ہوں۔“ قاسم نے جلدی سے کہا اور پھر غلطی کا احساس ہونے پر اپنے ہونٹ ملنے لگا۔

”میں تم سے محبت کرتی ہوں۔“ عورت نے کہا۔

اور نہ جانے کیوں قاسم نے جھینپ کر اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا۔

اس کی آنکھیں بھی بھجک گئیں اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔

”بڑی خوشنگوار شام ہے۔“ عورت بولی۔ ”آؤ ہم تھوڑی دری کی چنان پر بیٹھ کر دنیا کے غم بھول جائیں۔“

”بھول جائیں نہ۔“ قاسم ہکلایا۔

”آؤ تم میری مدد کرو۔“ عورت نے کہا اور اپنی کار سے ایک توکری نکالی جس میں

کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔ تھرماں اٹھایا۔ قاسم نے توکری اور تھرماں لے لئے۔ پھر

دونوں ایک طرف چلے گئے۔

وہ دو پیٹاںوں کی ایک درمیانی درازی میں آ پیٹھے۔

”میں تمہیں خواب میں دیکھا کرتی تھی۔“ عورت بولی۔

”میں بھی دیکھتا تھا۔“ قاسم نے کہا۔ اب اس کی بدحواسی کچھ دور ہو گئی تھی۔

”تم بڑے ابھی ہو۔“ عورت اٹھلائی اور اس نے ناشتے کی توکری سے دو گلاس نکالے۔

”ہم ایک دوسرے کا جام صحت پیش گے۔“ اس نے کہا۔

قائم کا پہنچے لگا۔ اب اس کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ آخوس نے بہت سوچ کر
نہیں میں تو تمہاری بیوی کو اپنی طاقت کا نمونہ دکھارا ہاتھا۔“
”سلکتے ہو.....!“ انگریز چینا۔

”اس سے پوچھو کیا میں نے اُسے ایک بڑا وزنی پتھرا ٹھا کر نہیں دکھایا تھا۔ کوئی دس بارہ
ہر ہا ہو گا۔“

”دس بارہ من.....!“ انگریز بگڑ کر بولا۔ ”اس سے بڑا جھوٹ اور کیا ہو گا۔“
”نہیں تو الٰم.....!“ یعنی کہ بائی گاؤں میں بالکل حق کہہ رہا ہوں۔“

”ابھی امتحان ہو جاتا ہے۔“ انگریز نے کہا۔ ”میرے ساتھ آؤ۔“
”وہ اُسے ایک ایسی جگہ لایا جہاں پتھر کی بہت بڑی بڑی سطحیں رکھی ہوئی ہیں۔“ ان میں
کوئی ایک اٹھا سکتے ہو۔“ انگریز نے پوچھا۔

”ہاں کیوں نہیں.....؟“

”اچھا تو جہاں میں کبوں ایک اٹھا کر لے چلو۔“
قائم نے جھک کر ایک سل اٹھائی اور انگریز کے ساتھ چلنے لگا۔ اُسے زیادہ دور نہیں جانا پڑا۔
”بیہیں ساری سطحیں اٹھا لاؤ۔“ انگریز بولا۔

”کیوں اٹھا لاؤں..... تمہارے باپ کا نوکر ہوں۔“
”گردن توڑ دی جائے گی۔“ انگریز اُسے گھونسہ دکھا کر بولا۔ ”یہی کیا کم ہے کہ میں نے
مل زندہ رہنے دیا..... تم میری بیوی کو پھانس رہے تھے۔“

”وہ خود مجھے پھانس کر لائی تھی۔“

”کوئاں ہے..... جو کام کہا جائے چپ چاپ کرو..... ورنہ مارڈا لے جاؤ گے۔“
”واہ اچھی زبردستی ہے۔“

”چلو..... ورنہ تمہارا قیمه کردیا جائے گا۔“

قائم نے سوچا بُرے پھنسے..... نہ جانے یہ لوگ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔ اس نے

عورت کے چہرے پر اطمینان نظر آنے لگا تھا۔ اس نے اپنا گاں جس سے انہیں عکر
ایک گھونٹ بھی نہیں پیا گیا تھا اٹھایا اور زمین پر الٹ دیا۔

قائم کی گھنٹے تک بے ہوش رہا اور جب اُسے ہوش آیا تو وہ بھی سمجھا کہ شلیلہ وہ اپنے
کمرے میں سور ہا ہے۔ اس نے کروٹ بدی اور اس کے نیچے خٹک گھاس کر کر رہا گئی۔
اوٹگھ، ہتھا اور اسی اوٹگھنے کے دوران میں اسے وہ ٹھیڑی سی عورت یاد آئی اور اس کی آنکھیں کھل
گئیں اور پھر وہ اچھل کر اٹھ بیٹھا۔ اس کے نیچے سوکھی ہوئی گھاس کا ڈھیر تھا اور وہ جہاں بھی تو
وہاں سے اُسے آسان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اس نے آنکھیں ملیں اور چند ہیلیا ہوا چاروں طرف دیکھنے لگا۔ وہ کسی غار میں تھا اور
اتا بے قوف بھی نہیں تھا کہ اس غار میں بچلی کا بلب روشن دیکھ کر بوکھلانہ جاتا۔

آہتہ آہتہ اس کے حواس خسہ بیدار ہوتے جا رہے تھے اور اب اُسے اس شور کا
احساس ہوا جو اسے پہلے بھی مسلسل سنائی دیتا رہا تھا۔ مگر اس نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا
تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پتھر توڑے جا رہے ہوں۔

وہ گھبرا کر غار کے دہانے سے نکل آیا۔ پہلے تو اسے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے وہ اندر ہے
سے ڈوب پیش آ گیا ہو لیکن پھر اس کی سمجھ میں آیا کہ وہ بچلی کی بہت ہی تیز قدم کی روشنی تھی اور
اس کے سامنے بے شمار آدمی چھینیوں اور ہتھوڑیوں سے پتھر کی دیواریں تراش رہے تھے۔
ایک پستہ قد اور موٹا سا انگریز اس کی طرف چھپتا۔

”تم جاگ پڑے..... بدمعاش..... سور..... کمینے۔“ وہ قائم کو گھونسہ دکھا کر بولا۔
”بان سنجال کے ذرا.....!“ قائم کو غصہ آ گیا۔

”تم میری عورت کو خراب کرنا چاہتے تھے۔“ انگریز نے چیخ کر کہا اور قائم اردو میں
ہکلانے لگا۔

”ارے توب..... ارے پیارے..... نہیں تو الٰم.....!“
”میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گا۔“

11 انسان دکھائی دیا۔ جس کی پیٹھ پر گھوڑے کی ایال کے سے بال تھے۔ وہ اس وقت بھی کے بل چل رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی کام کرنے والوں کے ہاتھ پیر تیزی سے چلنے گھنٹوں کے مل چلتا ہوا گویا کام کی ٹکرانی کر رہا تھا۔ اس کے آتے ہی وہاں سے لوگ چلے گئے۔ کام بڑی تیزی سے ہور رہا تھا۔ دفتراً اس حیوان نما انسان نے گھنٹوں پڑھنے ہوئے ایک مزدور کو دلوںی جھاڑ دی وہ بے چارہ سامنے والی دیوار سے جا نکل رکایا اور زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کا سر پھٹ گیا تھا لیکن کام بدستور جاری رہا۔ کسی نے مژکر اس دیکھا تک نہیں۔ کام کرنے والوں کی نظریں سامنے تھیں اور ان کے ہاتھ مٹھیوں کی سار ہے تھے لیکن چیرے تو مٹھیں تھیں کہ ان پر خوف کے آثار نظر نہ آتے۔

اہم گرے ہوئے ہوئے مزدور کو اٹھانے دوڑا۔

”تم کام نہیں کرتا سالا.....!“ وحشی نے دہاڑ کر کہا۔

قائم اس کی پروادہ کے بغیر اسے اٹھانے کے لئے جھکا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کے لی دلوںی پڑی۔ اگر قائم نے اپنے ہاتھ زمین پر نہ تیک دیئے ہوتے تو اس کے چیرے کا بن گیا ہوتا۔

قائم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ غصے کی آگ اس کے سارے جسم میں بھڑک اٹھی۔

”ہم سالومن کا گھوڑا..... مالم.....!“ وحشی نے ہنہنا کر کہا۔

”تیری دم میں ننداباندھوں سالے..... میں ہاتھی ہوں۔“ قائم اس پر ٹوٹ پڑا۔

وحشی بڑی پھر تی سے اس کی گرفت سے نکل گیا۔ اب وہ بھی سیدھا کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کا بہت زیادہ خوفناک نظر آنے لگا۔ ہونٹ کافنوں کی لوؤں تک پھٹے معلوم ہو رہے تھے۔ قائم نے دیوانہ ہور رہا تھا اور یہ کہنا بجا ہو گا کہ اسے اس کی شکل نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ پھر اس پڑ پڑا۔ لیکن قائم نے دوسرے ہی لمحے محسوس کیا کہ اس کا سارا جسم لوہے کی طرح سخت دوپول زور کرنے لگے۔

اپنکے کام رک گیا اور کام کرنے والے چیخ چیخ کر قائم کا دل بڑھانے لگے اور پھر تن

چاروں طرف نظریں دوڑا میں۔ لوگ بڑے انہاک سے اپنا کام کر رہے تھے لیکن سب ابھی نہیں تھے۔ انکی حالت تباہ تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ان سے بھی زبردستی کام لیا جا رہا تھا۔ قائم چپ چاپ سلیں ڈھونے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہیں بچ جائے پولیس کے حوالے کر دیا جائے اور اگر اس عورت نے بھی اسی کے خلاف شہادت دی تو پھر مصیبت ہی آ جائے گی۔ سلیں ڈھونکنے کے بعد وہ چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔

یہاں اس پستہ قد کے علاوہ دو انگریز اور بھی تھے مگر وہ کام نہیں کر رہے تھے۔

”اے تم ایڈھر سنو.....!“ انگریز نے ایک مزدور کو خاطب کر کے کہا۔ ”اس موٹے آدمی کام بتاؤ۔“

مزدور نے قائم کو اشارہ کر کے پاس بلایا۔

”یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“ قائم نے پوچھا۔

”پڑھنے۔“ مزدور نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”آپ آج ہی پھنسنے ہیں کیا۔“

”پھنسا ہوں..... کیا مطلب۔“

”کیا آپ اس حرامزادے کا پیچھا کرتے نہیں آئے تھے۔“

”کس حرامزادے کا۔“

”وہی..... حضرت سلیمان کا گھوڑا۔“

”ارے.....!“ قائم جیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ”کیا وہی تمہیں لایا تھا۔ تو کیا لوگ وہی ہو جو اس کے پیچے دوڑے تھے۔“

”جی ہاں..... اور اب ہم قیدی ہیں۔ ہم سے زبردستی یہ کام لیا جا رہا ہے۔ اگر ہم میں سے کوئی انکار کرتا ہے تو وہ ظالم اسے مارتے مارتے ادھ موادر دیتا ہے۔“

”کون مارتا ہے؟“

”وہی جانور..... گھوڑا۔“

ابھی یہ گفتگو ہوئی رہی تھی کہ قائم نے گھوڑے کی ہنہناہٹ کی آواز سنی اور پھر اسے ”

چار اگریز بھی آگے۔ انہوں نے تحریر آمیز نظر دوں سے ان دونوں کو دیکھا اور کشی ختم کر لئے
لئے زور زور سے چینے لگے۔

لیکن وہ کسی طرح بھی الگ نہیں ہوئے۔ ہر ایک کی بیکی کوشش تھی کہ وہ دوسرا کو زیر پر گرا دے لیکن ابھی تک کوئی بھی کامیاب نہیں ہوا تھا۔

اجاںک کسی نے چیخ کر کہا۔ ”سانو ٹھہر جائے۔“ ورنہ بہت مار کھائے گا۔“
اس آدمی میں نہ جانے کیا تھا کہ حشی کے ہاتھ پر کاپنے لگے اور وہ یکخت اچھل کر چکے
ہٹ گیا۔ قاسم اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اسی آواز نے کہا۔
”مٹھرو.....!“

قاسم نے رک کر آواز کی طرف دیکھا۔

ایک دراز قد اگریز سامنے کھڑا تھا جس کے چہرے کے دوسرے خدو خال اور آنکھوں:
ہم آئیں تھیں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ آنکھیں اس کے چہرے سے بالکل ہی الگ ہوں
بھی موجود تھے۔ بیان ختم ہو جانے کے بعد پولیس انسپکٹر کانٹہ پر نظر ثانی کرتا ہوا فاؤنڈین
قاسم اسے پہلی ہی نظر میں پیچان گیا۔ یہ جیر الدشاستری تھا۔

جب میں رکھنے لگا۔

”ارے آپ شاستری صاحب۔“ قاسم چیخ کر اس کی طرف بڑھا۔

”ہاں میں ہوں۔“ جیر الدشاستری لجھے میں بولا۔ ”تم تو پہلے بھی ہمارے دوست تھے۔“

”اب بھی دوست ہی ہوں۔“ قاسم بولا۔

کام پھر شروع ہو گیا تھا۔ جیر الدشاستری کی طرف مرکر بولا۔ ”سانو ٹھہر اپنے غار میں جائے۔“

وہ چپ چاپ وہاں سے چلا گیا۔

”میرے ساتھ آؤ۔“ جیر الدشاستری قاسم سے کہا۔

وہ اسے ایک دوسرے کمرے میں لا یا جو مکمل ہو چکا تھا۔ یہ کمرہ قاسم کو ویسا ہی معلوم تھا جیسے اس نے جیر الدشاستری کی پچھلی زمین دوز دنیا میں دیکھے تھے۔

جیر الدشاستری ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا اور اس سے اس نے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ

کی شادی کی گلگٹی سی عورت سے کر دے گا۔ پھر اس نے پوچھا۔

”فریدی اور حمید کہاں ہیں!“
”فریدی کا پتہ نہیں.....!“ قاسم نے کہا۔ ”لیکن حمید شیران ہوٹل میں ہے۔ اس نے
اپ کر کھا ہے اور وہ خود کو کیپشن پر کاٹ کرتا ہے۔ لیکن دو دن سے دکھائی نہیں دیا۔ اسے
پکڑا یے..... میں اس کی مرمت کرنا چاہتا ہوں..... لا حول ولا قوّۃ گو بھی کے پھول.....“

قاسم کی گھٹری

شیران کے نیجے کے کمرے میں ایک پولیس انسپکٹر مجھ کا بیان درج کر رہا تھا۔ انور اور
ہم آئیں تھیں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ آنکھیں اس کے چہرے سے بالکل ہی الگ ہوں
بھی موجود تھے۔ بیان ختم ہو جانے کے بعد پولیس انسپکٹر کانٹہ پر نظر ثانی کرتا ہوا فاؤنڈین

”شیران میں ایسے واقعات پہلی بار ہوئے ہیں۔“ ”نیجے بولا۔“ پہلے کیپشن پر کاٹ کر
بھی قاسم صاحب.....!“

”اس دوسرے آدمی کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ پسے ختم ہو جانے کی وجہ سے سامان
کام پھر شروع ہو گیا تھا۔ جیر الدشاستری کی طرف مرکر بولا۔“ سانو ٹھہر اپنے غار میں جائے۔

”اک جھاگ گیا۔ اس کے سوت کیس میں تیس ہزار کے نوٹ موجود ہیں۔“ پولیس انسپکٹر نے کہا۔

”وہ کوئی مفلس آدمی تو نہیں ہے۔“ رشیدہ نے کہا۔ ”ایک بہت بڑے سرمایہ دار کا لڑکا
وہ ٹھیک ہے۔“ پولیس انسپکٹر جیب سے دوبارہ فاؤنڈین پن بکالتا ہوا بولا۔ ”آپ نے
اک پتوں کھوایا ہی نہیں۔“

رشیدہ نے قاسم کا پتہ لکھوادیا کچھ دیر بعد انور اور رشیدہ مجھ کے آفس سے نکل آئے۔ وہ

ال کافی دیر خاموش رہے پھر رشیدہ بولی۔

”اس کے حرکات و سکنات مشتبہ ہیں۔“ انور نے اس کی جھلاہٹ پر دھیان نہ دے کر
یہ روز شام کو ایک سوت کیس لے کر باہر جاتا ہے اور شاید رات بھر واپس نہیں آتا۔“
”تو کیا ہیں..... وہ مشرب راؤن ہے۔“ رشیدہ نے پوچھا۔



پوسار خبطی آدمی جسے اس کے ساتھی، بادشاہ کہتے تھے، دریچے کے قریب کھڑا خواب
آنکھوں سے افق میں گھور رہا تھا۔ اس کے جسم پر بڑے پھولوں والا رُشمی بادھ تھا اور
ل میں مخل کے کامدار جوتے تھے۔

وفحٹا وہ کسی کی آہٹ پر دروازے کی طرف مڑا۔

دروازے میں فیلڈ کھڑا تھا۔ وہ نہایت ادب سے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکا اور پھر سیدھا

”تب تمہیں آج ہی یہاں سے سفر کرنا ہوگا۔“ معلوم ہوتا ہے کہ قاسم کے بغیر دل نہیں رائیو گیا۔

”کیا ہے۔“ دیوانے نے تکمانتہ بجھے میں پوچھا۔

”دیور سمجھی۔“ اس حکم نامے پر دستخط کریں گے۔“

”میں بھاگ جاؤ۔“ نکلو یہاں سے۔“ ہم بہت مشغول ہیں۔“

”تم کتے ہو۔“ رشیدہ پھر گئی۔“ کیا اس کی دولت اس حکومت کا عشر عشیر بھی ہے جو

”اچھا تو جوں کو یہاں بھیج دو۔“

انور نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ اس کی نظر میں سورگن کا تعاقب کر رہی تھیں جو اور پری

”پھر کمرے سے باہر نکل گیا۔“

دیوانہ بدستور وہیں کھڑا رہا اور تاریکی پھیل گئی۔ ایک آدمی نے کمرے میں آ کر روشنی کی

اور دیوانہ چونک کرمرا۔“ آدمی باہر جانے لگا۔

”خہرو۔!“ دیوانہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔“ وہ آدمی رک گیا۔

”کیا تم بتا سکتے ہو کہ میرا نام کیا ہے۔“ دیوانے نے کہا۔

”انور..... اب ہمیں یہاں سے چل دینا چاہئے۔“

”کیوں۔!“

”بس یونہی۔ اب میں یہاں نہیں ظہرنا چاہتی۔“

”تم شوق سے جا سکتی ہو۔“

”ہم آج ہی شام کی گاڑی سے واپس جائیں گے۔“ رشیدہ نے کہا۔

”تم جاؤ۔! مجھے مجبور نہ کرو۔“ کر۔!

”خواہ مخواہ بات نہ بڑھاؤ۔“ تم اب تک یہاں جھک ہی تو مارتے رہے ہو۔ تم نے اس معلوم کیا اب تک کیا کیا۔!

”کچھ بھی نہیں۔..... لیکن ارجمند گھائی والا واقعہ مجھے روکے رکھنے کے لئے کافی نہیں۔“

”میں تمہیں اس معاملے میں ناگزین نہیں اڑانے دوں گی۔“ سمجھے۔“ رشیدہ بولی۔

”لگ رہا ہے۔“

”میں تمہارا منہ نوچ لوں گی۔“ سوئر۔!

”اوہ۔ تو اس میں گزرنے کی کیا بات ہے۔ وہ ایک بہت بڑے سرمایہ دار کالڑا ہے۔“

”تم کتے ہو۔“ رشیدہ پھر گئی۔“ کیا اس کی دولت اس حکومت کا عشر عشیر بھی ہے جو

”میرے ہاتھ آ رہی تھی۔“

”میں نے یونہی کچھ نہیں کہا۔ اس کی نظر میں سورگن کا تعاقب کر رہی تھیں جو اور پری

”منزل سے نیچے آ کر صدر دروازے کی طرف جا رہا تھا۔“

”اس آدمی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔“ اس نے رشیدہ سے پوچھا۔

رشیدہ بدستور بھائی میٹھی رہی۔ انور نے کہا۔“ میرا خیال ہے کہ جیہد بھی اس کے چکر میں خا

نہ جانے کیوں یہ پچھلے تین دنوں سے تاریک شیشوں کی عینک لگانے لگا ہے۔ پہلے نہیں لگا تھا۔“

”تو میں کیا کروں۔!“ رشیدہ جھنجلا کر بولی۔

”شہنشاہ عالم.....!“ وہ آدمی تظیماً جھک کر بولا۔ ”آپ ساری دنیا کے باڈشاہ میں مختلف ملکوں میں آپ کے مختلف نام ہیں۔ ہم آپ کو عالم پناہ کہتے ہیں۔“
”لیکن میرا نام کیا ہے۔“ دیوانہ چھپھلا کر بولا۔

”جس کا جو دل جاہتا ہے کہتا ہے۔“

”تم گدھے ہو۔“ دیوانہ نے چیخ کر کہا۔ ”نکل جاؤ یہاں سے۔“

وہ آدمی ایک بار پھر تظیماً جھکا اور کمرے سے نکل کیا۔

دیوانہ بڑی بے چینی سے کمرے میں ٹھیل رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ باتھ سے اپنی پیٹ پر رکھنے لگتا اور پھر اچانک وہ چیخ کر ایک صوفے پر گر کیا۔ اس کی خوفزدہ آئیں اس وحشی پر ہوئی تھیں جو گھننوں کے مل چلتا ہوا کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ صوفے کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اس کی بڑی بڑی اور خوفناک آنکھیں دیوانے کو گھوڑی تھیں۔ اچانک وہ تیزی پلٹا اور اتنی ہی پھرتی سے صوفے پر دلتی جھاڑ دی۔ صوفہ اٹ گیا۔ دیوانہ دوسرا طرف گرا یا اس کے منہ سے آواز تک نہ نکل سکی۔ وحشی نے اچھل کر اسے دبوچ لیا۔ دوسرے لمحے وہ اپنے خونوار دانتوں سے دیوانے کا لبادہ چھاڑ رہا تھا اور دیوانہ اس طرح سہا ہوا ہاپ رہا جیسے وہ کوئی نہیں سی جیزیا ہوا اور ایک بڑا سا شکر اسے توچ رہا ہو۔ وحشی نے اس کے باہم بھینہوڑ ڈالے تب بھی دیوانے کے منہ سے آوازنہ نکلی۔ اس نے اس کے بازو اس طرح چا۔ کر خون بینے لگا۔ لبادہ پہلے ہی تارتار ہو رہا تھا۔ وحشی ایک بڑی سی ہنہناہت کے ساتھ پیچا اور اپنی براون رنگ کی میلی پتلوں کے جیب سے کاغذات کا ایک پلنڈہ اور فاؤنٹین پن لکائے پھر اس نے رخی دیوانے کو گود میں اٹھا کر لکھنے کی میز پر بھاڑایا۔

اور پھر دیوانے کے ہاتھ میں دبا ہوا فاؤنٹین پن تیزی سے کاغذات پر چلنے لگا۔

وحشی ایک ایک کاغذا لگ کرتا جا رہا تھا۔

تحوڑی دیر بعد اس نے سارے کاغذات سمیٹ کر اپنی جیب میں ٹھونے اور فراہم کر در پیچ سے باہر چھلانگ لگا کر اندر ہیرے میں غائب ہو کیا۔

بیانہ کر سی پر بیٹھا جھومتا رہا۔ پھر دھڑام سے نیچے چلا آیا۔ وہ بیہوش ہو چکا تھا۔ س کے گرتے ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور فیلڈ اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچے ایک آدمی

ڈاکٹر..... اسٹینڈی میں بیٹھا ہے۔“ فیلڈ نے مژکر دوسرے آدمی سے کہا۔
”اے بلا لا کا.....!“

وہر اآدمی چلا گیا۔ فیلڈ نے دیوانے کو فرش سے اٹھا کر صوفے پر ڈال دیا۔

تحوڑی دیر بعد ڈاکٹر ہاتھ میں بیک لٹکائے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔
”اوہ ڈاکٹر..... دیکھنے..... دیکھنے.....“ فیلڈ غمناک لمحے میں بولا۔ ”چچا آر قھر کو آج پھر ہگیا اور انہوں نے اپنی یہ گت بناڑا۔“

ڈاکٹر نے بیک کو میز پر رکھتے ہوئے ایک طویل سانس لی اور بولا۔ ”دیکھنے میں عرصے رہا ہوں کہ یا تو انہیں پاگل خانے داخل کر دیجئے یا پھر انہیں تہانہ چھوڑا جائے۔“

”میں کیا بتاؤ۔“ فیلڈ ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ ”کبھی کبھی غفلت ہوئی جاتی ہے۔“

”دیکھنے.....!“ ڈاکٹر نے کہا جو دیوانے کے رخی بازوؤں پر سے لبادے کی دھیاں ہٹا۔ ”یہ زخم کبھی نہ کبھی زہر باد میں بھی تبدیل ہو سکتے ہیں۔ یا تو انہیں آپ ہر وقت گفرانی لھنے یا پھر کوئی اور معانع ڈھونڈ لجھے۔ مجھے ان پر ترس آتا ہے۔“

”اب کیا بتاؤ۔“ سب کم بخت نوکروں کی غفلت سے ہوتا ہے۔

”تو پھر انہیں پاگل خانے ہی میں داخل کر دیجئے۔“ فیلڈ نے کسی خوفزدہ پیچے کی لہا۔
”نہیں یہ مجھ سے نہیں ہو گا..... پاگل خانہ۔ میرے خدا۔“ فیلڈ نے کسی خوفزدہ پیچے کی لہا۔

”تو پھر ان کی حفاظت کیجئے۔“ ڈاکٹر نے بیک سے سرخ ٹکال کر سوئی اس میں فٹ نہ ہوئے کہا۔ اتنے میں جولی کمرے میں داخل ہوئی اس نے دیوانے کی طرف دیکھا اور منہ سے ہلکی اسی چیخ نکلی۔

”بچا آر تھر.....!“

اور پھر وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر سکیاں لینے لگی۔ فیلڈ جلدی سے اس کی بڑھا اور اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

ڈاکٹر انجمن دے چکنے کے بعد بولا۔ ”مسٹر فیلڈ! ایسے دیوانے جو دوسروں کے ضرر اور اپنی ہی بوٹیاں نوچنے والے ہوں کسی وقت بھی مر سکتے ہیں۔“

جو لوئے باقاعدہ روتا شروع کر دیا۔



ارجن گھاٹی پر گھری تاریکی مسلط تھی۔ آسمان میں سیاہ بادل رینگ رہے تھے۔ ایسا ہو رہا تھا جیسے تھوڑی ہی دیر میں بارش شروع ہو جائے گی۔“

گھاٹی سنان نہیں تھی۔ وہاں کئی دن سے مٹری کا ایک دستہ مقین تھا اور اس فوجیوں کے خیلوں میں کہیں کہیں روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن یہ سب کچھ یقین گھاٹی ع تھا اور اپر چٹانیں بدستور ویران پڑی تھیں۔ اچانک ایک تاریک سائے نے یقین گھاٹ جھاٹ کا اور آہستہ سے دوسری طرف رینگ گیا۔

یہ فریدی تھا اور اسے اس راستے کی تلاش تھی جس کے ذریعے وہ جسی آدمی کا تھا کرنے والوں کو اپنے ساتھ لے جایا کرتا تھا۔

کئی راتوں سے وہ ان چٹانوں میں بھک رہا تھا۔ لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی۔ ایک بار اس نے کچھ بھم سے نشانات کے ذریعے بھی آگے بڑھنا چاہا تھا لیکن جہاں پہنچا گرد کی تہہ نہیں تھی وہاں سے پھر راستہ مسدود ہو گیا تھا۔

اس دوران میں اس نے مجرن فرست سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت ہی نہ محسوس کی تھی۔ حمید والے داقتے کے بعد سے اُسے یقین ہو گیا تھا کہ اس ہنگامے کے پس مٹر جیراللہ علی کی شخصیت ہے اور یہ تو حقیقت ہے کہ جیراللہ کے انجام کے متعلق اس کی رائے ث

ہے دوسروں سے مختلف تھی۔ وہ اس بات پر کسی طرح یقین ہی نہیں کر سکتا تھا کہ جیراللہ علی کی شخصیت خود کشی کی مرحلہ ہو گی۔

اس کی دانست میں صدامی کا قتل محض ایک ضمنی قسم کا جرم تھا جو حصول دولت کے لئے کیا

تھا۔ ظاہر ہے کہ جیراللہ کے پاس اس کی ذاتی دولت تو تھی نہیں جس کے بل بوتے پر وہ

ہماری دنیا پر حکومت کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ابھی کے

ذمیوں کو معمولی چوروں اور ڈاکوؤں کی سی حرکتیں کرنی پڑتی ہوں گی۔ فریدی کے ذہن میں کئی

دی بڑی ڈیکٹیوں کے کیس بھی تھے جن کا ابھی تک کوئی سراغ نہیں سکا تھا۔ یہ ساری ڈیکٹیوں

بڑے بینکوں میں ہوئی تھیں اور اتنے پر اسرا ر طریقے پر ملک کے مختلف حصوں میں ٹمبل میں

الی گھنی تھیں کہ ابھی تک سراغ رسان واردات کرنے والوں کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکے تھے

لیکن طریقہ کار کی یکسانیت کی بناء پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ کسی ایک علی گروہ کی ذات سے

تعلیم رکھتی ہیں۔

جیراللہ شاستری کی چہلی زمین دوز دنیا کی تباہی کے بعد سے اب تک کئی بار فریدی پر حملہ

بھی ہو چکے تھے اور وہ ہر بار صاف فتح گیا تھا۔ لیکن موجودہ واقعات کے رومنا ہونے سے قبل

اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ جیراللہ علی کی طرف سے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنے پیشے کی

ہباؤ پر شہر کے سارے ہی جرام پیشہ آدمیوں کی آنکھوں میں کائنے کی طرح ھکلتا تھا۔ اس لئے

اس کا دھیان کسی ایک طرف نہیں جاسکا تھا اور اب جیراللہ علی اس کا شکار تھا۔ اس نے اپنے

شب و روز اس کے لئے وقف کر دیتے تھے۔ لیکن ابھی تک اس سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ وہ کئی

بار اس مکان کی گرانی بھی کر چکا تھا جس میں حمید نے اپنے چند گھنٹے ایک قیدی کی حیثیت سے

گزارے تھے اور کئی بار اس دیوانے آدمی کو دیکھ چکا تھا اس کی غرض و غایت کیا تھی یہ اب تک

اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ حالانکہ وہ اس سے پہلے بھی جیراللہ شاستری کو سنکر کے ایک

بڑے عالم کے روپ میں دیکھ چکا تھا مگر یہ حیثیت۔ وہ اس دیوانے کو جیراللہ سمجھ لینے پر قطعی تیار

نہیں تھا اور اگر وہ جیراللہ علی تھا تو اس بھیں کا مقصد بچ مجھ کی بیانگوں میں تھا۔ ملا وہ اور کیا ہو سکتا تھا۔

اجا سکتا تھا۔ دوسرا لے لوگ بھی کام میں مصروف تھے اور وہ انسان نما گھوڑا ان کی نگرانی کر رہا تھا۔ آج بھی اس نے دو تین آدمیوں کی لاتوں سے مرمت کی تھی مگر قاسم کے کانوں پر جوں نہ رینگی۔ وہ مغلوبی گھڑی لڑکوں کے خیال میں گئ تھا اور جیراللہ کو ناراض کرنا نہیں چاہتا۔ اچانک اس نے گھوڑے کو مخاطب کر کے کہا۔

”ابے اُو..... وہ میری گھڑی کہاں ہے۔“
”کیا گھری.....!“

”کیا.....!“ قاسم جھلا کر بولا۔ ”تو نے کل شام کو مجھ سے لمبیں تھیں۔“
”ہم نہیں جانتا گھری وری..... سالاٹم اپنا کام کرو۔“
”ابے تم خود سالا۔“ قاسم غصیل آواز میں بولا۔ ”میرے سالے کا سالا..... تمیز سے تکیا کرو۔“

اس کے جواب میں وہ قاسم کو چونچ دکھا کر ہنسنے لگا۔
قاسم کا پارہ چڑھ گیا اور وہ ایک لڑکی سے بولا۔
”دیکھا..... اسے شرم نہیں آتی..... گھوڑا ہو کر چونچ دکھاتا ہے۔“
لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

”تمہیں میری گھڑی واپس کرنی ہوگی۔“ وہ اسے گھونسہ دکھا کر بولا۔
”ارے تم اپنا کام کرو۔“ ایک لڑکی نے کہا۔ ”اس جنگل سے مت الجھو۔“
”تو گھڑی اسے ہضم کر جانے وال۔“ قاسم نے جھلا کر کہا۔ ”جانتی ہو کتنی قیمتی گھڑی
بجے۔ آں پلاٹھم اور ڈائیل پر ہندسوں کی جگہ جواہرات ہیں۔“
”اوہ..... مگر تم نے اسے دی ہی کیوں تھی۔“ لڑکی بولی۔
”اس نے کہا میں ابھی واپس کر دوں گا۔“

”تب تو مل چکی۔“ لڑکی بہن پڑی۔ ”وہ کہیں چینک آیا ہو گا۔“
”میں اس کے باپ سے بھی وصول کراؤں گا۔“ قاسم گردان جھٹک کر بولا۔ پھر وحشی سے

لیکن اسے جیراللہ جیسے آدمی سے اس کی توقع نہیں تھی اور پھر اس کی آنکھیں اس دیوانے سے بالکل ہی مختلف تھیں۔ فریدی چٹانوں میں ریگنا رہا۔ اس کی نظریں بار بار آسمان کی طرف بھی اٹھ جاتی تھیں اور وہ دفع رہا تھا کہ شاید بارش کی وجہ سے اسے یہ ات بیکاری ہی میں گزارنی پڑے گی۔

وہ واپسی کا ارادہ کر رہا تھا کہ اس کا ہاتھ کسی چھوٹی سی گول چیز پر پڑا اور وہ پھر اسے سامنے سے معلوم ہوئی۔ اس نے اسے گرفت میں لے لیا۔ جیب سے منہی سی تارچ نکالی جس کی لمبائی درمیانی انگل سے زیادہ نہیں تھی۔ یہ ایک خوبصورت سی کلائی کی گھڑی تھی جس کی ٹوٹی ہوئی چین اس کے دونوں گوشوں سے جھوول رہی تھی۔ فریدی اسے الٹ پیٹ کر، یکھنے لگا اور پھر وہ بے اختیار چونکہ گھڑی کی پشت پر قاسم کا پورا ناکندہ تھا۔ یہ سانے اسے پہچان لیا۔ وہ حقیقتاً قاسم ہی کی۔ یہ تھی۔ پھر اسے قریب ہی ریشمی کپڑے کی ایک بڑی سی دھنی بھی ملی جس پر پھول بنے ہوئے تھے۔ وہ تھوڑی دیر تک قرب و جوار کی چٹانوں کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے اس جگہ جہاں گھڑی ملی تھی ایک نشاٹ بنایا اور واپسی کے لئے رینگنے لگا۔

بوندا باندی شروع ہو گئی تھی۔

چٹانوں میں

قاسم کی تھکے ہوئے بھیتے کی طرح ہانپ رہا تھا۔ لیکن اس کے او جو بھی اس کے کام کی رفتار میں سستی ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ صبح سے اب تک اس نے درجنوں بہت بڑے بڑے پتھر ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ پہنچائے۔ حالات کچھ ایسے تھے کہ یہ مفت کی محنت گراں بھی نہیں گزر رہی تھی۔ بت صرف یہ تھی کہ پاس ہی کوئی، چند خوبصورت لڑکیاں اس کا دل بڑھا رہ تھیں۔ شاید جیراللہ اس کی اس کمزوری سے واقع ہو گیا تھا۔ سے یہود۔ ہی بنا کر ہم

کہا۔ ”لابے دیتا ہے یا میں شاستری صاحب سے کہوں۔“

وحشی گھنٹوں کے بل دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا اور خوشامد ان انداز میں اس کے پیر دبانے لگا۔ ”تائیں..... سالاٹم اس سے تائیں بولے گا۔“ اس نے کہا۔

”ہائیں پھر وہی سالا۔ ابے شامت آئی ہے کیا۔“

”سانوٹے! بھاگو یہاں سے۔“ ایک لڑکی نے اسے لکارا۔ اور وہ چپ چاپ واپس چلا گیا۔

گھری بہت قسم تھی۔ قاسم سوچ رہا تھا کہ وہ آج رات کو حشی کی غار کی طاثی ضرور لے گا۔ وہ شاستری سے بھی شکایت کر سکتا تھا مگر سوال تھا ملاقاتیں کا۔ وہ اس سے صرف ایک عبارت ملا تھا اور یہاں کوئی اس کے متعلق کچھ نہیں بتاتا تھا۔ وہ لوگ شاستری سے متعلق کسی سوال کا جواب ہی نہیں دیتے تھے۔



حید کی دانست میں تو یہی مناسب تھا کہ وہ فیلڈ کو پکڑ کر اس سے جیرالڈ کا پتہ پوچھتا۔ وہ پناہ قیدی بنتا۔ پولیس کو ہوا ہی نہ لگنے دیتا۔ اس سے پہلے بھی تو وہ کتنی بار یہ طریقہ اختیار کرتا۔

ادھر اس دوران میں ایک دوسری بات کا انکشاف ہوا تھا جو شیزان ہوٹل میں مسٹر براؤن اہم آنے والی تاروں کے متعلق تھی۔ میحر نصرت نے اپنی تحقیقات برابر جاری رکھی تھیں اور لی رپورٹ اخبارات میں شائع ہوئی تھی۔ شیزان ہوٹل کے ممبر کا بیان تھا کہ مسٹر براؤن اہم کے تار بار بار آتے رہے تھے لیکن وہ انہیں واپس کر دیتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب وہاں اسٹر براؤن تھا ہی نہیں تو انہیں وصول کون کرتا تھا۔ میحر نصرت نے تار گھر سے رجوع کیا اپنی کے ہوئے تاروں کے فارم نکلوانا چاہتا تھا۔ لیکن وہاں سے جو جواب ملا وہ حیرت انگیز پوٹ ماسٹر نے بتایا کہ مسٹر براؤن کا کوئی تار کبھی واپس نہیں آیا۔ سب وصول کے لئے اس بار تار بانٹنے والوں کی پیوں بکیں نکلوائی گئیں۔ ان پر براؤن کے دستخط موجود تھے۔

ایک کا بھی طرز تحریر دوسرے سے نہیں ملتا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ مختلف آدمیوں نے مختلف حید کو قاسم کی گلشنگی پر بڑی حیرت تھی۔ اس نے اسے انگلو افریقین لڑکی کا تعاقب کرتے تھے میں براؤن کے دستخط کئے ہیں..... اور دو ایک دستخط تو ایسے تھے جیسے کسی آدمی نے نہیں دیکھا تھا۔ اسے حیرت تھی کہ آخر قاسم سامان چھوڑ کر کیوں کہیں غائب ہو گیا۔ وہ سوچ رہا ہے کہ حروف کی نقل کر دی ہو۔ جو انگریزی سے قطعی ناولد ہو۔ یہ چیز حیرت انگیز تھی۔ اس تھا کہ کہیں انور نے اسے ٹھکانے تو نہیں لگا دیا۔ مگر یہ خیال بھی احتفاظ تھا۔ انور اس کی جرأت لئے تار بانٹنے والوں سے باز پرس کی گئی اور ان سب نے یہی بتایا کہ وہ تار شیزان ہوٹل ہی کریں نہیں سکتا تھا اور پھر وہ رشیدہ کے معاملے میں کبھی اتنا زیادہ سنجیدہ نہیں رہا تھا کہ اس کے وصول کئے گئے تھے۔ میحر نصرت کی الجھن کیلئے اتنا ہی کافی تھا۔ ہوٹل کے ممبر کا بیان کر کی عاشق کو پانیار قیب سمجھ بیٹھتا۔

فریدی نے اب تک اس سے رابطہ قائم نہیں کیا تھا۔ کئی بار اس کا دل چاہا کہ مورگن کا تعاقب کرے جو اب شیزان ہی میں مقیم تھا۔ مورگن عموماً رات کو باہر ہی رہتا تھا اور اب ” تاریک شیشوں کی عینک بھی استعمال کرنے لگا تھا۔ اس نے اضافے کی بناء پر حید فریدی سے رابطہ قائم کرنے کے لئے بے چین تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر فریدی کی ایک کا اسیں اس کا کیا قصور؟ بات تھی بھی قاعدے کی خواہ بچ رہی ہو خواہ جھوٹ۔

”طبعی.....لیکن یہ۔“ فریدی رنگین کپڑے کی دھنی حمید کے سامنے رکھتا ہوا بولا۔ ”یہ بھی ان گھری کے قریب می تھی۔“

”اس کا کیا مطلب.....!“ حمید جو نک پڑا۔ کچھ در خاموش رہا پھر بولا۔ ”ظاہر ہے اس کپڑے کا لباس کسی عورت ہی کا ہو سکتا ہے۔“

”نہیں.....اس کپڑے کے پردے بھی بنائے جاسکتے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”تو پھر اب کیا پروگرام ہے۔“

”میں کل رات اُس چٹان پر نشان بنا آیا تھا ہو سکتا ہے کہ راستہ وہیں کہیں قریب ہی ہو۔“

لر رات بارش کی وجہ سے مجھے وہاں سے چلا آتا پڑا تھا۔ آج ہم اسے دیکھیں گے۔“

”آپ کے لئے ایک دوسرا اطلاع بھی ہے۔“ حمید نے کہا اور براؤن کے تارکا واقعہ حمید کو یاد آیا کہ فریدی کا اقامتی غار رانی باغ کی۔ ان سے تموز ہی فاصلے پر تھا۔

”میری لئے یہ اطلاع بہت پرانی ہو چکی ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”فرزند! یہ بات لائق وقت کی ہے جب میں یہاں آیا تھا۔ میں نے اس تارکے متعلق چھان بین کی تھی اور مجھے سروسامانی کے نام میں بھی کسی دن شیو کرنا نہیں بھوتا اور اس کے کپڑے بھی گند نہیں تھے۔“

”وہ کیا حشر ہوا تھا۔ غالباً یہ بات اخبار میں نہیں آئی۔ کیوں؟“

”تار باشندہ والوں کا بیان ہے کہ وہ وصول کئے گئے۔ حالانکہ وصول کرنے والے کے خلاف مختلف کاپیوں پر مختلف ہیں۔ لیکن انہیں وصول ضرور کیا گیا ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اتنے ہی تار باشندہ والے براؤن کے آدمی ہو سکتے ہیں۔“

”ان میں سے ایک بھی براؤن کا آدمی نہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”پھر آخر تارکا کیا حشر ہوا۔“ حمید چھٹا کر بولا۔

” بتاتا ہوں۔“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”فرض کرو کہ تم ایک تار باشندہ والے پاس کئی تار ہیں ان میں سے ایک ایسا بھی ہے جس کی نے لیا نہیں۔ بہر حال تم اسے ہل لئے جا رہے ہو۔ تمہیں اس تار کو دفتر میں واپس کرنا ہے۔ جب تم دفتر پہنچے اور تم نے اپنے

حمد بڑی دیر سے ڈائینگ ہال میں بیٹھا اور اور شریڈہ کو کسی بحث میں مشغول دیکھ رہا تھا اور اسے اس بات پر صحیح معنوں میں خوشی تھی کہ جتنا ہے جانتا ہے اس کا عشرہ عشیرہ بھی انور کو نہیں معلوم۔ رات کے آٹھ بجے تک اور حمید کھانے سے فارغ ہو کر اٹھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ ایک دیٹر نے اسے فون کاں کی اطلاع دی۔ حمید کی موجودہ حیثیت میں یہ پہلی فون کاں تھی اور اس کی اس حیثیت کا علم فریدی کے علاوہ اور کسی کو نہیں تھا۔ اس نے یہی نتیجہ تکالا جا سکتا تھا کہ وہ کاں فریدی ہی کی تھی۔

وہ حقیقتاً فریدی ہی کی فون کاں تھی اور فریدی نے اسے دس بجے رات کو رانی بانی کی اترائی کے قریب بلا یا تھا۔

”آپ کے لئے ایک دوسرا اطلاع بھی ہے۔“ حمید نے کہا اور براؤن کے تارکا واقعہ حمید نو بجے روشن ہو کر ٹھیک دس بجے رانی بانی کی اترائی۔“ یہ پہنچ گیا۔

”آج بھی مطلع ابر آلود ہونے لی وجہ سے گہری تاریکی تھی۔“ حمید کو انتظار نہیں کرنا پڑا۔ فریدی اسے اپنی اقامتی غار میں لے گیا۔ حمید کو اس بات پر حرمت تھی کہ فریدی اس بے سروسامانی کے نام میں بھی کسی دن شیو کرنا نہیں بھوتا اور اس کے کپڑے بھی گند نہیں تھے۔“

فریدی نے وہ گھری حمید کو دکھائی جو کچھلی رات ارجمندگائی کی ایک چٹان پر پہنچ گئی۔

”اوہ..... یہ تو سو فیصد قاسم ہی کی ہے۔“ حمید بولا۔ ”تو اس کا یہ مطلب۔“ قم جی اللہ ہی کے پہنڈے میں پھنس گیا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید نے پھر کہا۔ ”سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر جریل اللہ کو قاسم سے اتنی دیکھی۔ پہلی بار بھی اس نے اسے اگوا کیا تھا۔“

”قاسم کام کا آدمی ہے۔ خصوصاً ایسے موقع پر۔“ فریدی چند لمحے رک کر بولا۔ ”بزرگ اللہ اپنے لئے نی زمین دوز دنیا تعمیر کر رہا ہے کیا قاسم ایک اچھا مزدور نہ ثابت ہوگا۔ وہ غیر معمول طور پر طاقتور ہے۔“

”تواب قاسم کے غائب ہونے کا مسئلہ بھی صاف ہو گیا۔“ حمید نے کہا۔

نہیں بارش کی صورت میں وہ جگہ مخدوش ہو جاتی ہے۔“

روہ خاموشی سے راستے کرنے لگے۔ حمید قدم قدم پر لاکھڑا رہا تھا۔ اور پر نیچے زو ہے..... درازیں..... اور کائنے دار جہاڑیاں۔

اس پاگل شہنشاہ کے متعلق بھی کچھ معلوم کیا آپ نے۔“ حمید نے پوچھا۔

کل رات کی اطلاع ہے کہ اس نے خود کو بہبہان کر لیا تھا۔ اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے تھے۔“
بھجھے میں نہیں آتا کہ وہ ہے کیا بلہ.....؟“

اثاث میں جاتا ہوں کہ وہ محض مذاق نہیں ہے۔ اس کے پس منظر میں کوئی اہم بات ہے۔

اگر آپ چاہتے تو فیلڈ کو پکڑ کر اپنے طور پر بہت کچھ اگلوں کتے تھے۔“ حمید نے کہا۔
ہم مکن..... کیا تمہیں عرفانی صاحب کے والی ڈائری کی تحریر یاد نہیں۔ جیرالد کے گروہ
اراز بنا نے پر مر جانے کو ترجیح دیتے ہیں۔“

کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید نے پوچھا۔

کیا آپ انور کو شریک کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔“

نہیں..... میں اسے ایک ہلاکا سبیق دینا چاہتا ہوں۔ وہ اپنی کارگزاریوں پر کچھ مغادر
۔۔۔۔۔

مغادر تو آپ بھی ہیں۔“ حمید نے کہا۔

لیکن مجھے اپنے متعلق کوئی غلط فہمی نہیں۔ جہاں میں بے بس ہوتا ہوں وہاں بے بسی کا
بھی کر لیتا ہوں۔“

اور جن گھنائیں کے قریب پہنچ گئے۔ اب فریدی حمید کو جس راستے پر لے جا رہا تھا وہ
دو شوار گزار تھا اور ذرا ہی دیر میں حمید کی سانس پھولنے لگی تھی۔ یہاں وہ کھڑے ہو کر چلنے
کے سینے کے بل رینگ رہے تھے۔

” غالباً بھی وہ جگہ تھی۔“ فریدی نے جھوٹی سی تاریخ نکال کر اسے روشن کرتے ہوئے
پرہا..... دیکھو یہ نشان.....!“ اس نے پھر تاریخ بچھا دی۔ وہ ٹھپر گیا تھا۔ حمید نے سوچا
۔۔۔۔۔ جنگل کی آگ“ جلد نمبر 12 ملاحظہ فرمائی۔

کاغذات جمع کرنے کے لئے نکالے تو وہ تاریخاب تھا جسے تم نے واپس کرنا تھا اب بتاؤ تم ایں
صورت میں کیا کرو گے۔ اپنی جان بچانے کے لئے یہی کرو گے تاکہ وصول یا یہی کے اس خالے
میں اس آدمی کے دستخط کر دو جسے وہ تاریخ بچانے چاہے تھا۔ اب اگر پوچھ چکھ ہو تو تم یہ کہہ کر کسی حد
تک پیچھا چھڑا سکتے ہو کہ وصول کنندہ کی پیشانی پر اس کا نام تو تحریر تھا نہیں۔ اس نے کہا وہ
براؤن ہے اور تم نے اسے تاریخ دیا۔“

”تو کیا وہ سارے دستخط تاریخاب باشندے والوں کے ہیں۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔

”سے فیصلی بھی بات ہے۔ میں نے ان سب سے اقبال کرالیا ہے۔ لیکن میں نہیں چاہتا
تھا کہ ان غربیوں کی مٹی پلید ہو۔ آخر ان کا کیا قصور۔ لیکن تاروں کو لان کی جیسوں سے غائب
کرنے والا کوئی ایسا ہی آدمی ہو سکتا ہے جو شیزان میں ہر وقت موجود رہتا ہو۔“

”کمال ہے۔“ حمید بڑھ رہا۔ ”لیکن تاریخاب باشندے والوں نے یہ بات مجرم نصرت کو نہیں بتائی۔“

”میں نے انہیں منع کر دیا تھا۔ سمجھا دیا تھا کہ وہ اپنے اسی بیان پر اڑے رہیں کہ انہوں
نے تاریقہ کئے تھے۔“

”آخر میں کیا مصلحت تھی۔“

”محض ان غربیوں کی ملازمت بچانے کے لئے۔ وہ یہ بات مجھے بھی نہ بتاتے لیکن
طریقہ کارنے اگلوں لیا۔“

”آخر وہ کون آدمی ہو سکتا ہے جس نے تاریخ ائے۔“ حمید خود سے بولا۔ ”کیا مورگن“ پھر
اس نے چوک کر کہا۔ ”خوب یاد آیا..... مورگن اب تاریک شیشوں کی عینک بھی لگانے لگا ہے۔“

”خوب.....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اچھا اب ہمیں دیر نہ کرنی چاہئے۔“
بانکل سیاہ لباس میں چنا ہو گا۔ تمہارے پکڑے وہ ادھر کے ہوئے ہیں۔“

”وہ جلد ہی تیار ہو گے۔“

”بادل تو آج بھی ہیں۔“ فریدی بولا۔ ”لیکن بارش کے امکانات نہیں۔“

”اگر ہوں بھی تو آپ کا کیا بگزتا ہے۔“ حمید بڑھ رہا۔

نے سوچا کہ اس وقت سانوٹے اپنے غار میں تھا ہی ہو گا۔ تین چار گھنٹوں کے لئے کام رک ہا در اس زمین دوز دنیا کی فضا پر خاموشی مسلط تھی۔ بھلی پیدا کرنے والے جزیرہ کو وہاں لوں نے ایک ایسے غار میں فٹ کیا تھا جہاں سے اس کا شور پھیلنے نہیں پاتا تھا۔ یا پھر وہ یہی کسی خاص قسم کا رہا ہو گا..... بے آواز۔“

قائم اٹھ بیٹھا۔ غصے سے اس کی حالت ابتر ہو رہی تھی۔ وہ اپنے غار سے نکل کر اس زیر ہمار میں آیا جہاں دن بھر کام کرتا رہا تھا۔ یہاں ایک بھی تنفس نظر نہیں آ رہا تھا اور صرف بلب روشن تھا وہ بھی زیادہ سے زیادہ سائٹھ پاؤ رکارہا ہو گا۔ اتنے بڑے غار کے لئے اس کی انکافی تھی۔

قائم کو سانوٹے کا نہ کہانے معلوم تھا۔ وہ سانوٹے کے غار میں داخل ہوا۔ لیکن سانوٹے وہ نہیں تھا۔ کچھ در قبل شاید وہ تینیں رہا ہو گا۔ کیونکہ کھانے کے برتن جھوٹے پڑے ہوئے۔ قاسم نے سوچا موقع اچھا ہے کیوں نہ اس کے سامان کی تلاشی لی جائے۔ شاید اس نے بڑی تینیں کہیں چھپا رکھی ہو۔ قاسم کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ سانوٹے تھا تو جو شی لیکن اس ساتھ کی ساری چیزیں اعلیٰ قسم کی اور پر تکلف تھیں۔ وہ نہایت نیس قسم کا تمباکو پیتا تھا۔ استعمال کی تھی کہ اس پر تکلف تھا۔ سامان میں قاسم کو عمدہ قسم کے سیست کی شیشیاں بھی ملیں۔ ایک الیم ماں دیا جس میں زیادہ تر نگی تصویریں تھیں۔ کچھ خطوط بھی ملے جو لڑکوں کی طرف سے لکھے ہوئے تھے اور یورپ کے مختلف حصوں سے آئے تھے۔

اسے سب کچھ ملا لیکن وہ گھری نہ ملی جس کی اسے تلاش تھی۔ وہ ساری چیزیں جوں کی لی رکھ کر مڑا ہی تھا کہ اسے غار میں ایک دوسرے غار کا دہانہ نظر آیا۔ قاسم نے وہاں جماں کر دیکھا لیکن تار کی کی وجہ سے کچھ بھائی نہیں دیا۔ اس نے پیٹ کر سانوٹے کی تار چوں میں سے ایک اٹھائی اور غار میں اتر گیا۔ سب سے پہلے اس کی نظر ایک مشین گن پر پڑی جس میں میگرین چڑھا رہا تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے کسی محلے کے لئے پہلے ہی سے تیار کیا گیا ہو۔ قاسم اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا۔ لیکن تھوڑی سی دیر بعد یہ بات اس کی کچھ میں

چلو غنیمت ہے۔ اس طرح سانس بھی اعتدال پر آ جائے گا۔ لیکن اس کا خیال غلط تھا۔ فریڈ بھر ریکنے لگا تھا۔ طوحا کرہا وہ بھی بڑھا۔ فریڈ نے ابھری ہوئی چٹان کے گرد ایک چکر لکایا باریک سی شعاع والی تاریخ روشن تھی اور وہ اس کی روشنی چٹان کی جڑ میں ڈال رہا تھا۔ فریڈ کو ایک جگہ ایک دراڑی نظر آئی۔ اتنی لمبی اور چوٹی کہ ایک آدمی لیٹ کر با آسانی اس میں ہا کر تھا۔ فریڈ نے دراڑ میں تاریخ ڈال کر دیکھا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اپنا سر پیچے کھیلایا۔ ”اندر سے کافی کشادہ غار ہے۔“ اس نے سر گوشی کی۔ وہ گھائی کی سطح سے صرف دس یا بارہ فٹ کی اوپھائی پر تھے اور ان سے فوج کا پڑا ہم کچھ زیادہ دور نہیں تھا۔

وہ غار

قاسم دن بھر کی محنت کے بعد کافی دل برداشتہ ہو رہا تھا اور یہ بات کچھ کچھ اس کی سمجھتی بھی آنے لگی تھی کہ اسے بے وقوف بنایا جا رہا ہے اور آج تو اس سے بالکل ہی معمول قیدیاں سا برتاؤ کیا گیا تھا۔ گھری کے معاملے میں وہ سانوٹے سے الجھ پڑا تھا اور نوبت پھر کشی کی کہ آگئی تھی کہ تین چار انگریز اس پر ٹوٹ پڑے۔ کسی طرح وہ ایک پھر سے انک کر گر گیا۔ انہوں نے اس کی خاصی مرمت کر دی۔ اس کے بعد ان میں سے ایک نے ریوالور نکال لیا۔

قاسم کو انہائی غصے کے باوجود بھی کام کرنے پر مجبور ہوتا پڑا۔ رہ گیا جیر الدا کا معاملہ تو وہ چیل ملاقات کے بعد سے پھر ایک بار بھی نظر نہیں آیا تھا۔ اگر کبھی قاسم ہوا بھی اس کا نام لے لیتا تو چاروں طرف سے اس پر یوش ہو جاتی تھی ساتھ والا لوکیاں تک اُسے ڈانتے لگتی تھیں۔

قاسم پیال کے بستر پر پڑا غصے میں مل کھانا رہا۔ اُسے پھر اپنی گھری کی یاد ستابنے لگا۔

آگئی کہ وہ غار نہیں بلکہ ایک سرگ مگ ہے اور اس کی دیواروں کو باقاعدگی کے ساتھ تراشنا ہے۔ سرگ کافی کشادہ اور اوپری تھی۔ اتنی اوپری کر قاسم انتہائی طویل قامت ہونے کے باوجود بھی اپنا ہاتھ اٹھا کر اس کے اوپری حصے کو نہیں چھو سکتا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ کہیں یہ باہر نہ لے راستہ تو نہیں ہے۔ وہ چلتے چلتے رک گیا اور پھر آگے بڑھنے کا ارادہ کر ہاتھا کہ کسی نے پیچھے سے اس پر حملہ کر دیا۔ قاسم پلٹ کر اس سے لپٹ پڑا۔ تارچ اس کے ہاتھ سے گر کر بچھ پکھا تھی لیکن دوسرا سے ہی لمحے میں اس نے محوس کر لیا کہ وہ حملہ آور کون ہے۔ اس کا ہاتھ حملہ آور کی پیٹ پر پڑ گیا تھا جس پر لمبے لمبے بالوں کی ایک پتلی ہی لکیر تھی اور اس کا جسم لوہے کی طرح سخت تھا۔



فریدی نے پھر دراز میں ہاتھ ڈال کر تارچ روشن کی۔ حمید بھی رسیکتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اس نے بھی دراز میں جھانکا..... وہ واقعی ایک بڑا ساغار تھا۔
”کیا خیال ہے۔“ حمید نے سرگوشی کی۔

”ہوتا سکتا ہے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”بڑی مناسب جگہ ہے۔ سامنے والی بڑی چٹان اس دراز میں گھٹائی کے درمیان دیوار کی طرح حائل ہے اگر ہم یہاں کھڑے بھی ہو جائیں تو اس طرف کے فوجی ہمیں نہیں دیکھ سکتے۔ اور پھر یہ دیکھو.....“
فریدی ایک سگڑھے میں ریگ گیا جس میں کانے دار جھاڑیوں کی بہت سی کٹی ہوئی شاخیں پڑی تھیں۔

”آخر یہاں ان کٹی ہوئی جھاڑیوں کا کیا کام۔ نہیں یہاں کسی نے اور کس مصلحت سے کاٹ کر ڈالا ہے..... نمای ڈیزرسوچو.....!“ فریدی کی آواز جوش میں کپکرانے لگی۔

”کیوں..... ان جھاڑیوں میں کون سی خاص بات ہے۔“ حمید نے کہا۔
”اوہ..... اگر نہیں اس دراز کے دہانے میں پھنسا دیا جائے تو کوئی اس دراز کی طرف دھیان نہیں دے گا۔ بلکہ شاید کوئی یہ سمجھ ہی نہ سکے کہ ان جھاڑیوں کے پیچھے کوئی دراز بھی

اے۔ اب ان جھاڑیوں کی نوعیت پر غور کرو۔ خٹک ہو جانے کے بعد بھی ان کی رگت کی توں برقرار رہتی ہے۔ لہذا یہ کائی ہوئی بھی نہ معلوم ہوں گی۔ پھر اس کے علاوہ ان کا مقصد ہوئی کیا سکتا ہے۔ آخر یہاں کیوں ڈالی گئی ہیں۔“

”آپ تو ذرا ذرا سی باتوں پر.....!“

”اس کے بغیر کام نہیں چلتا۔“ فریدی بولا۔

اور دوسرے لمحے میں وہ لیٹ کر اس غار میں اتر رہا تھا۔ پھر وہ حمید کی نظریوں سے غائب ہمید دل ہی دل میں تاؤ کھارہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ تجھیں حیر اللہ کی پناہ گاہ ہے ہمی فریدی کو اس میں تھا داخل ہونے کی حاجت نہ کرنی چاہئے تھی۔ وہ اپنی جیب میں روٹھونے لگا۔ وہ اب بھی غار کے اندر ہی رہے میں آنکھیں چھاڑ رہا تھا۔

پھر اسے اندر مضم کی روشنی دکھائی دی جو غالباً فریدی کی تاریخ کی تھی۔ تھوڑی دیر بعد تاریخ خ دراز کی طرف ہو گیا۔ فریدی اسے ہلا رہا تھا۔ یہ حمید کے لئے بھی اتنے کا اشارہ تھا۔

حمدید کو نیچے پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں پیش آئی۔ غار کافی بڑا اور غیر مطح خ تھا۔ اس غار میں چھوٹے چھوٹے غار اور بھی نظر آرہے تھے اور فریدی ان کا جائزہ لیتا پھر رہا تھا۔ حمید نے اسے اچھی طرح دیکھا بھالا..... ایک جگہ انہیں جو تا پڑا ملا جو پرانا نہیں تھا کہی جگہ سگریٹ جلے ہوئے مکڑے شراب کی بوتوں کے کاگ بھی دکھائی دیئے۔

”ذکر یہاں بھی وہی ہی جھاڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔“ فریدی نے ایک طرف اشارہ کے کہا۔

”اور یہ سگریٹ کے مکڑے اور بوتوں کے کاگ۔“

”یہ غار حیر اللہ کی پناہ گاہ نہیں ہو سکتا۔“ حمید نے کہا۔ ”کیا یہ ممکن نہیں کہ یہاں رام گڑھ لوگ عیاشیوں کے لئے آتے ہوں۔“

”وہ عیاشی کس قسم کی ہو سکتی ہے فرزند۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”ایک تھا آدمی کی عیاشی میں نہیں آتی۔“

تو کیا وہ سب ایک جو تا چھوڑ جانے کی اسکم بنا کر آئے ہوں گے۔ ”حمد نہیں پڑا تو اس کا مطلب یہ کہ وہ لوگ صرف ایک کے علاوہ پہلے ہی سے بھاگنے کیلئے تیار تھے اور پریہاں سے تو بھاگنے کا سوال ہی بیدا نہیں ہو سکتا۔ اگر تم باہر دراڑ کے سامنے جو جاؤ۔“ ”او بابا..... تو پھر کیا ہے۔“ حمید اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”اپنے مقدر میں تو بزر وحشی کے چہرے پر پڑا اور وہ اندر ہیرے میں نہ جانے کدھر لڑھک گیا۔“

ہمیشہ جوتے ہی آتے ہیں۔“

”میرا خیال ہے کہ یہ انہیں آدمیوں میں سے کسی ایک کا ہو سکتا ہے جو اس وحشی کے پیچے بھاگتے رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انہیں بڑی بے دردی سے پکڑ کر اوپر والی دراڑ میں ٹھوں کر بھاڑا گرایا جاتا رہا ہو گا۔ اور پہلے ہی سے کچھ آدمی ان کے منتظر ہے ہوں گے۔ دراڑ کے سامنے کر چین، دراڑ والی چین پر اس طرح جھکی ہوئی ہے کہ وادی کے اوپر کھڑے ہوئے لوگ بھی دوڑ کے درمیان فاصلہ کو نہیں دیکھ سکتے۔ اسلئے وہاں میں آدمی با آسانی چھپ سکتے ہیں۔“

”اب میں اپنا سر کسی پتھر سے ٹکرا کر پاش پاش کر دوں گا۔“ حمید اکتا کر کر بولا۔

”کیوں؟“

”آخروہ سب سالے ہیں کہاں؟“ حمید نے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”مجھے تو آج جانے کا بھی کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔“

”معاملہ جیر اللہ سے الجھا ہے، بیٹھے خال..... کسی نصوی بدھ عورتی سے نہیں۔“

فریدی پھر تاریخ کی مدھم سی روشنی میں غار کا جائزہ لینے لگا۔

”ارے.....!“ وہ چونک کر بولا پھر کچھ سننے لگا۔

”کیا مصیبت ہے۔“ اس نے کہا۔ ”پھر بارش شروع ہو گئی۔ چلو نکلو جلدی۔“

وہ غار کے باہر آگئے۔ بادل جم گئے تھے اور ہلکا ساتھ شروع ہو گیا تھا۔ وہ وادی دور نکل جانے کی جدوجہد کرنے لگا۔



”سالے.....!“ قاسم نے ہانپتے ہوئے ایک گندی سی گالی دی۔

اچانک اندر ہیرا دور ہو گیا اور پوری سرگٹ میں کئی بلب روشن ہو گئے تھے، اور سانوٹے میں روپ اور لئے کھڑا تھا۔ قاسم نے بے ساختہ اپنے دونوں ہاتھ اور اٹھا دیے۔ ”تم سالا بھاگنا مانگنا۔“ اُس نے روپ اور کی نال سے قاسم کو چلنے کو کہا۔ ”اچھا چلو.....!“ قاسم گردن جھٹک کر بولا۔ ”مگر اتنا یاد رکھو کہ تمہاری جان میرے ہی سے جائے گی۔“

”چالو.....!“ سانوٹے چلتکھڑا کر بولا۔ اس وقت وہ سیدھا کھڑا ہو کر جبل رہا تھا۔

چلتے چلتے قاسم کے ذہن کی رو بہک گئی اسے وہ الیم یاد آیا جو اس نے سانوٹے کے امن میں دیکھا تھا۔

”سالے تم آوارہ ہو۔“ قاسم رکا اور پلٹ کر بولا۔ ”گندی گندی تصویریں رکھتے ہو شرم

ہیں آتی۔“

”تم کیا جانے۔“ سانوٹے اُسے گھورنے لگا۔

”میں نے تمہارا الیم دیکھا ہے۔“

”تم سالا چور.....!“

”منہیں پیارے.....!“ قاسم مسکرا کر بولا۔ ”وہ تو بڑی اچھی ہیں۔“

”تم دیکھا کیوں؟“ سانوٹے نے گرج کر کہا۔

”میں اپنی گھری تلاش کر رہا تھا۔“

”گھری گیا..... سالا جنم میں۔“



”آئو.....!“ وہ گھوڑا بن گیا اور قاسم اس پر سوار ہو گیا۔ اس نے غار کے دو تن پکڑے اگئے اور پھر یک بیک ہنہنا کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ قاسم نہیں میں مگن تھا کہ اس کا سر پچھلی دیوار کے کرایا اور وہ ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھ سکا۔ سر تو نہیں پھٹا تھا لیکن اچانک بجٹ لٹک کی وجہ سے بے ہوش ضرور ہو گیا تھا۔ سانوٹے اسے اس حال میں دیکھ کر ہنسنے لگا۔ وہ کچھ دیر خاموش کھڑا رہا

”الا قاسم میں بھاگ تھوڑا بھی رہا تھا۔“ قاسم نے کہا۔ ”یہاں آیا اور اس راستے سے اس کے سارے کپڑے اپنے صندوق میں رکھ دیئے پھر دوست اٹھائی اور اس میں انگلی ڈبو چلا گیا۔“

”بیٹھ جاؤ.....!“ سانوٹے نے روپا اور پتلون کی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

پھر اچانک بیٹھے اُسے کچھ پیدا آ گیا۔ اس نے دوست میز پر رکھ دی اور سرگ میں دوبارہ ہن نہ ہوئی ہو۔ شاید سانوٹے بھی قاسم کی طرح خبیث تھا۔ پھر ان دونوں میں راز دیا زیر شر وغل ہو گیا۔ یہاں کے بلب اب بھی روشن تھے۔ وہ چلتا رہا۔ پھر اس جگہ پر پہنچا جہاں پر سرگ فتم ہو گئی تھی۔ یہاں ایک طرف لو ہے کا ایک بے ڈھنگا ساڑھا نچھ رکھا ہوا تھا جس میں کل پڑے بھی نظر آ رہے تھے۔ اس نے اس میں لگے ہوئے ایک چھوٹے سے پیچے کو حرکت دی۔

”اس کا آنکھ دیکھو.....!“ سانوٹے نے ایک تصویر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”قاتل ہے۔“ قاسم ہونٹ چاٹ کر بولا۔

”کائل کیا ہوتا۔“

”مرڈر.....!“ قاسم نے قاتل کا انگریزی ترجیح کیا۔

”تم الوہو..... یہ کائل کیسے ہوتا..... اتنا اچھا ہے۔ نہیں کائل نہیں ہوتا۔“

پہاڑ سے مقابلہ

فریدی اور حمید ابھی چڑھائی پر ہی تھے کہ بوندیں رک گئیں۔ فریدی پھر پلٹ پڑا اور حمید کی جملہ ہٹ بڑھ گئی۔

”اس غار کے متعلق آپ نے جو کچھ کہا انہیں میں دلائل نہیں بلکہ مفروضات سمجھتا ہوں۔“

”اور میں تمہارے اس خیال کی قدر کرتا ہوں۔“ فریدی نے پر سکون لے جس میں کہا۔

”جب تک زندہ حفاظت سامنے نہ آ جائیں کسی بات پر یقین نہ کرنا چاہئے۔“

”تم اگر وہ ابم مجھے دے دو تو میں گھری نہیں مانگوں گا۔“ قاسم نے کہا۔

”نہیں ڈے گا..... تم چالو..... نہیں گوی مارتا۔“

قاسم پھر چلنے لگا اور سانوٹے کے غار میں بھیج کر اُس نے کہا۔ ”اچھا ایک بار دکھائی“

”سانوٹے ہنسنے لگا۔

”الا قاسم میں بھاگ تھوڑا بھی رہا تھا۔“ قاسم نے کہا۔ ”یہاں آیا اور اس راستے سے

”بیٹھ جاؤ.....!“ سانوٹے نے روپا اور پتلون کی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

اس نے ابم نکلا اور وہ دونوں اس طرح تصویریں دیکھنے لگے جیسے کچھ در قبل کوئی باہمی نہ ہوئی ہو۔ شاید سانوٹے بھی قاسم کی طرح خبیث تھا۔ پھر ان دونوں میں راز دیا زیر شر وغل ہو گئے۔

”اس کا آنکھ دیکھو.....!“ سانوٹے نے ایک تصویر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”قاتل ہے۔“ قاسم ہونٹ چاٹ کر بولا۔

”کائل کیا ہوتا۔“

”مرڈر.....!“ قاسم نے قاتل کا انگریزی ترجیح کیا۔

”تم الوہو..... یہ کائل کیسے ہوتا..... اتنا اچھا ہے۔ نہیں کائل نہیں ہوتا۔“

پھر وہ دونوں اپنی محبوباؤں کی باتیں کرنے لگے۔

”ہمارا چاربی لوڑ ہے۔“ سانوٹے بولا۔ ”تم بی لوڑ کو کیا بولتا ہے؟“

”مشوق.....!“ قاسم نے کہا۔

”ماشوك.....!“ سانوٹے ہنسنے لگا۔

”ابے سالے تو اچھا خاصا آدمی ہے پھر کیوں گھوڑا بنتا ہے۔“ قاسم نے کہا۔

”ہمارا ماشوك نے ہم کو گھوڑا بنا دala۔“ وہ پھر ہنسنیا۔

”اگر تم گھوڑا ہے تو میں تھج پر سواری کروں گا۔“ قاسم نے کہا۔

”تو پھر اس دروسی سے کیا فائدہ۔“

”اسی چیز کا خیال اس کی پیدائش کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ میں ایک بار پھر اس غار کو دیکھا چاہتا ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں نے وہاں کوئی غیر قطعی چیز دیکھی تھی۔ اس کو پاسا شوراب بھی میرے ذہن میں چھپ رہا ہے۔“

”چلے جتاب..... اب پاکیے اس شعور کو اور مجھے بھی کھلا لیئے۔“ حمید عاجز آ کر بولتا۔ غار اور ان میں پائی جانے والی اشیاء کے متعلق اس نے جو خیال قائم کیا تھا اس پر اب بھی جہا ہوا تھا اور اب وہ دوبارہ وہاں جانے کو تشویج اوقات ہی سمجھتا تھا۔

تحوڑی دیر بعد وہ پھر اسی جگہ پہنچ گئے۔ فریدی نے ثارچ روشن کی اور پھر وہ حمید کی طرزِ مژا جس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

”کیا یہ جھاڑیاں دراز میں پھنسا کر گے تھے۔“ فریدی نے آہستہ سے پوچھا اور حمید۔ انہیں میں بھی اس کی آنکھوں کی وحشیانہ چمک محسوس کر لی۔ جو کشت و خون کے موقعوں ضرور نظر آتی تھی۔ فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر اس نے جھاڑیوں کی شناختیں دراز سے شروع کر دیں۔ راستہ صاف ہو جانے کے بعد اس نے دراز میں ثارچ ڈال کر اندر کا جائزہ باغار پہلے ہی کی طرح ویران نظر آ رہا تھا۔ وہ دونوں نیچے اتر گئے۔ انہیں غار میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ فریدی کی روشنی کی نفحی سی لیکر تیزی سے ادھر ادھر گردش کر رہی تھی۔ آخر ایک ابھرے ہوئے پھر کے سامنے رک گیا۔

”ذرالے دیکھو.....!“ فریدی نے کہا۔ ”کیا یہ پھر تمہیں غیر قدرتی نہیں معلوم ہوتا۔“

”قطعاً نہیں۔“ حمید بولا۔ ”مجھے تو اسی خاص بات نظر نہیں آتی۔“

”اوہ..... اس کی جڑ میں دیکھو..... یہ چاروں طرف لکیر کیسی ہے۔ شاید یہ چیز میں پچھر رہی تھی۔ میں نے اسے پہلے بھی دیکھا تھا لیکن اس پر غور نہیں کیا تھا۔“ حمید نے جھک کر بڑے غور سے دیکھا۔ واقعی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے وہاں طور سے فٹ کیا گیا ہو۔ اسی جگہ کئی دوسرے پچھر بھی تھے مگر ان میں یہ بات نہیں تھی اور

رہیں وہ پچھر بھی دوسروں ہی کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ اسے فریدی کی باریک میں نظروں کا ہو جانا پڑا۔ دوسرے ہی لمحے میں فریدی اس پچھر پر زور آزمائی کر رہا تھا۔ لیکن اس نے اگدے سے جنبش بھی نہ کی۔ آخر وہ تھک کر پیچھے ہٹ آیا اور خود ہی بڑیا نے لگا۔ ”کیا حمافت بھلا یہ زور آزمائی کے لئے یہاں لگایا گیا ہوگا۔“ وہ پھر ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ یہاں غار دو تین چھوٹے چھوٹے گڑھے تھے۔ دوسرے لمحے میں روشنی کی پتلی سی لیکر ان گڑھوں میں بنتے لگی۔ حمید کو بھی اچانک یاد آگئی کہ جیرالڈ کی پچھلی زمین دوز دنیا کا نظام بھی مشینوں ہی پر تھا۔ اس کے ذہن میں طوفان سے اٹھ رہے تھے وہ سوچ رہا تھا کہ کیا واقعی وہ کامیابی سے نہ قریب ہیں۔ دفعتاً اس نے فریدی کی آوازنی جو ایک گڑھے پر جھکا ہوا اس میں پچھٹوں تھا۔ حمید اس کی طرف لپکا پھر اس نے فریدی کو اس گڑھے میں سے پھرولوں کے چھوٹے دٹکڑے نکالتے دیکھا۔

”چلو..... جلدی کرو..... میرا ہاتھ بٹاؤ۔“ فریدی کی آواز کا نپ رہی تھی۔ حمید نے جھک دیکھا اور دوسرے ہی لمحے میں اس کے جسم میں سننا ہٹ دوڑ گئی۔ پھرولوں کے ڈھیر سے ہے کی ایک موٹی سی سلاخ جھاک رہی تھی اور پھرولوں کو ہٹانے پر وہ ایک بڑے سے بیچے لے کنارے پر لگا ہوا پہنچل ٹابت ہوئی۔ فریدی نے پہنچل پکڑ کر پیچے کو گردش دی اور ساتھ پیچ کارخ اس پچھر کی طرف ہو گیا جو ایک طرف سے اس طرح اٹھ رہا تھا جیسے کسی صندوق کا لمن کھل رہا ہو۔ فریدی نے ہاتھ روک کر آسودگی کی ایک گہری سانس لی اور حمید سے بولا۔

”اب تمہارا کام شروع ہوتا ہے..... تمہاری جیب میں ثارچ ہے نا.....!“

”ہے.....!“ حمید اپنی جیب میں پڑی ہوئی ثارچ کو ٹوٹاتا ہوا بولا۔

”اچھا تو تم..... گھٹائی میں جاؤ..... فوجی دستے کے انچارج کیپشن شہاب سے کہنا کہ تم رے آدمی ہو اور میں کامیاب ہو گیا۔ انہیں ساتھ لاو۔ لیکن گھٹائی میں اترتے ہی ثارچ کارخ بولوں کی طرف کر کے اسے تین بار جلانہ بھولنا۔ ورنہ پھرے داروں کی گولیاں تمہارے جسم کو بلی کر دیں گی۔ سچھے اور ہاں دوسری بات بھی..... کیپشن شہاب سے کہنا کہ فوراً ہی مجبور نصرت

کو اس کی اطلاع بھیوادے کے فریدی پہنچ گیا اور پھر وہ اپنا کام کرنے لے گا۔“
”کیسا کام.....؟“

”فیلڈ اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری خاص طور سے وہ پاگل وہ بہت ام
ہے۔ اب میں کچھ کچھ اس کی اصلیت کو پہنچ رہا ہوں۔“

”کیا بات ہے؟“

”پھر..... ابھی نہیں۔“ فریدی اسے دھکیلتا ہوا بولا۔ ”جاو۔۔۔ جلدی کرو۔“



فریدی بے اختیار چونک پڑا۔ کیونکہ غار روشن ہو گیا تھا اور وہ پھر اپنی جگ سے ہٹ کر
ایک صندوق کے ڈھکن کی طرح ایک طرف ہو گیا تھا۔

”دوسرا لمحے میں کوئی جھپٹ کر اس راستے سے باہر آیا۔

”خبردار.....!“ فریدی نے ریوالور نکال لیا۔ لیکن سانوٹے ریوالور کی پرواہ کے بغیر اس
پڑا۔ فریدی نے پے در پے تین فائر کئے لیکن سانوٹے پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس کا
جیسا جسم فریدی کو دیوار رہا تھا فریدی ریوالور پھینک کر اس سے لپٹ پڑا۔ اس نے اسے
لرج دیکھ لیا تھا۔ وہ اسی روائی گھوڑے سے الجھا ہوا تھا۔ جس کا شہرہ رام گڑھ میں عام تھا۔

مالپٹ تو پڑا لیکن اب اسے محبوس ہو رہا تھا جیسے وہ اسے کبھی زیرینہ کر سکے گا۔ اس میں بلا
ات تھی اور فریدی کو یہی معلوم ہو رہا تھا جیسے بچ پنج کی گھوڑے ہی سے کشٹی لڑ رہا ہو۔
یا کو افسوس تھا کہ اس نے ریوالور کیوں پھینک دیا۔ وہ اس کی نوعیت کو اچھی طرح سمجھ چکا
وہ جانتا تھا کہ گولی کہاں کارامڈ ثابت ہو سکتی ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو ریل رہے
ایک بار فریدی کا پیور ریوالور پر پڑ کر پھنس لگا۔ وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا اور گھنٹوں کے
اٹک پر چلا آیا لیکن ریوالور اب اس کے ہاتھ میں تھا۔ دفتار فریدی نے سرگ میں کئی
بلل کے قدموں کی آوازیں سنیں اور سانوٹے چینخے لگا۔ بڑا خوفناک لمحہ تھا۔ فریدی اپنا وہ
اڑاؤ کرنے کی کوشش کرنے لگا جس میں ریوالور تھا۔ مقدر یا در تھا کہ وہ اس میں کامیاب
ہے۔ دوسرے لمحے میں ریوالور کی نال سانوٹے کے چہرے سے جاگی اور فریدی نے یہ

سانوٹے اپنے غار میں واپس پہنچا تو قاسم کو ہوش آچکا تھا اور وہ اس کے بستر کی جاہ
لپٹنے بیٹھا رہے رہے منہ بنا رہا تھا۔

”ارے ستیا ناس۔“ قاسم اسے دیکھ کر لکھا رہا۔ ”یہ کیا کیا تو نے مسور کے بچے۔“

”بھاگ جاؤ سالا..... ہمارا چادر چھوڑو۔“ وہ چادر کھینچنے لگا۔

”ابے..... ابے..... دھت تیری..... سک..... سالے..... ہماری..... حرای۔“
دونوں میں چادر کے لئے جدو جہد ہونے لگی۔ سانوٹے کبھی قہقہے لگاتا اور کبھی نہیں۔
لگتا۔ آخر اس نے چادر چھین ہی لی اور قاسم بدھوای میں اس غار سے نکل کر بھاگا۔ قریب
ایک دوسرہ دروازہ نظر آیا اور وہ اس میں گھس گیا۔ دونسوائی چھین بلند ہو گیں۔ اندر سے
لڑکیاں چینخی ہوئی باہر نکلیں اور بدھوای میں بھاگتی چل گئیں۔ سانوٹے نے یہ سب کچھ سانکھ
باہر نکل کر دیکھنے کا رحمت گوارانہ کی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ سب حرکتیں کسی مشین
سرزد ہوئی ہوں۔ اس لے۔ تر کے بچے سے شراب کی بوتل نکالی اور اسے ہونتوں سے لگا
ایک ہی سانس میں خالی کر گیا۔ پھر اس نے اسے ایک طرف اچھالنے ہوئے چادر تان لے
بوتل زمین پر گر کر چور چور ہو گئی۔ اچانک اس کے سرہانے لگی ہوئی گھنٹی زور زور سے بجی اور
اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے دوسرے لمحے میں سرگ کے دہانے میں چلا گک لگا دک

حید نے واقعات بتاتے ہوئے کہا۔ ”اب وہ اس غار میں ہمارے منتظر ہوں گے۔“
”انہیں کام تھا۔ اچھا نہ بھریے۔“ کیپشن شہاب نے کہا اور خیسے سے باہر نکل گیا۔

حید بری طرح بے نتاب تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں فریدی تھا ہی غار میں نہ داخل ہو گیا
ہر لحظہ اس کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ تیاری میں پندرہ بیس منٹ لگ گئے اور حید خون
مگنت پیتا رہا۔ پھر تیس آدمیوں کا دستہ شہاب کی قیادت میں چنانوں کی طرف بڑھنے لگا۔
”ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔“ شہاب نے کہا۔ ”میں مسٹر فریدی کا پیغام مجھر نہرت
ہپاں ڈرامزیٹر کے ذریعہ بھی پہنچا سکتا تھا لیکن مسٹر فریدی نے مجھے پہلے ہی ہدایت کر دی تھی
میں مجھر نہرت کے پاس کوئی خاص آدمی بھیجنوں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے۔“

”پتہ نہیں۔“ حید تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا بولا۔ ”وہ ہمیشہ ہر بات کی وجہ بعد ہی میں
تھے۔“

وہ تھوڑی بھی دیر بعد چنان کے قریب پہنچ گئے۔

سب سے پہلے حید غار میں اترا۔ پھر دوسرے ہی لمحے میں وہ پیچ رہا تھا۔
”کیپشن جلدی آؤ۔۔۔ یہاں اس گھوڑے کی لاش پڑی ہے۔“

کیپشن غار میں اتر گیا اور اس کے بعد بقیہ فوجی بھی ایک کر کے اترے۔ سانوٹے
الاش بڑی خوفناک لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے کے چھڑے اڑ گئے تھے۔

”لیکن.....!“ حید تقریباً پیچ پڑا۔ ”فریدی صاحب کہاں ہیں۔“

غار میں کئی تاریخیں روشن تھیں۔ حید اس پتھر کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بستور اپنی جگہ پر رہا۔
”غصب ہو گیا۔“ حید بوکھلا کر بولا۔ ”شاید فریدی صاحب کپڑا لے گئے۔“

”کیوں..... یہ کیسے۔“ شہاب اسے گھوڑ کر بولا۔

”اگر وہ خود سے گئے ہوتے تو راستہ کھلا ہوتا۔“

”ہو سکتا ہے خود انہوں نے اندر سے بند کر لیا ہو۔ آخرا ہم بھی تو کچھ ہو گا۔“

حید اس گز ہے کی طرف جھینٹا۔ جس میں پیہہ تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ

سوچے بغیر پے در پے کئی فائر کر دیے کہ اگر اس کا ہاتھ ذرا سا بھی مل گیا تو خود اس کی کھوپڑی کے
پر پیچ اڑ جائیں گے۔ ہر فائر کے ساتھ اس نے سانوٹے کی بھیاں کی پیچیں میں اور پھر اس کا جنم
اس کے اوپر سے پھسل کر ایک طرف لڑھک گیا۔ پیچ چھا انگریز مرگ کے دہانے پر پیچ چکے تھے۔
”خبردار.....!“ فریدی ریوا اور کارخانے کی طرف کر کے سیدھا کھڑا ہو گیا۔ لیکن اس کا
سرچکار رہا تھا۔ ابھی تک وہ چھ ایک پہاڑ سے لوتا رہا تھا۔ اس نے انہیل کوشش کی کہ اپنے
ذہن پر قابو رکھ سکے گرنا کام رہا اور ریوا اور سیت زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ انگریز اس پر ٹوٹ پڑا۔



حید فریدی سے رخصت ہو کر گھائی میں اتر اور اس نے تارچ کا رخ کیپ کی طرف
کر کے اسے تین بار روشن کیا اور پھر خیموں کی جانب پڑا۔ ابھی وہ آدمی ہی راستے میں تھا
کہ اس نے بھاری قدموں کی آواز سنی۔ پھر جلد ہی اس کا سابقہ پیچ عدد اٹھی ہوئی رانگول
سے پڑا۔

”تم کون ہو.....؟“ ایک فوجی نے کہا۔

”دوسٹ..... مجھے کیپشن شہاب کے پاس لے چلو۔“

”تم نے کتنی بار تارچ جلائی تھی؟“

”تین بار.....!“ حید نے گہری سانس لی۔ وہ چاہتا تھا کہ جلد سے جلد شہاب کے پار
پہنچ جائے کیونکہ وہ فریدی کو غار میں تنہا چھوڑ آیا تھا اور وہ فریدی کی اس عادت سے نبڑا
واقف تھا کہ شکار کے قریب پہنچ جانے پر پھر اس سے صبر نہیں ہو سکتا۔

فوجی اسے کیپشن شہاب کے پاس لے گئے۔ حید نے فریدی کا پیغام دہرا دیا۔

”آپ کون ہیں.....؟“ کیپشن شہاب نے پوچھا۔

”سار جنٹ حید..... میرے خیال سے جلدی سمجھے۔“

”لیکن، منے فی بے ایڈر کمالا۔“

کے بعد انہوں نے بیرونی غار والا پہیہ نکال لیا تھا اور مطمئن ہو گئے تھے کہ اب دنیا کی کوئی سرگ کے راستے والے پتھر کو اس کی جگہ سے نہیں ہٹا سکتی۔ وہ کچھ دیر بیرونی غار میں بھی رہے تھے لیکن انہیں کسی طرف سے کوئی آہستہ نہیں اور وہ مطمئن ہو گئے کہ ان کا شکار اتھا۔ وہ تعداد میں سات تھے اور فریدی کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے۔ فریدی پوچھا تھا..... لیکن اس غیر متوقع نکلت پر اس طرح پتھرا ہوا تھا کہ موقع کی نزاکت کا بھی جاتا رہا۔

”اوے.....!“ دفعتاً ایک انگریز چینا۔ ”یہ تو فریدی ہے۔“

”فریدی.....!“ وہ سب بیک وقت بولے۔

”ہاں.....ٹھہرو..... میں اسے پہلے بھی دیکھ چکا ہوں۔“

”وہ عورت کہاں ہے؟“ دفعتاً فریدی چینا۔

”کون عورت.....؟“ پستہ قد انگریز نے حیرت سے پوچھا۔

”وہ جسے میں غار میں تھوڑی دریبل چھوڑ گیا تھا۔“

”کیا بکتے ہو۔“ پستہ قد انگریز غایا۔ ”اگر تم فریدی ہو تو اب ہم دھوکہ نہیں کھاسکتے۔“

”کیسا فریدی۔“ فریدی نے حیرت سے کہا۔ ”تم لوگ کون ہو..... اور یہ سب کیا ہے۔“

”یہ سب نہیں تھا۔ میں ہمیشہ اس غار کو استعمال کرتا رہا ہوں۔“

فریدی نے کسی عیاش آدمی کی طرح مسکرا کر اپنی با میں آنکھ دبائی۔ پھر وہ دفعتاً غصہ کی سے بولا۔ ”وہ عورت کہاں ہے..... اسے واپس کر دو..... ورنہ میں بہت رُ آدمی ہوں۔“

”یہ تو ہم جانتے ہیں کہ تم بہت رُے آدمی ہوں..... ورنہ لوگ عیاشی کے لئے عورت ساختھری یا لورنہیں لاتے۔“ ایک انگریز نے کہا۔ پھر وہ پستہ قد انگریز سے بولا۔ ”اگر یہ یا ہی ہے تو اس کے لئے ایک بہترین تخفیث ثابت ہو گا۔ کیوں.....؟“

”یہ فریدی ہی ہے۔“ پستہ قد انگریز نے کہا۔ ”اس کی تصویریں باس کے کمرے میں بننے میں تمہیں یقین دلا دیتا۔“

”جس نکلی۔ اگر ایک فوجی اسے سہارا نہ دیتا تو وہ پچکا کر گر جی پڑتا۔“ ”کیا ہوا.....؟“ کیپٹن شہاب اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

”پہیہ بھی غائب ہے۔“ ”حمد نے آہتہ سے کہا۔

”پہیہ غائب تھا..... جس جگہ وہ نصب تھا وہاں صرف ایک سوراخ نظر آ رہا تھا۔“

”وہ انہیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔“ ”حمد نہیانی انداز میں چینا۔“ ”کچھ کیجھ..... کچھ کیجھ۔“

”میں کیا کروں..... کیا کر سکتا ہوں۔“

”اوہ..... میں کیا بتاؤ۔“ ”حمد سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بچوں کی

طرح چیخ چکر رہے۔ کیپٹن شہاب پہنچ کی جگہ والے سوراخ کا جائزہ لے رہا تھا۔

”اس کے اندر کچھ ہے تو.....!“ اس نے سراہا کر کہا۔ ”لیکن کیا کیا جا سکتا ہے..... اور

اچھا ہم اس پتھر کو توڑنے کی کوشش کریں..... مگر یہ بھی محل..... مگر ٹھہریے میں کمپ سے

کدا لیں منگوٹا ہوں۔“

بساط الائی ہے

فریدی کو جلد ہی ہوش آ گیا۔ ہوش میں آتے ہی اسے اچھی کمزوری پر غصہ آنے لگا۔ شاید زندگی میں پہلا موقع تھا کہ اس قسم کی زک اٹھانی پڑی تھی۔ اگر وہ لٹکھرا کر ان کے قابو میں نہ آیا ہوتا تو اسے اتنا افسوس نہ ہوتا۔ ریوالوں کے ہاتھ میں تھا اور وہ سب غیر متوقع طور پر خوفزدہ ہو چکے تھے کہ اس کا سر چکرا گیا اور انہوں نے اسے ایک بے بن چوہے کی طرح دبوچ لیا۔ ان انگریزوں کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوئی کہ بیرونی غار میں کیا ہو رہا ہے۔ مگر تام والے ہنگے نے انہیں ہوشیار کر دیا تھا۔ خوفزدہ لڑکیوں نے انہیں قاسم کے متعلق بتایا اور پھر وہ سب قاسم کو گھیر کر ڈڑوں سے پیٹھے لے گئے۔ بہر حال اس نے کسی نہ کسی طرح چیخ چکر انہیں سانوٹے کی حرکت سے متعلق بتایا اور وہ قاسم کو چھوڑ کر سانوٹے کے غار کی طرف جھپٹئے۔ بیہاں انہوں نے سانوٹے کے سر بر سر کے سر ہانے لگے ہوئے الارم پر حطرے کا سرخ بلب جلا ہوا دیکھ اور سرگ بھی روشن نظر آئی۔ اس طرح ان کی رسائی بیرونی غار تک ہوئی تھی۔ فریدی پر قا!

ان کی گفتگو سے فریدی نے اندازہ لگالیا کہ وہ بس جیر اللہ ہی ہو سکتا ہے۔ اور وہ وقت یہاں موجود نہیں ہے۔ اس بے بُس کے عالم میں بھی اسے افسوس ہو رہا تھا۔ افسوس بات ہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا اس بار پھر جیر اللہ نکلے گا۔

”ارے وہ موٹا تو ہے۔“ دفعتاً ایک بولا۔ ”وہ تو اسے پیچا نہیں ہو گا۔“

”ٹھیک ہے۔“ پستہ قد اگریز نے کہا۔ ”میں اسے لاتا ہوں۔“

وہ چلا گیا۔ بقیہ چھ اگریز فریدی کے سر پر مسلط رہے۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ شاید اس وقت یہاں جیر اللہ کے آدمیوں میں سے صرف اتنے ہیں اگر ان کے علاوہ بھی کچھ اور ہو۔ تو وہ بھی اب تک یہاں پہنچ چکے ہوتے۔

قاسم ہیسے ہی کمرے کے سامنے پہنچا باہر کھڑی ہوئی لڑکیاں ہنسنے لگیں۔ اُس کا طبلہ اس قسم کا تھا کہ دیکھ کر بے اختیار ہنسی آ جاتی۔ روشنائی سے بنائی ہوئی ڈاڑھی اور مونچیں؟ تک برقرار رہیں۔ شاید قاسم کو ان کا علم ہی نہیں تھا۔ اس نے لڑکی کا پھولدار پینی کوٹ اپنی کے گرد منڈھ رکھا تھا اور جسم کا اوپری حصہ بالکل نہ گا تھا۔ فریدی نے اسے اس حالت میں تو اسے ہنسی آ گئی۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں قاسم اسے شناخت نہ کرے۔

قاسم دروازے کے سامنے رک گیا تھا۔ ایک بار اس کے ہونٹ پکھ کہنے کے لئے کچھ لیکن پھر بند ہو گئے۔ وہ بالکل ساکت و صامت فریدی کو گھور رہا تھا۔ وہ اتنا یقوقف بھی نہیں کہ پچویش کو نہ سمجھتا اور پھر اسی صورت میں جب کہ تھوڑی دری قبل اس پر ڈھروں کی باد ہو چکی تھی۔ وہ چپ کھڑا رہا۔

”اسے پیچانتے ہو۔“ پستہ قد اگریز نے فریدی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”میں نہیں جانتا۔“ قاسم غرا کر بولا۔ ”تم لوگ مجھے سونے کیوں نہیں دیتے۔“

”تم جھوٹے ہو۔“ پستہ قد اگریز نے کہا۔

”تم جھوٹے..... تمہارا باپ جھوٹا..... سالو کیوں میرے چھپے پڑ گئے ہو۔ میں شاستر

صاحب کی وجہ سے کچھ نہیں بولتا ورنہ اب تک تم میں سے ایک آدھ کو مرد کر رکھ دیتا۔“

”زو پس جانے کے لئے مڑا۔“
”دنسو تو.....!“ پستہ قد اگریز نے اسے روکنے کی کوشش کی۔
”دیہیں سننا.....!“ قاسم مڑے بغیر دھاڑا اور اپنے غار کی طرف چل پڑا۔ لیکن اس کی زدہ کھوپڑی حرکت میں آگئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یوگ فریدی کو ضرور مار ڈالیں گے۔ وہ کئی بار اس کے متعلق ان لوگوں کی گفتگوں چکا تھا اور اگر فریدی مرجیا تو دنیا کی کوئی نہ اسے اس قید سے رہائی نہ دلا سکے گی۔ تھوڑی برف اور پکھلی۔ دفعتاً اسے ان ساٹھ ستر ن کا خیال آیا جو سانوٹے کے ڈر سے دن رات گدھوں سر سخت کرتے تھے۔ اس دچا کر کیوں نہ انہیں اکسایا جائے۔ اگر وہ سب ایک ساتھ میں پڑیں تو آٹھ دس اگریزوں نی بہ آسانی بن جائے گی۔ لیکن وہ لڑکیاں۔ وہ انہیں سانی سانی پڑھیں گے۔ اس کا دل ن کے لئے ری طرح کڑھنے لگا۔ جیسے ہی وہ اس کمرے میں داخل ہوا جہاں مزدور بول کی طرح رہتے تھے ہر طرف قوبہ بلند ہونے لگے۔ وہ سب لوگ جاگ رہے تھے اور نے بھی تھے وہ قاسم اور سانوٹے کے ہنگے کی وجہ سے جاگ پڑے تھے۔ لیکن کسی میں مت نہیں تھی کہ کمرے سے باہر قدم نکالتا۔

”ابے سنو..... بسونہیں۔“ قاسم دونوں ہاتھ ہلاتا ہوا بولا۔
پھر بھی کچھ لوگ ہنستے رہے۔

”اچھا..... تو میں ہلاتا ہوں سانوٹے کو۔“ قاسم نے دھمکی دی اور یک بیک اس طرح نی چھا گئی جیسے قہقہوں میں بریکیں لگ گئی ہوں۔

”دیکھو.....!“ قاسم نے انہیں مخاطب کیا۔ ”آج ان حرامزادوں نے ایک ایسے آدمی کو یا ہے کہ کیا تباوں۔ اگر انہوں نے اسے مار ڈالا تو کیا تباوں؟ ہم زندگی بھر یہاں سے نہ لٹکیں گے۔ وہ ہماری رہائی لئے یہاں آیا تھا لیکن پکڑ لیا گیا۔ وہ اسے مار ڈالیں گے۔“
”تو پھر ہم کیا کریں۔“ ایک آدمی نے کہا۔

”ارے تم سب کچھ کر سکتے ہو میرے پیارے۔“ قاسم نے کہا اور اسے یک بیک قوی

لیڈروں کی تقریریں یا، آئے۔ میں۔ اس نے مٹھی باندھ کر کہا۔ ”تم سپوت کے وطن ہوا ہم لاڑا کے لئے آزادی ریں گے؛ زراثریں لے ازادی کے لئے۔ وہ صرف سات ہیں اگر تم پڑ پڑے تو سب کی چنی جائے۔“ سے ٹرتے ہو وہ سالا گھوڑا بھی اس وقت موجود نہیں۔“

”ملہم..... باہر تو نہ نکل سکیں گے۔“ ایک نے کہا۔ ”ہم راست نہیں جانتے۔“ مگر آکر ہماری چلنی نہ بنا دیں گے۔“

”ارے میرے پیارے بھائیو۔“ قاسم بولا۔ ”وہ آدمی جسے کپڑا گیا ہے، میک برا آفیم ہے اور وہ راست جانتا ہے۔ ہمیں اس کی مدد کرنی چاہئے۔“

”نہیں وہ گھوڑا.....!“

”ابے چلو.....! اس سے میں نیٹ لوں گا وہ مجھ نہیں چھاڑ سکتا۔“

”اغوا مچاتا۔“ دفتار ایک انگریز دروازے کے قریب آ کر چینا اور وہ سب کہ تے سے انگریز کی طرف بڑھا اور اس نے اس کی گردن پکڑ لی اور اسے اتنی مہلت نہیں دی۔ اس کی ہاتھیں پکڑ لیں گے۔ پھر اس نے اس کے پیچے دوسرے آدمی بھی تھے۔

”آسے۔“ اسے بھی چین لکھ لئی۔

”خبردار.....!“ فریدی نہیں ریوالور کی زد میں لیتا ہوا بولا۔

پانچ مردا اور پانچ عورتیں بے بس کھڑی تھیں۔

پھر باہر شور نشائی دیا۔ قاسم درانہ اندر گھستا چلا گیا۔ اس کے پیچے دوسرے آدمی بھی تھے۔

نیماں کی پچویشن دیکھ کر وہ سب سنائے میں آگئے۔

لڑکیوں کے منہ سے خوفزدہ ہی چینیں نکلیں۔

”قاسم..... تم واقعی تکلمد ہو۔“ فریدی نے کہا۔ ”اب نہیں باندھ لو..... کوئی مر نہ پائے۔“

”واہ.....! ان سالوں کی تو چنی بنے گی۔“ قاسم ہاتھ چاکر بولا۔

”نہیں جو میں کہتا ہوں وہ کرو۔“ کل اخبارات میں تمہارا نام بڑی شان سے شائع ہو گا۔“

”اچھی بات ہے.....“ قاسم لڑکیوں کو گھوڑتا ہوا بولا۔ ”آپ کہتے ہیں تو میں مانے لیتا ہو۔“

”وہ سب اس طرح پر لے گئے ہیں مرغیاں کپڑی جاتی ہیں۔“

”لیکن..... وہ سالا گھوڑا نہیں ہے۔“ قاسم نے فریدی سے کہا۔

”اسے میں نے پہلے ہی مار دا لा۔“ فریدی بولا۔

لیڈروں کی تقریریں یا، آئے۔ میں۔ اس نے مٹھی باندھ کر کہا۔ ”تم سپوت کے وطن ہوا ہم لاڑا کے لئے آزادی ریں گے؛ زراثریں لے ازادی کے لئے۔ وہ صرف سات ہیں اگر تم پڑ پڑے تو سب کی چنی جائے۔“ سے ٹرتے ہو وہ سالا گھوڑا بھی اس وقت موجود نہیں۔“

”ملہم..... باہر تو نہ نکل سکیں گے۔“ ایک نے کہا۔ ”ہم راست نہیں جانتے۔“ مگر آکر ہماری چلنی نہ بنا دیں گے۔“

”ارے میرے پیارے بھائیو۔“ قاسم بولا۔ ”وہ آدمی جسے کپڑا گیا ہے، میک برا آفیم ہے اور وہ راست جانتا ہے۔ ہمیں اس کی مدد کرنی چاہئے۔“

”نہیں وہ گھوڑا.....!“

”ابے چلو.....! اس سے میں نیٹ لوں گا وہ مجھ نہیں چھاڑ سکتا۔“

”اغوا مچاتا۔“ دفتار ایک انگریز دروازے کے قریب آ کر چینا اور وہ سب کہ تے سے انگریز کی طرف بڑھا اور اس نے اس کی گردن پکڑ لی اور اسے اتنی مہلت

نہیں دی۔ اس کی ہاتھیں پکڑ لیں گے۔ پھر اس نے اس کے پیچے دوسرے آدمی بھی تھے۔

”اوچا اٹھا کر زمین پر پڑ دیں۔“ اسے بھی چین لکھ لئی۔

”آؤ..... بڑھو۔“ اسے اپنی جگہ سے رکھ دیا۔ اسے بھی چین لکھ لئی۔

”اچھا.....!“ قاسم بچھر رائیں گھونسہ دکھاتا ہوا بولا۔ ”میں جاتا ہوں اور ان سے کہ دوں گا کہ تم نے اس انگریز کو مار دا لा۔ تم جانتے ہو کہ وہ میرا کچھ خیال بھی کرتے ہیں۔“

”نہیں..... نہیں۔“ بہت کی آوازیں آئیں اور بھر ان میں ہکسر بھسر ہونے لگی۔

”ہم تیار ہیں۔“ آخر دو تین آدمیوں نے کہا۔

”تو آؤ..... اور کچھ دیکھے نے بغیر ان پر ٹوٹ پڑو۔“

ادھر دو تین انگریز فریدی کو اس کمرے سے اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس کی محفوظ جگہ میں بند کر دیں۔ وہ اپنی انتہائی قوت صرف کر رہے تھے لیکن، فریدی اپنا

کی محفوظ جگہ میں بند کر دیں۔ وہ اپنی انتہائی قوت صرف کر رہے تھے لیکن، فریدی اپنا

”ناتم نے۔“ قاسم مزدوروں کو مخاطب کر کے بولا۔ ”فریدی صاحب نے سانو نے کہ فریدی نے مختصر آپوری رو داد دہ رائی پھر بولا۔“ میں ذرا اس گھوڑے کی لاش دیکھوں پچے کو پہلے ہی مارڈا۔“

مزدور خوش ہو کر چینے لگے۔

”ٹھیک خیال ہے آپ کا.....!“ کیپشن نے کہا۔ اس میں تو کھس بھرا ہوا تھا۔ اس کے ”فریدی صاحب۔“ قاسم بڑے زور سے چینا۔ پھر دانت نکال کر مزدوروں سے کہنے م کی کھال پلاسٹک کی ہے اور اس میں بال لگے ہوئے ہیں اور اس کھال کے نیچے اس نے پروف پین رکھے تھے، لیکن کمال کی کھال بنائی تھی۔ بالکل اصلی معلوم ہوتی تھی۔“ لگا۔ ”ابے زندہ باد کہو۔“

”میں نے بلٹ پروف محسوس کر لئے تھے۔“ فریدی بولا۔ ”اسی لئے میں نے اس کے ”کیا بیہودگی ہے۔“ فریدی کو فہمی آئی۔

قاسم نے فریدی کو سرگ کے متعلق بتایا۔ فریدی قاسم کو دیں چھوڑ کر سرگ میں داخل پھر وہ سب اندر آئے۔ قاسم کی حالت دیکھ کر حمید ہنسی کے مارے گر پڑا۔ قاسم سارے ہوا۔ سرگ کے بلب اب بھی روشن تھے۔ فریدی کو یقین تھا کہ ان لوگوں نے یہ ورنی غاروں میں اسے دوڑاتا پھر رہا تھا۔ ایک ایک کر کے قیدی باہر نکالے جانے لگے۔ پھر حمید میکنزیم کو ضرور تباہ کر دیا ہوگا۔ ورنہ اب تک حمید وغیرہ ضرور داخل ہو جاتے۔ وہ سوچ رہا تھا ہو سکتا۔ فریدی، قاسم اور کیپشن ان غاروں میں تھا رہ گئے۔ فریدی وہاں پہنچا جہاں تک پیدا کرنے والا ہے کہ وہ لوگ یہ ورنی غار میں سرمدار ہے ہوں۔

وہ سرگ کے آخری سرے پر آ کر رک گیا اور یہاں وہ میں کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں تھی کہ دینے کے بعد وہ گھٹائی میں اتر کر اس خوفناک چنان کی طرف بڑھنے لگے جو اب تک دو جس سے سرگ کا ذہانہ کھولا جاتا۔ فریدی سرگ کے دہانے پر پے در پے دھمک محسوس کر رہا تھا۔ امیوں کی جائیں لے چکی تھی۔ چنان کے نیچے پہنچ کر فریدی حمید اور شہاب کے احتجاج کے کہیں وہ لوگ اس پتھر کو توڑنے کی کوشش تو نہیں کر رہے ہیں۔ اس نے نشین کے پہنچ کر گھوڑا بوجود وہ اوپر چڑھنے کی تیاری کرنے لگا۔

سا گھما یا۔ ایک پتلی سی دراز دیوار میں پیدا ہو گی۔ دوسری طرف کا شور نائی دینے لگا اور کی۔ وہ بندروں کی طرح جھولتا ہوا چنان کے اوپر پہنچ گیا۔ حمید کا دل دھڑک رہا تھا۔ لیکن اس کے بندروں کے پھل دراز میں داخل ہو گئے۔ فریدی نے تھوڑا دردہ اور کیا اور پھر چینے کر بلال۔ نے کوئی خوفناک چیز نہیں سنی۔ فریدی تھوڑی دیر بعد پھر نیچے آ گیا۔ اس نے کہا۔ ”وہی کیپشن کہیں گوئی نہ مار دینا..... میں ہوں فریدی۔“

”فریدی صاحب.....!“ اسے حمید کی چیخ نائی دی۔

”ہاں میں ہوں۔“ فریدی نے کہا اور پورا دھانہ کھول دیا۔ سب سے پہلے حمید کرتا ہوا گھوڑے کا تعاقب کرے۔“ اس تک پہنچا۔ پھر کیپشن۔

آخری معرکہ

”افسوں.....!“ فریدی بولا۔ ”جیر اللہ یہاں موجود نہیں تھا۔“ جہنم میں گیا جیر اللہ.....!“ حمید جھلا کر بولا۔ ”آپ اکیلے ہی کیوں گھس پڑے تھے۔“

بھجے میں نہیں آتا..... دوسرے لوگوں کو تو ہم محض اس وجہ سے روک سکتے ہیں کہ وہ ان غاروں سے پکڑے گئے تھے مگر فیلڈ قانونی کارروائیوں کی دمکی دیتا ہے اور یہ ہے بھی کچی بات۔ اس کے خلاف ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں۔ وہ اپنے پاگل چچا کے علاج کے لئے یہاں آیا تھا۔ ایز فورس کا ایک آفیسر بھی ہے۔“

”لیکن میں ان لوگوں کی قید میں رہ چکا ہوں۔“ حمید نے کہا۔

”کیا اسے عدالت میں ثابت کر سکو گے۔“ میحر نصرت بولا۔

”نہیں..... فی الحال تو جیں۔۔۔ لیکن فریدی صاحب ثبوت ضرور پیش کریں گے۔“

”میرا خیال ہے کہ انہیں فی الحال چھوڑ کر گرانی میں رکھا جائے۔“ آپریشن روم کے بوڑھے انچارج نے کہا۔

”میں اس کی ہرگز اجازت نہ دوں گا.....“ حمید نے آپریشن روم کے انچارج کو گھوڑتے ہوئے کہا۔ یہ ایک بوڑھا بیگلو اونڈین تھا اور اپنے کام کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔

”کسی شریف آدمی کو محض شہبے میں روکے رکھنا اچھی بات نہیں۔“ انچارج نے جھلانے ہوئے لبھج میں کہا۔

”جی ہاں..... وہ شریف اس لئے ہیں کہ آپ کے ہم قوم ہیں۔“ حمید طنزیہ لبھج میں بولا۔

”براؤ کرم ذاتیات پر حملہ نہ کیجئے۔“ آپریشن روم کا انچارج بھی بگو گیا۔

بات بڑھ جاتی لیکن میحر نصرت نے تھی چھاؤ کر دیا۔ پھر تھوڑی دیر کے لئے آپریشن روم میں خاموشی چھا گئی۔ انچارج ٹرنسپیری وں کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ میحر نصرت اور حمید نے پاپ سلاک لئے تھے۔ کہرے کا گہر استانایا بڑا عجیب لگ رہا تھا۔ دفعتاً حمید چونک کر سیدھا ہو گیا تھا اور میحر نصرت اس اچانک تبدیلی پر اُسے گھورنے لگا۔

”میں کہتا ہوں..... فریدی صاحب غلطی کر رہے ہیں۔“

”کیوں.....؟“

”میں جانتا ہوں کہ جیر اللہ کہاں ہے اور کون ہے۔“

سے بے اندازہ دولت برآمد ہوئی تھی۔ تین عجوبہ روز گار را کٹ دستیاب ہوئے تھے جن متعلق خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ آواز سے بھی زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ اوپر جاتے ہیں فریدی اور حمید کے نام جلی حروف سے شائع کئے گئے تھے۔ قاسم کا بھی تذکرہ تھا جس نے احکمت عملی سے فریدی کی جان بچانی چاہی تھی۔ لیکن خود جیر اللہ..... وہ اس بار بھی فرار ہو میں کامیاب ہو گیا تھا اور دنیا کے لئے ایک عظیم خطرہ بدستور باقی تھا۔ اس پاگل آدمی کا ترا تھا جسے جیر اللہ کے گروہ والے اپنا بادشاہ کہتے تھے لیکن اس کی اصلیت کیا تھی۔ یہ کسی کو بھی نہیں معلوم۔ فیلڈ اور اس کے ساتھی بھی اُس بادشاہ سمیت گرفتار کر لئے گئے تھے۔ مگر سب بیکار۔ کا دماغ تو فرار ہی ہو چکا تھا۔ وہ خطرناک انسان جو تیری بار بھی اپنے خوفناک عزم کو عملاً جامہ پہنانے کے لئے کوئی نئی حرکت کر سکتا تھا۔

اخبارات نے اُس خوفناک چنان کو ”موت کی چنان“ کا نام دیا تھا۔ حضرت سليمان گھوڑے کا راز بھی تھا اور اس کے مقصد پر بھی روشنی ڈالی گئی تھی۔ آخر میں وہ بات بھی جس سے فریدی کی جیر اللہ تک رسائی ہوئی تھی۔ یعنی صدائی کا قتل..... صدائی کا قتل جیر اللہ ہی کے آدمیا نے اس کی پوشیدہ دولت کے لئے کیا تھا۔ جو کئی سوسو نے کی ایئٹوں پر مشتمل تھی۔

انور اور رشیدہ کے منہ حرث سے کھلے ہوئے تھے۔ انہیں کچھ پتہ ہی نہ چل سکا تھا کہ کب کیا ہو گیا۔ قاسم نے پھر شیزان میں ڈیرہ جمالیا تھا اور وہ بات بات پر انور کو چھیڑ رہا تھا۔ رشیدہ کو اپنی دلیری کی بھوٹی پکی داستانیں سن کر کہتا ”وہ تو فریدی صاحب نے روک دھا..... ورنہ میں ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑتا۔“

حمدید میحر نصرت کے ساتھ تھا..... لیکن فریدی..... اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید اس کا اقتاتی غار میں بھی گیا تھا لیکن وہ خالی تھا۔ فریدی کا سامان بھی موجود نہیں تھا۔

”تو اب یہ حضرت جیر اللہ کے چکر میں ہیں۔“ حمید نے میحر نصرت سے کہا۔ ”مگر فضول۔ اب کوئی اس کی گرد کو بھی نہ پاسکے گا۔“

”مجھے بھی کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔“ میحر نصرت نے کہا۔ ”مگر یہ فیلڈ وغیرہ کا معاملہ

شیرزان ہوٹل کا محاصرہ کر لیا گیا۔ مجرم نظرت اور حمید چند دوسرے آفیسروں کے ساتھ اندر ڈال ہوئے۔ حمید اور پری منزل پر جانے کے لئے ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔ ہوٹل کا غیر تجزیہ ڈال ہوئے۔

”ہمیں ایک مجرم کی تلاش ہے۔“ مجرم نظرت نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

پھر وہ سب موگن کے کرے کے سامنے پہنچ کر رک گئے۔ کمرہ اندر سے پہنچتا۔ حمید

نے دستک دی۔

دروازہ کھلا۔۔۔ موگن سامنے کھڑا ٹکٹک جھپکا رہا تھا۔

”کیا بات ہے؟“ اُس نے آہتہ سے کہا۔

”اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔۔۔“ حمید گرج کر بولا۔

”کیا یہ ضروری ہے۔“ موگن کے ہونٹوں پر ایک تلخی مسکراہٹ تھی۔

”تمہارے پاس ناجائز الحجہ ہے۔“ حمید بولا۔

”اچھا تو پھر۔۔۔!“ موگن کی مسکراہٹ بدستور قائم رہی۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ

کسی دلچسپ مذاق سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔ لیکن اب اس نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لئے تھے۔

حمد اُسے دھکا دیتا ہوا کرے میں گھسا اور اس نے وہی سوت کیس کھول ڈالا۔ جس میں اس سے

قبل اس نے مشین گن دیکھی تھی۔ مشین گن موجود تھی اس نے فاتحانہ تھہہ لگایا۔

”یہ کیا ہے۔۔۔؟“ اس نے تھہہ لگا کر پوچھا۔

”ایک سب مشین گن کی نقل۔“ موگن لاپرواہی سے بولا۔ ”میں مدارکی ہوں اور یہ

ایک کھلونا ہے۔ جسے میرا پاٹو طوطا تماشا یوں کے مجھے پر چلاتا ہے اور یہ ساری کل کڑی

کی بنی ہوئی ہے۔ کیا تمہیں ہلکی معلوم نہیں ہوتی۔“

وہ وقتی بہت ہلکی تھی۔ حمید کے پیروں نے زمین نکل گئی۔

”طوطے کا پنجھرہ اور ہر میز کی اوٹ میں رکھا ہوا تھا۔ میرے پاس بازی گری کا اور بہت

سارا سامان بھی موجود ہے۔ جو تلاشی لینے پر بہ آسانی دستیاب ہو سکتا ہے۔“ موگن کے لمحے

مشینوں پر بیٹھے ہوئے آپ پری حمید کی طرف دیکھنے لگے۔

”تواب تک کیا کرتے رہے۔“ مجرم نظرت کے لمحے میں طفر تھا۔ حمید اس کی پرواہ کے بغیر ٹیلی فون کی طرف چھپتا۔ دوسرے لمحے میں وہ شیرزان ہوٹل کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ اس نے انور سے رابطہ قائم کیا۔

”ہیلو انور۔۔۔ میں حمید یوں رہا ہوں۔۔۔ کیا موگن ہوٹل میں موجود ہے۔ خوب۔۔۔ اچھا تو اسے نگرانی میں رکھو۔۔۔ ہم ابھی پہنچ رہے ہیں۔“

وہ ریسیور رکھ کر مجرم نظرت کی طرف مڑا۔۔۔ اور اس نے موگن کے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ مجرم نظرت تھوڑی دیر کے لئے کسی سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔

”بھی میں کس طرح یقین کر لوں کہ وہ جیر اللہ ہی ہے۔ ابھی فیلڈ وغیرہ ہی کا معاملہ نہیں صاف ہوا۔“

”آپ فکرنے کیجئے۔“ حمید نے لاپرواہی سے کہا۔ ”اگر وہ جیر اللہ ہے تو اب بھی ہمارے پاس اس کی گرفتاری کے معقول وجہوں ہوں گے۔ وہ ناجائز الحجہ اپنے پاس رکھتا ہے۔ ایک سب مشین گن رکھنا معمولی جرم نہیں ہے۔“

”یہ تو ٹھیک ہے۔“ آپ ریشن روم کا انچارج بولا۔ ”گرفتاری کے لئے معقول وجہ ہے مگر ہے وہ جیر اللہ ہی ہو۔“

تحوڑی دیر کی بحث و تکرار کے بعد مجرم نظرت تیار ہو گیا۔

”کیا ریڈی یو کار ساتھ ہو گی۔“ آپ ریشن روم کے انچارج نے پوچھا۔

”کیا ضرورت ہے۔“ مجرم نظرت نے لاپرواہی سے کہا۔

”ضرورت ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”یہ سوچ کر چلے کر آپ جیر اللہ کے لئے نکلے ہیں اگر وہ نکل گیا تو پھر ہم ریڈی یو کار کے بغیر ہیڈ کوارٹر سے فوراً ہی رابطہ قائم نہ کر سکیں گے۔“

آخر آپ ریشن روم کے انچارج نے ریڈی یو کار ساتھا ہی اور وہ شیرزان ہوٹل کی طرف پل پڑے۔ ان کے ساتھ مسلک سپا ہیوں کی کشتر تعداد تھی۔

لوگ حیرت زدہ کھڑے مورگن کو گھور رہے تھے۔ اس نے اپنے چہرے پر سے پلاسٹک کا خل بسا اتا رہا۔ اب ان کے سامنے فریدی کھڑا تھا۔

اس نے حمید کو الگ کر کے جیرالڈ کو گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور بولا۔ ”تم طاقت کے ری ضرور ہو لیکن حقیقتاً تم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ تم فریدی کے جسم و دماغ سے نکلا سکو۔

تمہارا ذہن جواب دے جائے تو تم یہی سمجھو کر تم ایک بچوے سے بھی زیادہ حیرت ہو۔ پچھلی نے مجھے ایک چوہے کی طرح بند کیا تھا اور آج میں تمہیں ایک چیزوں کی طرح مسل رہا۔ میں نے پچھلی ہی رات کو تمہیں پیچان لیا تھا جب تم آپریشن روم سے میری کامیابی سے ڈکھنے شرکر رہے تھے۔ تم نے ایک بار بے خیالی میں عینک اتنا کراپنی آنکھیں صاف کیا اور میرے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ جیرالڈ میں تمہیں کھلا کھلا کر مارنا چاہتا تھا تاکہ تم مرنے سے کم از کم ایک ہی بار خود کو حیرت محسوس کر سکو مگر میرے گدھے حمید نے جلد بازی سے کام لیا۔

”لیکن یہ سال ہا سال سے.....“ میجر فرست ہکایا۔

”میں جانتا ہوں.....!“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”سال ہا سال والا انچارج دوسری دنیا پہنچ چکا ہے۔ غالباً اس کی آنکھیں ایسی تھیں کہ وہ روشنی میں تاریک چشم لگانے بغیر کام کر سکتا تھا۔“

”ٹھیک ہے۔“ ایک آفیسر بولا۔

جیرالڈ نے اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا۔ یہ بے چارہ بھیں تو بدلتا ہے لیکن اپنی قسم کی آنکھوں کو کسی طرح نہیں چھپا سکتا۔ کیوں جیرالڈ؟

جیرالڈ کچھ نہیں بولا۔ اس کی ران کی بڑی ٹوٹ گئی تھی۔ لیکن وہ ایک ہی بیگر پر تاکھڑا۔ اچانک وہ اپنا سینہ کھجانے لگا اور پھر ایک زور دار دھماکہ ہوا۔ کئی چیزوں بلند ہو گئی پھر سا ہوش رہ گیا انہوں نے جیرالڈ کے سینے کی جگہ ایک بہت بڑا غار دیکھا۔ فریدی دوسری فرش پر پڑا ہاٹھ پیچر مار رہا تھا اور اس کا سارا جسم خون سے تر ہوتا جا رہا تھا۔ کئی آفیسروں کوں اور چہروں پر بھی خون نظر آ رہا تھا۔ حمید کا داہنا ہاٹھ جلس گیا تھا۔

میں تھخڑھا۔ اس نے کہا۔ ”میں ایک پیشہ درداری ہوں اور آپ کے شہر کی اوپنی سورا میں بہت عرصہ سے اپنے کرتب دکھارتا ہوں۔ میں آپ کو دو چار پتے دے سکتا ہوں۔ آپ ان سے دریافت کر لیجئے۔“

جلدی جلدی کمرے کی ٹلاشی لی گئی اور جیسا کہ مورگن نے کہا تھا شعبہ بازی کے سامان کے علاوہ اور کچھ بھی نہ تکلا۔ اس دوران ایک آفیسر اس مشین گن کو چاقتو سے چھیلنے لگا تھا۔ وہ بچھے تکڑی ہی کی ثابت ہوئی۔ آفیسروں نے اپنے رویالور جیب میں ڈال لئے۔ میجر فرست حمید کو برآ بھلا کہہ رہا تھا۔

آپریشن روم کے انچارج کا قہقہہ سب سے زیادہ تیز اور بلند تھا۔

”آپ کو بہت بُشی آ رہی ہے۔“ مورگن نے اس سے کہا۔ ”یقیناً آپ میرے دوسرے کرتب دیکھ کر بہت زیادہ محفوظ ہوں گے۔“

اچانک مورگن نے اپنی چلتوں کی جیبوں سے دو رویالور ٹکال لئے۔ ایک کارخ پولیس آفیسروں کی طرف تھا اور دوسرے کا آپریشن روم کے انچارج کی طرف۔

”آپ سب براہ کرم اپنے ہاتھ اور پر اٹھا جائیجے۔ یہ رویالور نقلی نہیں ہیں۔“ مورگن نے کہا۔ ”اب آپ بھک ماریے۔“ جمد بے ساختہ نہیں پڑا۔ ”میں تو اٹھتا۔“

”تم اب بھی آلو ہو۔“ پھر اس نے آپریشن روم کے انچارج سے کہا۔ ”کیا تم اپنا یہ چشم نہیں اتنا رہ گے۔“

آپریشن روم کا انچارج بوکھلا گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بھاگنا چاہتا ہو۔ دفعتاً مورگن کے رویالور سے ایک شعلہ تکلا۔ گولی آپریشن روم کے انچارج کی ران میں لگی اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ قبل اس کے کہ آفیسر ہوش میں آتے انہیں فریدی کی آوار سنائی دی۔

”کوئی حماقت نہ ہو۔۔۔ یہ جیرالڈ ہے۔“ آپریشن روم کے انچارج نے پھر اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن اس بار حمید اس پر ٹوٹ

”باں..... وہ تو کل ہی لیکن!“

”مہریے۔“ فریدی نئکے کے نیچے ہاتھ ڈال کر کچھ ٹوٹا ہوا بولا۔ پھر اس نے ایک تصویر ل کر اس کے سامنے ڈال دی۔

”یہ تو اسی کی تصویر ہے۔“ مجھ نصرت نے کہا۔

”اور آپ جانتے ہیں یہ کون ہے؟“

”نہیں!“

”یہ سجاد صدماںی ہے۔“

”کیا؟“ وہ سب یہک وقت بو لے۔

”جی ہاں..... وہ سالہا سال سے ان لوگوں کے قبضے میں تھا۔ انہوں نے کسی طرح سے

سماں کا دماغ ماؤف کر دیا تھا..... اور وہ اپنی بچھلی شخصیت بھول گیا تھا لیکن دستخط سجاد صدماںی عی

لے کرتا تھا۔ کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں۔ وہ اپنے وہی پرانے دستخط کرتا تھا لیکن اس غریب کو

مٹک یاد نہیں تھا۔ اس طرح جیراللہ اس کے کاروبار پر تابض تھا۔ سجاد کے ملاز میں اسے سجاد کی

مکمل سمجھتے تھے کہ وہ تین سال سے ان کے سامنے نہیں آیا۔ بہر حال اس کے دستخط اصلی تھے اور

یہ دستخطوں کی بناء پر سجاد صدماںی کی دولت جیراللہ کے ہاتھ لگتی رہتی تھی اور صدماںی کے قتل سے

لے نے بہت بڑی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔ اس کا خیال تھا کہ اب صدماںی کا کاروبار بھی سجاد

لی ہی طرف منتقل ہو جائے گا۔ میں نے کیس کے دوران کی کئی بار یہ بات دوسروں کے سامنے

لی رکھی تھی کہ اگر مجرم سونے کی ایشیں ہی حاصل کرنا چاہتے تھے تو صدماںی کو اتنے پر اسرار

ریکے پر قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ میرے خدا! اب میں سوچتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے۔

”صدماںی کی سیکریٹری کی طرف سے مسٹر براؤن کے نام خط رو ان کرنے کی حماقت سرزد ہوتی

وہم اب تک تاریکی ہی میں سرمارتے نظر آتے۔ پھر میں نے مجھ نصرت کو اس تاریکے متعلق

اون کیا۔ ظاہر ہے جیراللہ آپریشن روم کا انچارج تھا۔ اسے میری اس کاں کی اطلاع ملی اور اس

نے اپنی پہلی ہی فرصت میں صدماںی کی سیکریٹری کو قتل کر دیا جو اس کے گروہ سے تعلق رکھتی تھی۔



دوسرے دن ہسپتال میں ملک کی معزز ہستیاں فریدی کے بستر کے گرد اکٹھا تھیں۔ فریدی کا پورا جسم پیسوں سے ڈھکا ہوا تھا لیکن اس کے باوجود بھی اس کے چہرے پر نشاہت کے آثار نہیں تھے۔ وہ کہہ رہا تھا ”انہماں چالا کیوں، کے باوجود بھی وہ دھوکہ کھا گیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ اپنے سینے میں ایک چھوٹا سا بیم چھپائے ہوئے ہے۔ کھلانے کے بھانے اس نے اس کا سیپھی تیچھا ہنادیا تھا۔

”لیکن تم نے یہ خطرہ کیوں نا حق مول لیا تھا۔“ اس کے ذی۔ آئی۔ جی نے کہا جو آج ہی بذریعہ ہوائی جہاز رام گڑھ پہنچا تھا۔

”آپ میری افتاد طبع سے بخوبی واقف ہیں۔ میں ڈرامائی انداز میں کام کرنے کا عادی ہوں لیکن اس پر جب بھی اور جہاں بھی ہاتھ ڈالا جاتا وہ یہی کرتا۔... بھم ساتھ لے پھر نے کا مطلب تھا کہ وہ خود بھی مایوس ہو چکا تھا اور اسے یقین تھا کہ اب وہ خطرے میں ہے۔ اگر میں اسے آپریشن روم میں بھی گرفتار کرتا تو متوجہ یہی ہوتا۔ ظاہر ہے کہ آپ کسی قیدی کو اس کا جنم کھانے سے تو باز نہیں رکھ سکتے۔“

”لیکن تمہاری موجودہ حالت کتنی تشویش ناک ہے۔“ ذی۔ آئی۔ جی نے بزرگانہ انداز میں کہا۔

”اوہ..... آپ اس کی فکر نہ کیجئے..... جب تک میری قوت ارادی برقرار رہے، میں مر نہیں سکتا۔“

”اچھا اب تم آرام کرو.....“ ذی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

”مہریے۔“ فریدی اپنا پیسوں سے ڈھکا ہوا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اس سلسلے کی سب سے اہم اور دلچسپ کڑی تو رہتی گئی۔“

وہ سب توجہ اور دلچسپی سے فریدی کی طرف دیکھنے لگے۔

فریدی نے مجھ نصرت کو مناطب کر کے کہا۔ ”کیا آپ نے اس دیوانے کی ہاتھیں۔“

موچھیں صاف کر دیں۔“

لیکن اب پولیس کی نظروں میں چڑھنی تھی۔“

میجر نصرت نے مورگن کی مصروفیت کے متعلق پوچھا۔

”وہ شروع ہی سے فریدی تھا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میں نے اس کیس کے سلسلے میں بہت پاپڑ بیلے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ میں ایک انگریز شعبدہ باز کے بھیں میں یہاں کی اوپنی سوسائٹیوں میں بھی اٹھتا بیٹھتا رہا ہوں۔ مقصد کسی نہ کسی طرح جیرالڈ تک پہنچتا تھا۔ بہر حال ایک دن حمید کو مجھ پر شہر ہو گیا اور وہ گدھا میری ہی نگرانی کرنے لگا۔ میں نے سوچا چلو تفریح ہی رہے گی۔ میں اس کی نظروں میں روز بروز پراسرار بنتا گیا اور آخر اس سے یہ حماقت سرزد ہو گئی۔“ فریدی ہنسنے لگا۔ دوسرے بستر پر حمید اکثر وہ بیٹھا اُسے کھا جانے والی نظروں سے گھوڑا تھا۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

جیرالڈ کے انجام کی خبر ساری دنیا میں پھیل چکی تھی اور ہر چہار طرف سے حکومت کے نام مبارک بادی کے تار موصول ہو رہے تھے۔

بہر حال ایسے دیوانے کتے کے مرجانے سے کے خوش نہ ہوتی جو ساری دنیا پر سائنسی تباہی لانے کے منصوبے باندھ رہا تھا۔

اس بار فریدی اور حمید کو کرٹل اور کپٹن کے فوجی اعزاز قبول کرنے ہی پڑے جو ایک سرکاری تقریب میں انہیں تفویض کئے گئے تھے۔ اس تقریب میں ملک کی ذمہ دار ہستیاں شریک ہوئی تھیں۔ قاسم کو ایک تمغہ ملایہ بھی فوجی ہی نوعیت کا تھا لیکن وہ اب بھی اس گلگڑی سی عورت کو یاد کر کے اکثر آبدیدہ ہو جاتا تھا۔ جو اسے جیرالڈ کی زمین دوز دنیا تک لے گئی تھی۔ انور کو شاید ساری زندگی اس کا افسوس رہے کہ فریدی نے اس سے اس کیس میں کوئی کام نہ لیا۔ سجاد صدماںی بہترین ڈاکٹروں کے زیر علاج ہے۔ لیکن کسی کو بھی تو قع نہیں کرو۔ بھی اچھا ہو سکے گا۔

ختم شد